بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

سیّدِ ہجویر

حضرت علی بن عُثمان الجلاّبی الہجویری المعرُوف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

[حیات و تعلیمات]

تالیف

مولانا سیّد محمد مِتین ہاشمی

ڈائریکٹر مرکزِ تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ لائبریری لاہور

شائع کردہ

مرکزِ معارفِ اولیا، محکمۂ اوقافِ حکومتِ پنجاب

دربار داتا گنج بخش، لاہور

Marfat.com

۲۹۷۶۴۹۲
۱۲۶
25395

ایڈیشن اوّل ——— جولائی ۱۹۸۵ء
تعداد ——— گیارہ صد

طابع ——— میاں عبدالماجد
آرٹ ورک و نگرانِ طباعت ——— محمد سعید

مطبع ——— امپرنٹ پریس ۸۔ایبٹ روڈ لاہور
فون : ۲۲۴۳۶۵

قیمت

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اپنے ولی نعمت سید الاولیاء شمع ملت، متمکن اندر شریعت

نقیب اہل انس، پادشاہ ولایت حضرت مخدوم

سید علی بن عثمان الجلابی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ

کے حضور ایک حقیر کا نذرانۂ عقیدت

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما

باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

سید محمد منین ہاشمی

Marfat.com

سیّدِ ہجویر، مخدومِ اُمَم
مرقدِ اُو پیرِ سنجر را حَرَم
بندہای کوہسار آساں گسیخت
در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فارُوق از جمالش تازہ شد
حق ز حرفِ اُو بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزّتِ اُمُّ الکِتاب
از نگاہش خانۂ باطِل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت
صُبحِ ما از مہرِ اُو تابندہ گشت

اقبؔال

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

انتساب	۳
فہرست	۵
مقدمہ	۱۹
پیشِ لفظ	۳۰
عرضِ مؤلف	۳۷
باب اوّل : تمہیدی مباحث	۴۱
پہلی فصل : لفظ تصوّف کی لغوی تحقیق	۴۱
مادّۂ اشتقاق	۴۱
قولِ راجح	۴۳
دوسری فصل : تصوف کی اصطلاحی تعریف	۴۵
متقدمین صوفیہ کی تعریفات	۴۶
مجاہدات سے گزرنے والے صوفیہ کی تعریفات،	۴۹
تصوف کی ذوقی تعریف	۵۰
خلاصۂ کلام	۵۰
تیسری فصل : کیا تصوّف بدعت ہے؟	۵۱

Marfat.com

صفحہ	عنوان	ابواب وفصول
٦٢	خلاصۂ کلام	
٦٣	تزکیہ	چوتھی فصل :
٦٦	نظامِ تزکیہ	
٦٧	طریقِ تزکیہ	
٧١	بیعت	پانچویں فصل :
٨٠	مرتبۂ احسان	چھٹی فصل :
٨٦	ایک اعتراض اور اس کا جواب	
٨٩	تصوّف کا ارتقاء	باب دوم :
٨٩	خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم	پہلی فصل :
٨٩	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	
٩٣	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	
٩٥	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	
٩٨	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	
١٠٠	دیگر صحابہ کرام کے صوفیانہ افکار	دوسری فصل :
١٠٣	تابعین رحمہم اللہ کا عہد	تیسری فصل :
١١٠	عہد تبع تابعین و ما بعد	چوتھی فصل :
١١٣	مصر کا دبستان تصوف	پانچویں فصل :
١١٦	ایران کا دبستان تصوّف	چھٹی فصل :
١١٩	عراق کا دبستان تصوّف	ساتویں فصل :
١٢١	دسویں صدی عیسوی میں تصوّف	آٹھویں فصل :

Marfat.com

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
نویں فصل :	گیارہویں صدی عیسوی میں تصوف	۱۲۳

باب سوم — سوانح حیات حضرت سیّد علی ہجویریؒ ۱۲۵

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
پہلی فصل :	نام و نسب	۱۲۶
	سلسلۂ نسب	۱۲۸
	سال ولادت	۱۲۹
دوسری فصل :	جائے ولادت و توطن	۱۳۰
	لقب	۱۳۵
تیسری فصل :	تحصیل علم	۱۳۹
چوتھی فصل :	باطنی تعلیم	۱۴۹
	الحصری البصری	۱۵۳
	حضرت ابوبکر شبلی	۱۵۳
پانچویں فصل :	سیر و سیاحت	۱۵۵
چھٹی فصل :	لاہور میں تشریف آوری	۱۶۸
ساتویں فصل :	حضرتؒ کے زمانے میں غزنی کے سیاسی حالات	۱۷۴
آٹھویں فصل :	حضرتؒ کی تشریف آوری سے قبل لاہور کے حالات	۱۷۶
	حضرت کی تشریف آوری کے وقت لاہور کے حالات	۱۷۶
	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۸۳
	لاہور میں قیام	۱۸۴
	قیامگاہ کا انتخاب	۱۸۶

Marfat.com

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
	تعمیرِ مسجد	۱۸۶
نویں فصل	: تبلیغِ دین	۱۸۸
	تدریس سے علیٰحدگی	۱۸۹
دسویں فصل	: سلسلۂ بیعت وارشاد	۱۹۰
گیارہویں فصل	: تزویج	۱۹۵
بارہویں فصل	: حضرت ہجویریؒ کا مسلک	۲۱۳
تیرھویں فصل	: وفات	۲۱۷
چودھویں فصل	: مدفن و مزار حضرت ہجویریؒ	۲۲۴
	مدفن کے بارے میں ایک نظریہ	۲۲۷
پندھویں فصل	: حضرت ہجویریؒ کی کرامات	۲۲۹
	کراماتِ عقلی	۲۳۱
باب چہارم	**: تصانیف**	۲۳۲
پہلی فصل	: فہرست تصانیف و تعارف	۲۳۲
دوسری فصل	: کشف المحجوب، ایک زندۂ جاوید کرامت	۲۴۱
	محققین صوفیہ کی رائے	۲۴۲
	کشف المحجوب کا اجمالی تعارف	۲۵۲
	باب اثبات العلم	۲۵۴
	باب اثبات الفقر	۲۵۵
	التصوف	۲۵۵
	مرقعہ داشتن	۲۵۶

Marfat.com

ابواب وفصول	عنوان	صفحہ
5	باب اختلافہم فی الفقر	۲۵۶
6	باب بیان الملامۃ	۲۵۷
7	باب ذکر ائمتہم من الصحابۃ	۲۵۸
8	باب فی ذکر ائمتہم من اہل البیت	۲۵۸
9	باب ذکر اہل الصفۃ	۲۵۸
10	باب ذکر ائمتہم من التابعین	۲۵۹
11	باب فی ذکر ائمتہم من اتباع التابعین	۲۵۹
12	باب فی ذکر رجال الصوفیۃ من المتأخرین	۲۵۹
13	باب فی فرق فرقہم	۲۶۰
14	کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ تعالیٰ	۲۶۲
15	کشف الحجاب الثانی فی التوحید	۲۶۲
16	کشف الحجاب الثالث فی الایمان	۲۶۳
17	کشف الحجاب الرابع فی الطہارۃ	۲۶۳
18	کشف الحجاب الخامس فی الصلوٰۃ	۲۶۳
19	کشف الحجاب السادس فی الزکوٰۃ	۲۶۴
20	کشف الحجاب السابع فی الصوم	۲۶۴
21	کشف الحجاب الثامن فی الحج	۲۶۴
22	کشف الحجاب التاسع فی الصحبۃ مع آدابہا	۲۶۵
23	کشف الحجاب العاشر فی بیان منطقہم	۲۶۵
24	کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع	۲۶۵

Marfat.com

ابواب وفصول	عنوان	صفحہ
25	باب التوبۃ وما یتعلق بہا	٢٦٥
26	باب المحبۃ وما یتعلق بہا	٢٦٦
27	باب الجود والسخاوۃ	٢٦٦
28	باب الجوع وما یتعلق بہا	٢٦٧
29	باب المشاہدات	٢٦٧
30	باب الصحبۃ وما یتعلق بہا	٢٦٧
31	باب آدابہم فی الصحبۃ	٢٦٨
32	باب آداب الاقامۃ فی الصحبۃ	٢٦٨
33	باب الصحبۃ فی السفر وآدابہ	٢٦٨
34	باب آدابہم فی الاکل	٢٦٩
35	باب آدابہم فی المشی	٢٦٩
36	باب آداب نومہم فی السفر والحضر	٢٦٩
37	باب آدابہم فی السوال وترکہ	٢٦٩
38	باب آدابہم فی الکلام والسکوت	٢٦٩
39	باب آدابہم فی التزویج	٢٦٩
40	باب سماع القرآن وما یتعلق بہا	٢٧٠
41	باب سماع الشعر وما یتعلق بہا	٢٧٠
42	باب سماع الاصوات والالحان	٢٧٠
43	باب احکام السماع	٢٧٠
44	باب اختلافہم فی السماع	٢٧٠

Marfat.com

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
۶۵	باب مراتبہم فی حقیقۃ السماع	۲۷۱
۶۶	باب الوجد والوجود والتواجد و مراتبہ	۲۷۱
۶۷	باب الرقص	۲۷۱
۶۸	باب الخرق	۲۷۲
۶۹	باب آداب السماع	۲۷۲
تیسری فصل	: کشف المحجوب کے مآخذ و مراجع	۲۷۲
	منابع درجہ اول	۲۷۲
	منابع درجہ دوم	۲۷۳
	منابع درجہ سوم	۲۷۳
چوتھی فصل	: کشف المحجوب اور متقدم و معاصر ادبیات تصوف	۲۷۵
	کتاب اللمع اور کشف المحجوب	۲۷۵
	قوت القلوب اور کشف المحجوب	۲۸۴
	التعرف لمذہب اہل التصوف اور کشف المحجوب	۲۹۳
	رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب	۲۹۹
پانچویں فصل	: مابعد کے ادبیات تصوف پر کشف المحجوب کے اثرات	۳۰۷
باب پنجم	**: —— تعلیمات**	۳۱۱
پہلی فصل	: استخارہ اور خلوص نیت	۳۱۲
	کشف المحجوب نام رکھنے کی مصلحت	۳۱۷
دوسری فصل	: سب سے بڑا حجاب	۳۲۰
تیسری فصل	: اثبات علم	۳۲۲

ابواب وفصول	عنوان	صفحہ
چوتھی فصل :	حقیقت فقر	۳۳۳
	فقر کی تعریف	۳۳۹
	چند غلط فہمیوں کا ازالہ	۳۴۲
پانچویں فصل :	باب تصوف	۳۵۲
	درجاتِ تصوف	۳۵۴
	مجاہدات	۳۵۵
	تصوّف ایک خصلت	۳۵۶
	تصوف کی آٹھ خصلتیں	۳۵۶
	معاملاتِ تصوف	۳۵۷
	رسم وخصلت میں فرق	۳۵۸
چھٹی فصل :	اصولِ طریقت	۳۵۹
	خرقہ پوشی	۳۶۱
	خرقہ کے آداب	۳۶۴
	پیر کامل کون ہے ؟	۳۶۷
	خرقہ کی حقیقت	۳۶۷
	خرقہ کا وقار	
ساتویں فصل :	طریق ملامت	۳۶۸
آٹھویں فصل :	حقیقتِ رضا	۳۷۰
	مسالکِ صوفیہ	۳۷۲
نویں فصل :	مقام وحال	۳۷۵
دسویں فصل :	سکر اور صحو	۳۷۹

Marfat.com

ابواب وفصول	عنوان	صفحہ
گیارہویں فصل	حقیقت ایثار	۳۸۴
بارہویں فصل	حقیقت نفس و ہوا	۳۸۶
	نفس کی مخالفت	۳۸۷
تیرھویں فصل	حقیقتِ انسان	۳۸۹
چودھویں فصل	مجاہدۂ نفس	۳۹۴
پندرہویں فصل	اثباتِ ولایت	۴۰۰
	ولی کی حقیقت	۴۰۳
	ملاحدہ	۴۰۵
سولہویں فصل	اثبات کرامت	۴۰۵
	عصمت وولایت	۴۰۷
	ظہور کرامت اور صحو وسکر	۴۰۸
سترھویں فصل	انبیاء کی اولیاء پر فضیلت	۴۱۰
	انبیاء واولیاء کی ملائکہ پر فضیلت	۴۱۲
اٹھارہویں فصل	فنا وبقا	۴۱۵
	لطیف رموز	۴۱۹
	بندگی میں اخلاص	۴۲۰
	قول فیصل	۴۲۰
انیسویں فصل	غیبت وحضور	۴۲۱
بیسویں فصل	جمع وتفرقہ	۴۲۲
	تفرقہ فی الحکم	۴۲۴

Marfat.com

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
	ایک علمی اختلاف	۴۲۷
	جمع اقسام	۴۲۸
	اصل الاصول	۴۲۹
اکیسویں فصل	: روح کی بحث	۴۳۰
	ملاحدہ کا عقیدہ	۴۳۱
	مقامات ارواح	۴۳۳
بائیسویں فصل	: معرفتِ الٰہی کی بحث	۴۳۵
	معتزلہ کا عقیدہ	۴۳۵
	قولِ فیصل	۴۴۰
تیئسویں فصل	: حقیقتِ توحید	۴۴۲
	توحید کے بنیادی حقائق	۴۴۲
	اقوال مشائخ	۴۴۴
چوبیسویں فصل	: حقیقت ایمان	۴۴۶
	ایمان کی اصل و فرع	۴۴۸
	توحید کے تقاضے	۴۴۹
	حاصل کلام	۴۴۹
پچیسویں فصل	: حقیقت طہارت	۴۵۰
	ظاہری طہارت سے باطنی طہارت تک	۴۵۲
چھبیسویں فصل	: حقیقت توبہ	۴۵۳
	توبہ کی شرائط	۴۵۴

Marfat.com

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
	مقاماتِ توبہ	۴۵۴
	اوبت	۴۵۴
	علمی اختلاف	۴۵۵
	توبہ کے بعد نسیان گناہ	۴۵۶
	طریق توبہ	۴۵۶
ستائیسویں فصل :	حقیقتِ صلوٰۃ	۴۵۸
	نماز کی باطنیت	۴۵۹
اٹھائیسویں فصل :	حقیقتِ محبت	۴۶۱
	لغوی تحقیق	۴۶۱
	ملحدین کا رَد	۴۶۶
انتیسویں فصل :	حقیقتِ زکوٰۃ	۴۶۸
تیسویں فصل :	حقیقت جود و سخا	۴۷۰
	جواد و سخی میں فرق	۴۷۱
اکتیسویں فصل :	حقیقتِ صوم	۴۷۱
بتیسویں فصل :	حقیقتِ حج	۴۷۳
	مقام حجم و مقام خلت	۴۷۴
	مشاھدہ	۴۷۵
تینتیسویں فصل :	حقیقتِ مشاہدہ	۴۷۶
چونتیسویں فصل :	صحبت اور اس کے آداب	۴۷۷
	ادب کی اقسام	۴۷۹

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
	صحبت اور متعلقات صحبت	۴۸۰
	صحبت کے آداب	۴۸۲
پینتیسویں فصل	: آداب اقامت	۴۸۴
چھتیسویں فصل	: سفر میں صحبت کے آداب	۴۸۶
سینتیسویں فصل	: کھانے کے آداب	۴۸۷
اڑتیسویں فصل	: چلنے کے آداب	۴۸۹
انتالیسویں فصل	: سونے کے آداب	۴۹۱
چالیسویں فصل	: کلام و سکوت کے آداب	۴۹۴
اکتالیسویں فصل	: سوال و ترک سوال کے آداب	۴۹۷
بیالیسویں فصل	: نکاح اور تجرّد کے آداب	۴۹۹
تینتالیسویں فصل	: صوفیہ کی اصطلاحات و حقائق	۵۰۴
چوالیسویں فصل	: حال اور وقت کا بیان	۵۰۵
پنتالیسویں فصل	: مکان و تمکین کا بیان	۵۰۷
	تمکین	۵۰۸
	تلوین	۵۰۹
	تمکین کی اقسام	۵۱۰
چھیالیسویں فصل	: محاضرہ و مکاشفہ اور ان کے درمیان فرق	۵۱۰
سنتالیسویں فصل	: قبض و بسط اور ان کے درمیان فرق	۵۱۱
اڑتالیسویں فصل	: انس و ہیبت اور ان کے درمیان فرق	۵۱۳
انچاسویں فصل	: قہر و لطف اور ان کے درمیان فرق	۵۱۵

Marfat.com

ابواب وفصول	عنوان	صفحہ
پچاسویں فصل	: نفی واثبات اوران کا فرق	۵۱۶
اکاونویں فصل	: مسامرہ ومحادثہ اوران کا فرق	۵۱۷
باونویں فصل	: علم الیقین عین الیقین حق الیقین	۵۱۹
ترپنویں فصل	: علم ومعرفت اوران کے درمیان فرق	۵۲۰
چونویں فصل	: شریعت وحقیقت اوران کے درمیان فرق	۵۲۱
پچپنویں فصل	: اصطلاحات صوفیہ	۵۲۲
چھپنویں فصل	: اصطلاحات صوفیہ بسلسلہ توحید	۵۲۵
ستاونویں فصل	: محتاج تشریح اصطلاحات صوفیہ	۵۲۷
	الخواطر	۵۲۷
	الواقع	۵۲۷
	الاختیار	۵۲۷
	الامتحان	۵۲۷
	البلاء	۵۲۸
	التحلی	۵۲۸
	التجلی	۵۲۸
	التخلی	۵۲۹
	الشرود	۵۲۹
	القصود	۵۲۹
	الاصطناع	۵۳۰
	الاصطفاء	۵۳۰

ابواب و فصول	عنوان	صفحہ
	الاصطلام	۵۳۱
	الرین	۵۳۱
	الغین	۵۳۱
	التلبیس	۵۳۲
	الشرب	۵۳۲
	الذوق	۵۳۴
اٹھاونویں فصل :	سماع کے متعلق مباحث	۵۳۴
	سماع القرآن	۵۳۴
	سماع الشعر	۵۳۸
	احکام السماع	۵۴۰
	مراتبِ سماع واہلِ سماع	۵۴۳
	وجد و تواجد	۵۴۶
	النظر فی الاحداث	۵۴۸
	الخرق	۵۴۸
	آدابِ سماع	۵۴۸
اُنسٹھویں فصل :	وصیتِ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	۵۵۰
اشاریہ وکتابیات		۵۵۵

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

''سید ہجویر المعروف بہ **گنج بخش** رحمۃ اللہ علیہ حیات و **تعلیمات**'' مولانا سید **محمد متین** ہاشمی صاحب کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ انہوں نے اپنی اس مؤقر کتاب کا نام حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے اس شعر سے اخذ کیا ہے۔

؎ سید ہجویرؒ مخدوم امم   مرقد او پیرِ سنجر را حرم

کتاب اور اس کے فاضل مؤلف کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرنے سے قبل یہ ضروری خیال کرتا ہوں کہ مخدوم امم، سید ہجویرؒ کے حضور چند گلہائے عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں۔

اس برصغیر پاک و ہند میں تصوف اسلامی کے دو عظیم محسن ہو گذرے ہیں۔ سید **مخدوم علی** ہجویریؒ جنہیں شرف سبقت بھی حاصل ہے اور امام ربانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ۔ ان دونوں بزرگوں کے باہمی روحانی ربط و تعلق کا پتہ اس امر سے بھی چلتا ہے کہ حضرت مجدد نے سید ہجویر کے وجود مسعود کے حوالے سے شہر لاہور کو پاک و ہند کے تمام شہروں کا **قطب ارشاد** بیان فرمایا تھا۔ تصوف کے سلسلے میں ان دونوں بزرگوں نے یہ عظیم اور گرانقدر کارنامہ انجام دیا کہ سید ہجویر نے ان دو غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا جو پانچویں صدی ہجری کے زمانے تک مختلف طبقوں نے پھیلا رکھی تھیں اور مجدد الف ثانیؒ نے ان گمراہیوں کا ازالہ فرمایا جو ان کے زمانے میں تصوف اسلامی کے نام پر روا رکھی جا رہی تھیں

Marfat.com

ان دونوں بزرگوں نے تصوف اسلامی کو اس کے اصل رُوپ میں نکھار کر پیش فرمایا۔ تاریخ اقوام وملل اور تاریخ ادیانِ عالم کا مطالعہ کرنے والے کسی بھی صاحب فکر و نظر سے یہ امر مخفی نہیں کہ جہاں بعض اقوام کے ہاں زندگی کا مقصد محض مادی مفادات کا حصول رہا ہے وہاں بعض ایسے ادیان بھی موجود ہیں جنہوں نے زندگی کا مقصد، دنیا سے فرار اختیار کرکے، محض روحانی بالیدگی کا حصول قرار دیا ہے۔ گویا ایک طبقے نے روحانی تقاضوں کو یکسر فراموش کرکے **غرقِ دنیا** ہونے کو اپنایا تو دوسرے طبقے نے مادی تقاضوں کو یکسر نظر انداز کرکے **ترکِ دنیا** کے رجحان کو اپنایا۔ اسلام ہی وہ دینِ فطرت اور دینِ فکر و عمل ہے جس نے **ترکِ دنیا** اور **غرقِ دنیا** کی دو انتہاؤں (EXTREMES) کے مابین اعتدال و توازن کی راہ دکھائی اور یہ بتایا کہ انسان شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر، خواہشات کو منضبط کرکے انسانی زندگی کے مادی تقاضوں کو بھی پورا کرسکتا ہے اور دوسری طرف اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو اپنا کر، فضائل اخلاق سے آراستہ ہو کر، اپنے معبودِ حقیقی سے وابستگی کی چاہت کے ساتھ روحانی تعمیر وارتقاء کے مراحل بھی طے کرسکتا ہے۔

تصوف کے مادہ اشتقاق کی بحثوں میں الجھے بغیر، ہم پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تصوف دراصل روحانی تعمیر وارتقاء اور شریعت میں اخلاص اور للّٰہیت کی روح پھونکنے کا دوسرا نام ہے اور یہی وہ گوہر مقصود ہے جو **کشف المحجوب** کے آئینے میں واضح طور پر، پورے نکھار کے ساتھ، سید مخدوم علی ہجویریؒ نے پیش فرمایا ہے۔

تصوف کے بارے میں غلط فہمیاں اس موجودہ دور کے ساتھ خاص نہیں۔ صدیوں سے چلی آرہی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کا شکار خود مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی ہے جس نے "**ظاہر شریعت**" کو مکمل دین سمجھ کر "**روح شریعت**" کو نظر انداز کر رکھا

ہے اور وہ طبقہ بھی جس نے ریاضات اور مجاہدات کے ایک خاص طریق کو اپنا کر "ظاہر شریعت" کے تقاضوں کو فراموش کر دیا ہے۔ سید مخدوم علی ہجویریؒ نے اعتدال و توازن سے کام لیتے ہوئے دین کو شریعت و طریقت کا حسین امتزاج قرار دیا ہے اور دونوں کو جسد و روح کی طرح لازم و ملزوم ٹھہرایا ہے۔ اور تصوف کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا ہے چنانچہ آپ نے کشف المحجوب لکھنے کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا ہے کہ:

"تمہارے سوال میں جو مقاصد ہیں ان کا بیان شروع کرتا ہوں اور جو مقامات و حجابات ہیں ان کا بیان لطیف پیرائے میں مرتب کرتا ہوں اور اہل علم و عرفان کی عبارتوں کو شرح کے ساتھ اور بقدر ضرورت اقوال مشائخ کو شامل کرتا ہوں نیز عجیب و غریب حکایتوں کو بیان کر کے فہم مقاصد میں تمہاری مدد کرتا ہوں تاکہ تمہاری مقصد برآری ہو جائے اور ظاہری علوم کے علماء کو بھی معلوم ہو جائے کہ طریقہ تصوف کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں میوہ دار ہیں اور وہ اس حقیقت سے روشناس ہو جائیں کہ طریقت کے تمام مشائخ صاحبان علم و معرفت تھے اور وہ اپنے مریدوں کو علم سیکھنے کا شوق دلاتے تھے اور اس پر قائم رکھنے کا ذوق پیدا کرتے تھے وہ کسی حالت میں لہو و لغو کا اتباع نہ کرتے تھے اور کبھی بھی یہ حضرات واہی تواہی میں نہیں پڑے۔ بکثرت مشائخ طریقت اور علمائے معرفت نے تصوف و طریقت میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور اسرار ربانی کو دلیل و برہان کے ساتھ لطیف عبارتوں سے ثابت کیا۔
وباللہ التوفیق"

سید مخدوم علی ہجویریؒ کی گرامی شخصیت محتاج تعارف نہیں، سلطان المشائخ

Marfat.com

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے درر نظامی میں، حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے فصل الخطاب میں، حضرت خواجہ بندہ گیسو درازؒ نے اپنے مکتوبات میں، مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں، خواجہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکاتیب شریفہ میں اور دارا شکوہ نے سفینتہ الاولیاء میں آپ کے علم و فضل اور آپ کے روحانی کمالات کے اعتراف کے ساتھ ساتھ آپ کی شاہکار تصنیف کشف المحجوب کو ہدیہ تحسین پیش کیا ہے۔ اصل لطف تو اس بات میں ہے کہ سمندر کا نظارہ اس کی اٹھتی ہوئی موجوں سے کیا ہے۔ کشف المحجوب کے علمی و روحانی بحر ذخار کی غواصی کرنے والا قاری سید ہجویرؒ کی علمی رفعتوں کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کشف المحجوب کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیّد ہجویرؒ تفسیر، حدیث، فقہ، عربی زبان و ادب، منطق، کلام، فلسفہ، تاریخ، تصوّف اور دین و شریعت کے اسرار و رموز پر کتنی گہری نگاہ رکھتے ہیں اور آپ کو ان علوم میں کتنی مہارت اور دسترس حاصل ہے چنانچہ اکثر آپ نے مختلف آراء کا تجزیہ کر کے محاکمہ فرمایا ہے۔ حقیقت نفس، حقیقت معرفت، حقیقت ایثار، حقیقت روح، حقیقت رضا، فنا و بقا، سکر و صحو، مقام و حال جمع و تفرقہ پر آپ کے مباحث علمی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے روزمرہ زندگی کے مختلف معمولات میں ان آداب کا بھی ذکر کیا ہے جو شریعت مطہرہ کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہیں۔

کشف المحجوب میں وہ ہر بات کی سند کتاب و سنّت سے پیش کرتے ہیں آپ نے اگر ایک طرف بکثرت آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ، عربی اشعار، تقریباً تین سو اقوال مشائخ اور بیس اکیس کتابوں کی عبارتیں بقید مصنف اس کتاب میں درج کی ہیں تو دوسری طرف انہوں نے اس میں طریقت و حقیقت اور معرفت کے وہ عظیم القدر اور گراں مایہ موتی جمع کر دیے ہیں کہ ہر آنے والا مدح و ستائش اور عقیدت کا نذرانہ پیش

25395

کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

المختصر **کشف المحجوب** وہ آئینہ ہے جس میں سید ہجویرؒ کا حسن علم و معرفت اور حسن عمل اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جھلکتا ہے آپ اپنی تعمیر شخصیت کے لیے بکثرت مشائخ کرام کی صحبت کے فیضان سے مستفیض ہوتے ہیں اور پھر اس فیضان علمی روحانی کو دوسروں تک پہنچانے اور تبلیغ و اشاعت اسلام کا مقدس فریضہ ادا کرنے کے لیے دور دراز کے سفر اختیار فرماتے ہیں لیکن دوران سفر شریعت کی متابعت کا پورا پورا اہتمام فرماتے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں تبلیغ کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہیں جن کے دل اسلام دشمنی کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں لیکن سید ہجویرؒ اپنے صدق و صفا، لطف و کرم، حسن خلق اور نرم روی سے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" کے ارشاد ربانی کی عملی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ اپنے آرام و آسائش کی پرواہ کئے بغیر شب و روز سرگرمی اور مستعدی سے دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں اور پھر تائید ایزدی سے اس مقام اعلیٰ و ارفع پر فائز ہوتے ہیں کہ آپ سے روحانی فیضان حاصل کرنے والے اس شعر میں آپ کی عظیم تبلیغی مساعی اور ملی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

سید ہجویرؒ نے **کشف المحجوب** فارسی زبان میں لکھی۔ اسے اصل زبان میں پڑھنے والا قاری ہی اس کے ادبی محاسن اور مضامین کی اثر آفرینی سے صحیح معنوں میں لذت آشنا ہو سکتا ہے۔ اردو میں جو تراجم ملتے ہیں۔ مترجمین کی انتہائی مخلصانہ مساعی کے باوجود **کشف المحجوب** کے مفہوم و مقصود کو پورے طور پر واضح نہیں کر پاتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قاری کسی کتاب کے ترجمے سے اصل کتاب کی چاشنی اور حلاوت سے بہرہ ور

Marfat.com

نہیں ہو پاتا۔ ایک اور بات جس کا ہر قاری شدت سے احساس کرتا ہے یہ ہے کہ **کشف المحجوب** کی کوئی شرح نہیں لکھی گئی (کم از کم میری نظر سے نہیں گذری) جس سے اس کے عالی مضامین کے مفہوم و مطالب کو کماحقہٗ سمجھنے میں مدد مل سکے۔

اندریں حالات مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے محنت شاقہ سے کام لے کر اور سچ تو یہ ہے کہ دلی لگن کے ساتھ، سلیس عام فہم اور دلنشین انداز میں سید ہجویرؒ کے حالات و تعلیمات پر مبنی زیر نظر کتاب تالیف فرمائی۔

حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب کی شخصیت علمی و ادبی حلقوں میں جانی پہچانی ہے۔ مولانا علوم دینیہ میں مہارت و دسترس اور وسیع مطالعہ رکھنے کے ساتھ ساتھ روحانی الذہن اور اہل دل حضرات میں سے ہیں روحانی عظمتوں کے شناسا اور دل کی گہرائیوں سے ان کے قدردان بھی ہیں۔ سید ہجویرؒ سے ان کی عقیدت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ لاہور تشریف لائے تو پہلے روز ہی سید ہجویرؒ کے مزار پرانوار پر حاضری دی۔

حضرت مولانا کے حسن عقیدت کا یہ رنگ کتاب کی حسنِ ترتیب سے بھی جھلکتا ہے۔ آپ نے کتاب کے آغاز میں، باب اول میں، تصوف کے تمہیدی مباحث پر قلم اٹھایا ہے اور لفظ تصوف کی لغوی تحقیق اور اصطلاحی تعریف پر روشنی ڈالنے کے بعد ایک فصل اس عنوان پر قائم کی ہے: "کیا تصوف بدعت ہے؟" اور پھر اسلام کے تزکیہ نفس کے روحانی نظام کو دلنشین پیرایے میں بیان کیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اور اسی یقین کا متعدد مقامات پر قرآن اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے اور اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل میں "ان تعبد اللہ کانک تراہٗ" فرما کر اشارہ فرمایا۔ انسان سے عبادات کی ادائیگی میں سستی اور معصیت کا ارتکاب اسی یقین کی کمی کے باعث

ہوتا ہے اگر آخرت کی جواب دہی کا تصور دل میں یقین کی شکل میں قائم ہو جائے تو انسان عبادت بھی خشوع و خضوع سے ادا کرے اور ان چیزوں سے بھی بچے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے احسان کا یہ مرتبہ اور یقین کا یہ مقام تصوف ہی سے پیدا ہوتا ہے تصوف کے تمام اذکار و اشغال اور مجاہدات و ریاضات کا مقصود اسی یقین کو حاصل کرنا ہے۔ ذکر جب کثرت سے کیا جاتا ہے تو ذکر طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے اور نسبت مع اللہ پیدا ہوتی ہے یہی نسبت آگے چل کر احسان کا روپ اختیار کرتی ہے۔ اس گفتگو کے پیش نظر تصوف بدعت نہیں شریعت کے لیے مُکمّل (تکمیل کرنے والا) ثابت ہو گا۔"

دوسرے باب میں موصوف نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے صوفیانہ افکار، تابعین، تبع تابعین و عہد مابعد پر روشنی ڈالی ہے اور مصر کے دبستان تصوف ایران کے دبستان تصوف عراق کے دبستان تصوف اور پھر دسویں صدی اور گیارھویں صدی عیسوی میں تصوف کے ارتقاء کو موضوع بحث بنایا ہے۔

تیسرے باب میں آپ نے سید ہجویریؒ کے سوانح حیات کو قلمبند فرمایا ہے اور آپ کے نام و نسب، مولد و وطن، تحصیل علم، باطنی تعلیم، سیر و سیاحت کے بیان کو آپ کی لاہور میں تشریف آوری تک پہنچایا ہے اور پھر لاہور میں آپ کی تبلیغی مساعی کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

"ان کی تبلیغ کا انداز جداگانہ ہوتا ہے بقول حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔

علماء اپنی زبان سے تبلیغ کرتے ہیں اور صوفیہ اپنے عمل سے،

یہ لوگ لمبی لمبی تقریریں نہیں کرتے نہ مجالس وعظ گرم کرتے ہیں یہ صرف اخلاق نبوی کا نمونہ بن کر عوام کے سامنے آتے ہیں اور لوگ ان کے عمل کو دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے

Marfat.com

ہیں ان کی زبان معجز بیان سے نکلے ہوئے کلمات دکھی دلوں کے لیے مرہم ثابت ہوتے ہیں وہ اپنے دشمنوں کو بھی گلے لگاتے ہیں اور معاندین کو بھی معاف کر دیتے ہیں ان ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ہمارے ممدوح حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان ہی حضرات قدسی نفوس میں ہوتا ہے۔ ابھی تک ہندوستان نے مجاہدین اسلام اور غازیان بت شکن کی تیغ آبدار دیکھی تھی اب ضرورت تھی کہ اہل ہند کو تصویر کا دوسرا رخ یعنی "خلق محمدی کی تیغ آبدار" بھی دکھا دی جائے چنانچہ ہندوستانی عوام کو دین قویم کے اسرار کو سمجھانے اور توحید کی حقیقت سے آشنا بنانے کے لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ معروف قول کے مطابق ۴۳۱ھ میں وارد ہندوستان ہوئے"۔

باب چہارم میں حضرت مولانا نے سید ہجویر کی تصانیف پر فاضلانہ تبصرہ کیا ہے اور آپ کی تصانیف کی فہرست اور ان کا مختصر محققانہ تعارف پیش کیا ہے اور ان میں آپ کی شاہکار تصنیف **کشف المحجوب** کو "ایک زندہ جاوید کرامت" قرار دیا ہے اور پھر **کشف المحجوب** کے مضامین کا اجمالی تعارف کرایا ہے۔ اس کے ماخذ و مراجع پر بحث کی ہے اور اس کے متقدم و معاصر و ما بعد کے ادبیات تصوف کا تذکرہ کیا ہے۔ **کشف المحجوب** کے بارے میں حضرت مولانا کے تاثرات کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے۔

"راقم الحروف بیان حقیقت کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہے کہ الحمد للہ میری نگاہ سے متقدمین و متاخرین صوفیہ کی مہمات کتب گزری ہیں۔ جن میں ایسے ایسے لطائف اور بیش قیمت نکات ہیں کہ پڑھ کر

وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن **کشف المحجوب** جس طرح اپنے قاری کو گرفت میں لے لیتی ہے کوئی کتاب اس انداز میں اپنی گرفت میں نہیں لیتی۔ **کشف المحجوب** پڑھئے تو ایسا لگتا ہے کہ ایک رفیق سفر' ایک ہمدم و دمساز' ایک شفیق چارہ گر' ایک ناصح مشفق اور ایک ایسا معالج ہمکلام ہے جس کا ہاتھ نفس انسانی کی نبض پر رکھا ہے اس نباض سے آپ اپنے باطن کی کوئی برائی نہیں چھپا سکتے وہ حجابات اٹھاتا چلا جا رہا ہے مگر کسی لمحہ ناامید نہیں ہونے دیتا' ساتھ ساتھ ہمت بھی بندھاتا جا رہا ہے' راہ دشوار ضرور ہے مگر یہ راہ خلوص کی ایک زقند میں طے ہو سکتی ہے۔ آؤ میرا ہاتھ پکڑ لو۔ میری ہدایات پر عمل کرتے جاؤ تمہیں منزل پر پہنچا دونگا"۔

زیر نظر کتاب کا اہم حصہ باب پنجم' سید ہجویر کی تعلیمات پر مشتمل ہے جس میں **کشف المحجوب** کے حوالے سے علم' فقر' تصوف' اصول طریقت' حقیقت رضا' مقام وحال' سکر وصحو' حقیقت انسان' ولایت' کرامت' حقیقت ایمان' حقیقت توبہ اور پھر حقیقت صلوٰۃ' حقیقت محبت' حقیقت زکوٰۃ' حقیقت صوم' حقیقت حج' صحبت کے آداب اصطلاحات صوفیہ کی تشریح' سماع کے متعلق مباحث کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں سید ہجویرؒ کی وصیت کو بیان کیا گیا ہے۔ سیّد ہجویرؒ کی تعلیمات کے بارے میں حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"اور یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کا طریق تبلیغ نہایت موثر ثابت ہوتا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اور دل سے بات اسی وقت نکل سکتی ہے جب آدمی کا دل ہر قسم کے کینے' حسد' عداوت' نفرت اور لالچ سے پاک ہو' حضرات صوفیہ تزکیہ نفس کے دوران اپنے مریدوں

Marfat.com

کے قلوب کو ان تمام رذائل اخلاق سے پاک کرتے ہیں اس کے بعد تحلیہ کا عمل شروع ہوتا ہے یعنی ذکر الٰہی سے دل کو معمور کیا جاتا ہے صوفی کوشش کرتا ہے کہ جیسے بھی ہو "مقام احسان" حاصل کرے جب وہ ان تمام مراحل سے گزر لیتا ہے اور اس کا نفس فانی ہو جاتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے کہ وہ خلق کو اللہ کی طرف بلائے اب اس کی بات میں غیر معمولی اثر پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ آشنائے راہ ہوتا ہے اس لئے راستے کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے حضرت ہجویریؒ انہی حضرات میں سے ہیں لہٰذا آپ کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے وقت آپ یہ محسوس کریں گے کہ ؎

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

سید محمد متین ہاشمی صاحب بجا طور پر ہدیہ تحسین و آفرین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے محققانہ سعی و کاوش اور لگن سے کام لے کر سید ہجویرؒ کے حالات و تعلیمات کو دلنشین انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے ان کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے۔ آمین۔ میری دعا ہے اور توقع بھی کہ جناب ہاشمی صاحب کی یہ کتاب سید ہجویرؒ پر ان کی پہلی تصنیف ہوگی اور وہ ان کے افکار و تعلیمات پر مبسوط انداز میں تصانیف کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

محکمہ اوقاف کا یہ اقدام بے حد مستحسن ہے کہ محکمے کے زیر اہتمام سید مخدوم علی ہجویریؒ کے حالات و تعلیمات پر زیر نظر کتاب منظرِ عام پر آرہی ہے۔ اگرچہ سید ہجویرؒ کی ہمہ پہلو عظیم علمی و روحانی شخصیت اور ان کے افکار عالیہ پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اور توقع ہے کہ محکمے کی طرف سے مناسب وقت پر، اس کا ضرور اہتمام کیا جائے گا تاہم یہ خوشگوار پیش رفت قابل تحسین و ستائش ہے میں اس سلسلے میں محترم جناب آفتاب احمد خاں صاحب، چیف ایڈ منسٹریٹر اوقاف لاہور کو جنہوں نے اس کی

تالیف وطباعت میں خصوصی دلچسپی اور توجہ سے کام لیا اور چوہدری سبحان علی صاحب ایگزیکٹو آفیسر مرکز معارف اولیاء پنجاب داتا دربار لاہور کو جنہوں نے مسودے کی تیاری سے لے کر طباعت کے تکمیلی مراحل تک پوری لگن سے سعی پیہم جاری رکھی، ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

احقر العباد

بشیر احمد صدیقی

عفی عنہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیشِ لفظ

محکمہ اوقاف میں یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ بزرگانِ دین (جن کے مزارات محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہیں) کی **حیات و تعلیمات** پر ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو ان بزرگان کے افعال و اقوال اور تعلیمات کی صحیح عکاسی کرتی ہوں۔ اور ان کی زندگی کے ان گوشوں کو اجاگر کیا جائے جن پر مرورِ زمانہ سے دبیز پردے پڑ گئے ہیں اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ ان بزرگان میں سے بہت سے ہزاروں میل پیدل سفر کر کے بھوکے پیاسے رہ کر صرف اور صرف اسلام کی تبلیغ کی خاطر کفرستان ہند میں پہنچے اور کفر و الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کی ایسی شمع روشن کی کہ اس کی روشنی سے سارا ہندوستان جگمگا اٹھا۔ انہوں نے اپنے کردار و افعال سے لوگوں کو ایسا متأثر کیا کہ ظلم و ستم کے نیچے سسکتی ہوئی دنیا اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگی۔ اور ایک مختصر عرصہ میں ان کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔

الحمد للہ اس غرض و غایت کی تکمیل کے لئے محکمہ نے ایک شعبہ قائم کیا جو "مرکز معارف اولیاء اوقاف پنجاب" کے نام سے موسوم ہے اور اس کی نگرانی

میں سب سے پہلے پانچ بزرگان دین (۱) حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہجویری (۲) حضرت شاہ دولہ گجرات (۳) حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت اوچ شریف (۴) حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن (۵) حضرت شاہ رکن عالم ملتان کی حیات و تعلیمات پر تحقیق کا کام ملک کے مشہور سکالروں سے شروع کروایا گیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی حیات و تعلیمات پر تحقیق کا کام ملک کے مایہ ناز محقق اور عالم جناب سید محمد متین ہاشمی، ڈائریکٹر مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور کے سپرد کیا جنہوں نے تین سال کی محنت شاقہ سے اس تحقیقی کام کو مکمل کیا۔ اور حضرت کی ولادت باسعادت سے لیکر وصال تک زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی نیز تصوف کے بحر بے کراں میں غوطہ زنی کر کے تصوف کے گوہر نایاب اکٹھے کیے مسودے کی تکمیل کے بعد اس پر نظر ثانی کا کام جناب ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کو تفویض کیا گیا جنہوں نے صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں اس کام کو انجام دیا۔ اور اسے خوب سے خوب تر بنایا۔

مؤلف نے کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے دو ابواب میں صرف تصوف پر بحث کی ہے اور اس قدر جامع اور مفصل بحث ہوئی ہے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔ باب سوم میں سوانح حیات، چہارم میں تصانیف اور پنجم میں تعلیمات کا ذکر اس جامعیت سے کیا ہے کہ اس سے پہلے یہ کام کہیں نہیں ہوا

مصنف نے تصوف پر سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف محققین اور محدثین کے اقوال نوٹ کر کے ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت کے عین مطابق ہے اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تصوف بدعت ہے، درست نہیں۔ مصنف نے صوفیاء کا ذکر اصحاب صفہ سے لے کر تا حال کیا ہے اور آیات قرآنی سے ثابت کیا ہے کہ تصوف کوئی نئی اختراع نہیں بلکہ عین اسلام ہے اور صحابہ کرام سے لے کر اب تک تصوف اسلام کا جز

رہا ہے۔ چونکہ صوفیہ کرام صوف (اُون) کا لباس پہنتے تھے اس لیے ان کو صوفیہ کہا جاتا ہے اور چونکہ یہ ذکر کی محفلیں منعقد کرتے تھے اس لئے یہ لوگ اللہ کے نزدیک برگزیدہ ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ تصوف کی تقریباً ایک ہزار تعریفات ہیں مگر مفہوم سب کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ــــ تصوف نام ہے قلب کو مخلوقات سے مکمل طور پر فارغ کر لینے نفسانی خواہشات پر قابو پالینے، روحانی کمالات کے حصول کی کوشش اور اتباع شریعت کے ذریعہ وصول الی اللہ کا صوفیہ حضرات بیعت بھی لیتے ہیں اور بیعت کا سلسلہ قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اور حضور پاک بیعت لیا کرتے تھے اس کی بے شمار مثالیں دی ہیں۔ بیعت کا جو طریقہ حضرات صوفیہ کے درمیان رائج ہے یہ **بدعت** نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے طور پر جاری ہے۔ **تصوّف** اور **شریعت** کوئی متضاد چیزیں نہیں۔ لہٰذا کسی صورت میں تصوف کو بدعت کہنا درست نہیں۔ تصوف بدعت نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں اور بنیادیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ اور بعد کے ادوار میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین نے انہیں بنیادوں پر اسلامی تصوف کی عمارت تعمیر کی۔ حضرت رابعہ بصری نے اسلامی تصوف کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا۔ فرماتی ہیں کہ اے اللہ دنیا میں میرے لیے جو حصّہ متعین کیا گیا ہے وہ اپنے معاندین کو دے دے اور جو حصہ عقبیٰ میں میرے لیے مخصوص ہے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم فرما دے کیونکہ میرے لیے تو صرف تیرا وجود ہی کافی ہے۔ مصر، ایران، عراق میں تصوف کے ارتقاء پر بھی بحث کی گئی ہے اور وہاں کے مشہور صوفیہ کرام کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں منصور حلاج کے فوراً بعد مسلمانوں میں مکار صوفیہ کے متعدد گروہ پیدا ہو گئے۔ اب ہر شخص مدعی "انا الحق" تھا۔ کوئی خود کو حلولی کہتا کہ خدا میرے اندر حلول کر گیا ہے۔ یہ لوگ ہندوؤں کی طرح تناسخ کے قائل

Marfat.com

تھے۔ دوسرا گروہ حلاجیہ جو اپنی نسبت منصور حلاج کی طرف کرتا تھا صاحب کشف المجوب نے اسے **مردود** فرمایا ہے۔ یہ دونوں گروہ اباحیت پسند تھے جنہوں نے فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا اور شرعی احکام سے بچنے کے لیے بہانے تراشے جانے لگے۔ فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب، باب الحیل (حیلوں کا باب) کا اضافہ کیا جانے لگا۔ اس صورت حال کے باعث عوام میں صوفیہ اور علماء کی جانب سے بدگمانی پھیلنا شروع ہو گئی اور لوگ سمجھے کہ تصوف درحقیقت شریعت کے متضاد کوئی چیز ہے۔ اور معرفت، شرعی احکام کو ساقط کر دیتی ہے۔ ایسے وقت میں صوفیہ نے بالخصوص دبستان جنیدی کے **مشائخ** نے (جو اہل علم تھے) عوام کی غلط فہمی کو رفع کرنے اور انہیں **گمراہ صوفیہ اور علماء سوء** کی فتنہ سامانیوں سے بچانے کے لیے اس فن میں مستند کتابیں تصنیف کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ تصوف کو شریعت اسلامی کے عین مطابق ثابت کیا جائے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں تصوف کی مشہور کتاب "کتاب اللمع" اور "قوت القلوب" لکھی گئیں جس سے یہ ثابت کیا گیا کہ تصوف درحقیقت قرآن و سنت کا عملی پہلو ہے۔ "کشف المحجوب" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور تصوف پر اعلیٰ ترین کتاب ہے۔

تصوف پر بیان ختم کرنے کے بعد صاحب تصنیف نے باب سوم میں حضرت داتا **گنج بخش** رح لاہوری کی سوانح حیات میں ان کی پیدائش، حصول علم، باطنی و ظاہری فیض، و سیاحت اور حج و زیارات سے بہرہ اندوز ہونے اور بے شمار علماء اور محدثین اور صوفیہ کی خدمت میں مدتوں حاضر رہ کر علم ظاہری باطنی حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور پھر ہندوستان کا رُخ کیا اور شہر لاہور میں قیام پذیر ہو کر وہیں کے ہو رہے۔ صاحب تصنیف نے ان کا سلسلہ بیعت بھی تحریر فرمایا ہے جو نو واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ سیر و سیاحت میں حضرت نے تقریباً تمام اسلامی ممالک

Marfat.com

مثلاً شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، طوس، ماوراءالنہر ترکستان، حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ دوران سیر و سیاحت آپ بڑے بڑے بزرگان کے مزارات پر حاضر ہوئے اور تسکین قلب حاصل کیا۔

لاہور میں تشریف آوری کے سلسلہ میں صاحب تصنیف نے اس وقت کے غزنی کے حالات اور لاہور کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کیئے ہیں۔ لاہور میں جہاں آپ نے قیام فرمایا یہ وہی جگہ ہے جہاں اب آپ کا مزار مقدس ہے۔ وہاں ایک ٹیلہ تھا اور کریر کا درخت، اس درخت کے نیچے آپ نے قیام فرمایا۔ اس درخت کی لکڑی اب بھی مجاورین کے پاس موجود ہے۔ اور اس ٹیلے پر آپ نے ایک مسجد تعمیر کروائی اور وہاں پر باقاعدہ تبلیغ دین اور درس و تدریس کا کام شروع کیا چنانچہ آپ کے کردار، اخلاق اور تبلیغ سے متاثر ہو کر غیر مسلم جوق در جوق آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ نے وہیں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ آپ سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے مگر لاہور میں قیام کے دوران آپ نے اس سلسلہ کو جاری نہیں فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ گوشۂ گمنامی میں رہنا پسند کرتے تھے۔ صرف اور صرف تبلیغ دین کی دھن سر پر سوار تھی اور اسی میں کوشاں رہے۔ شادی کے بارے میں مختلف آراء ہیں بعض نے تحریر کیا ہے کہ آپ کی شادی صغر سنی میں ہوئی اور پہلی بیوی کی وفات کے گیارہ سال بعد دوسری شادی کی مگر کوئی مستند روایت نہیں ملتی۔ شادی کے بارے میں آپ نے اصول طے فرمایا کہ جو لوگ مخلوق کے ساتھ مل کر رہنا چاہیں ان کے لیئے شادی کرنا شرط ہے اور جو لوگ عزلت گزین اور گوشہ نشین بن کر رہنا چاہیں ان کے حق میں تجرید ہی بہتر ہے۔

چوتھے باب میں صاحب تصنیف نے حضرت داتا صاحب کی تصانیف

کا ذکر کیا ہے۔ حضرت نے دس کتب تصنیف فرمائی تھیں جن میں اب صرف کشف المحجوب دستیاب ہے۔ کشف المحجوب حضرت نے اپنے ایک رفیق حضرت ابوسعید ہجویری کے چند سوالوں کے جواب میں مرتب کی تھی۔ فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے اس کتاب میں مصنف نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے۔ اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا۔ چونکہ دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں صوفیہ اور علماء سو کا ایک جعلی گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے عوام میں تصوف کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس لیے اس کا توڑ پیدا کرنے کے لیے عربی میں کتاب اللمع مرتب کی گئی اور فارسی میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے "کشف المحجوب" مرتب کی جس نے ثابت کر دیا کہ تصوف اسلام ہی ہے اور اس سے جدا نہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال سے یہ کتاب علماء صوفیہ تذکرہ نگاروں اور مورخین کے لیے چراغ ہدائیت بنی ہوئی ہے۔ اور اس کتاب میں جو قیمتی نکات و معلومات ہیں ان کے باعث انشاءاللہ قیامت تک سالکین و کاملین اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

آخر میں تصوف کی چاروں کتب کتاب اللمع مصنفہ ابوالنصر سراج (رحمۃ اللہ) قوت القلوب مصنفہ ابو طالب مکی التعرف مصنّفہ کلاباذی اور رسالہ قشیریہ مصنّفہ حضرت ابوالقاسم کا کشف المحجوب سے موازنہ کیا گیا ہے۔ اور ان پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

پانچویں باب میں مصنف نے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات تفصیل سے قلمبند کی ہیں۔ جو ساٹھ فصول پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے بعض کے عنوانات یہ ہیں۔ "خلوص نیت، حقیقت فقر، اصول طریقت، حقیقت رضا، سکر و صحو، مجاہدہ نفس، حقیقت انسان، اثبات کرامت، فنا و بقا، غیبت حضور، روح، معرفت الٰہی، حقیقت توحید، حقیقت ایمان، حقیقت توبہ، حقیقت صلوٰۃ، حقیقت محبت،

Marfat.com

حقیقت زکوٰۃ، حقیقت صوم، حقیقت حج، حقیقت مشاہدہ صوفیہ کی اصطلاحات حقائق، مکان و تمکین، محاضرہ و مکاشفہ، قبض و بسط، نفی و ثبات، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، شریعت و حقیقت اور سماع وغیرہ۔

آخر میں صاحب تصنیف جناب سید **محمد متین ہاشمی** صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس علمی اور تحقیقی کام کو نہایت محنت لگن، عرق ریزی اور جامعیت سے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور حضرت داتا صاحب کی سوانح کو علمی طور پر مدون کیا اور حضرت داتا صاحب کے مقام کو ان کے کام کی روشنی میں متعین کیا اور میں جناب ڈاکٹر **بشیر احمد صدیقی** صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی فرما کر اس کی اہمیت کو دو چند کیا۔

محترم جناب **آفتاب احمد خان** سیکرٹری و چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پنجاب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کی اجازت بخشی اور اس کتاب کی تیاری اور اس کی طباعت کے لیے گرانقدر اخراجات منظور فرمائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

چودھری **سبحان علی**
مہتمم مرکز معارف اولیاء
محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب
لاہور

۸ر جولائی ۱۹۸۵ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلّف

حضرت مولائی سید علی بن عثمان الجلابی الہجویری المعروف بہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے عرصۂ دراز سے عقیدت و محبت ہے۔ اس کے کچھ اسباب تو ایسے ہیں کہ اپنی تمامتر خواہش کے باوجود ان کا بیان خلافِ مصلحت تصور کرتا ہوں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

اور کچھ اسباب ایسے ہیں جنہیں نہ بیان کرنا انتہائی بخل اور ناسپاسی ہے بھلا اس شخصیت کی عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے جس نے کفرستان ہند میں شجرِ توحید کی آبیاری کی اور اس انداز میں شمعِ ایمان روشن کی کہ ایام و دھور کے انقلابات کے باوجود اس شمع کی لو نہ مدہم ہوئی اور نہ گل۔ جو صوفیائے سلف کی امانتوں کا محافظ و امین تھا اور جس نے ایک لمحہ کے لیے بھی سنت کے جادۂ مستقیم سے انحراف نہیں کیا جس کی تمامتر تعلیمات کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کیا جا سکتا ہے "محبت" محبت سب کے لیے۔ دوست ہو کہ دشمن عالم ہو کہ عامی۔ صوفی صافی ہو کہ فاسق و فاجر۔ اس کی آغوش محبت سب کے لیے وا تھی۔ کہ وہ دلوں کا طبیب تھا۔ مریض سے نہیں بلکہ مرض سے نفرت کرنے والا۔ اور ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں بلکہ پیار سے

گلے لگا کر علاج کرنے والا۔ اپنے جدّ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی متبع اور پیرو۔ تصوف در حقیقت محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خالق اور خلق دونوں کے ساتھ محبت، شفقت اور عطوفت و رأفت۔

غالباً حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے کسی کی بدسلوکی اور دشمنی کا تذکرہ کیا تو حضرتؒ نے فرمایا "اسے معاف کر دو کہ اگر ہر شخص ایک دوسرے کے کانٹے کے بدلے میں کانٹا بوتا چلا جائے تو اللہ کی ساری زمین کانٹوں ہی سے بھر جائے گی"۔ یعنی پھر پھول کہاں کھلیں گے۔ صوفی کا کام پھول کھلانا ہے کانٹے اگانا نہیں۔

ہمیں تو اپنے ممدوح (سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) کی اَن گنت اداؤں کے ساتھ ساتھ یہ ادا بہت ہی بھائی اور میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے موجودہ حالات میں جبکہ اصحاب غرض اپنے ناجائز مقاصد کے حصول کی خاطر ملک کے گوشے گوشے میں کانٹے ہی اگانے میں مصروف ہیں، کہیں علاقائیت کی بنیاد پر کہیں صوبائیت و طبقاتیت، لسانی اختلافات اور فرقہ بندیوں کی بنیاد پر، دراصل یہ مفاد پرست عناصر ملکی سالمیت کی قبائے زرنگار کو تار تار کرنے کے درپے ہیں، ہمیں زبانی جمع خرچ چھوڑ کر حضرت ہجویریؒ رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس تعلیمات کے اَن گنت گوشوں پر خصوصی توجہ کرنی چاہیئے اور اگر محبت میں کوئی کھوٹ نہیں تو ان تعلیمات کو اپنے نظریات و اعمال کی اساس بنانا چاہیئے۔

ہاں! تو میں کہہ رہا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے عرصے سے عقیدت تھی چنانچہ جب محکمہ اوقاف نے مجھ سے حضرت کی حیات و تعلیمات پر کچھ لکھنے کی پیش کش کی تو مجھے ایسا لگا جیسے کہ ؎ آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اس پیش کش کو میں نے انتہائی عجلت و عقیدت سے قبول کر لیا۔ عدم الفرصتی

Marfat.com

آڑے آتی رہی اسی عرصے میں میرے سب سے چھوٹے بیٹے ہلال محمد ہاشمی کا ۱۴ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ عرصے تک ذہن ماؤف رہا، مگر اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں مواد جمع کرتا رہا۔ اللہ کے فضل اور میرے ممدوح کی دعا سے یہ کام انجام پذیر ہوگیا۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

میں نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے کہ کتاب تحقیقی انداز میں مرتب کی جائے اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا حقیقی رخ قارئین کے سامنے آجائے۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوسکا ہوں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور عرض کردوں گا کہ اگر اس کتاب میں کوئی خوبی پائیں تو وہ میرے ممدوح (سرکار ہجویر رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف منسوب کریں اور نقص پائیں تو اس کی نسبت مجھ نابکار و گنہگار کی طرف کریں کیونکہ ؎

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں سیکرٹری محکمہ اوقاف جناب آفتاب احمد خان صاحب اور جناب سبحان علی صاحب ڈائریکٹر مرکز معارف اولیاء کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت کے اخراجات کی منظوری محکمے سے حاصل کی۔
جناب ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی پروفیسر شعبۂ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مسودے پر نظر ثانی فرمائی اور مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا
عزیزان گرامی حافظ غلام حسین (ریسرچ افسر ریسرچ سیل) و حافظ محمد سعد اللہ ریسرچ اسسٹنٹ (ریسرچ سیل) کا بھی میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے حوالوں

Marfat.com

کی فراہمی اور کتاب کی تسوید میں میری مدد کی۔ اللہ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

قارئین کرام سے التجا ہے کہ اس ناچیز مرتب کے حق میں دُعا خیر فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرما کر اسے فلاح دارین کا وسیلہ بنائے آمین۔

مورخہ ۱۵ / جولائی ۱۹۸۵ء

سیّد محمد متین ہاشمی
ڈائریکٹر مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

تمہیدی مباحث

پہلی فصل

لفظ تصوّف کی لغوی تحقیق

لفظ تصوف کے مادۂ اشتقاق میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ "اسم صوفی" یا "تصوف" اہل صفہ کی طرف منسوب ہے۔ اہل صفہ وہ زہاد تھے جو دنیوی مال و متاع کی طلب سے منہ موڑ کر مسجد نبوی کے شمالی جانب میں واقع ایک چبوترے پر رہتے تھے۔ اور دن رات چشمہ نبوت سے فیض یاب ہوتے رہتے۔ یہ حضرات نہایت سادہ زندگی گزارتے۔ محنت مزدوری سے حاصل شدہ آمدنی یا صدقات وزکوٰۃ پر ان کی گزراوقات تھی۔ ایک مخصوص عرصے تک یہ حضرات علائق دنیوی سے الگ رہتے اور جب ان کی تربیت و تعلیم مکمل ہو جاتی تو پھر کاروبار حیات سنبھال لیتے۔ آگے چل کر چونکہ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین نے بھی تقریباً وہی طرز زیست اختیار کیا اس لئے انہیں بھی "صوفیہ"

Marfat.com

کہنے لگے۔ بعض علمائے لغت اس لفظ کو "صوف" (اون) سے ماخوذ مانتے ہیں۔ اس لئے کہ اکثر صوفیہ نفس کشی کی خاطر موٹے صوف یا اون کا لباس پہنتے تھے [۱]

بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ یونانی لفظ "سوفوس" سے بنا ہے۔ جس کے معنی حکمت کے ہیں [۲]

لیکن مشہور محقق نولڈکی NOLDEKE نے اس کی تردید کی ہے لکھتا ہے:

"یونانی حرف SIGMA عربی میں ہمیشہ "س" کی صورت میں آتا ہے نہ کہ "ص" کی صورت میں" [۳]

اور صوفی "ص" سے ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس لفظ کا اشتقاق "سوفوس" سے نہیں ہو سکتا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لفظ "صفا" سے مشتق ہے چونکہ صوفیہ کرام خود کو رذائل اخلاق سے پاک اور مکارم اخلاق سے مزین کرتے ہیں اس لئے انہیں "صوفی" کہتے ہیں [۴]

بعض کہتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنی ہمتوں کی بلندی کے باعث اللہ تعالیٰ کے حضور صفِ اوّل میں رہتے ہیں۔ وقیل سموا صوفیة لانهم فی الصف الاوّل بین یدی الله عزّ وجلّ بارتفاع هممهم واقبالهم علی الله تعالیٰ بقلوبهم [۵]

---

[۱] المعلم البستانی: محیط المحیط: ۲: ۱۲۲۲: طبع بیروت ۱۹۷۰ء

[۲] ایضاً

[۳] دائرہ معارف اسلامیہ: ۶: ۴۱۸: طبع لاہور ۱۹۶۲ء

[۴] حضرت علی الہجویریؒ: کشف المحجوب: ۳۵: طبع ایران

[۵] السہروردی عبد القاہر بن عبد اللہ: عوارف المعارف: ۶۱: طبع بیروت

Marfat.com

ترجمہ: بعض نے کہا ہے کہ صوفیہ کو صوفیہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرات اپنی ہمتوں کی بلندی اور بارگاہ الوہیت میں اپنے قلوب کی کامل توجہ کے باعث صف اول میں رہتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ صوفیہ کو صوفیہ اس نسبت کی بناء پر کہتے ہیں جو فقرائے مہاجرین کی صفت کے ساتھ ان کو حاصل تھی۔ اور ان کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے[1]

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا[2]

ترجمہ: (صدقات میں) ان حاجتمندوں کا حق ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں اور وہ اللہ کے فضل اور رضا کے طلب گار ہیں۔

قول راجح

راجح قول یہی ہے کہ لفظ صوفی "صوف" سے مشتق ہے کیونکہ لغوی اعتبار سے یہ لفظ اپنے مادہ کے زیادہ قریب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں صوفیہ اکثر و بیشتر یہی لباس استعمال کرتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ صوف کے استعمال میں اس چیز کا اظہار تھا کہ صاحب لباس دنیوی تعیشات کی طرف بہت کم مائل ہے اور کسی نہ کسی درجے میں "زھد فی الدنیا" کی طرف رجحان رکھتا ہے۔

اکثر انبیاء علیہم السلام صوف کا لباس استعمال کرتے تھے چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

---

[1] السہروردی: عبدالقاہر بن عبداللہ: عوارف المعارف: ۶۱: طبع بیروت

[2] القرآن: سورہ الحشر: ۸۔

Marfat.com

لباسی الصوف وشعاری الخوف

ترجمہ: میرا لباس صوف اور شعار خوف الٰہی ہے لہ

ابن ماجہ نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موٹا جھوٹا کھاتے اور موٹا جھوٹا پہنتے اور آپ اکثر صوف ہی کا لباس پہنتے تھے ۲ہ

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے آپ کی صفات عالیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"لبس الصوف" ۳ہ (آپ صوف کا لباس پہنتے تھے)

اسی طرح آپ کے صحابہ میں سے حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ جیسے حضرات بھی "صوف" ہی کے کپڑے استعمال کرتے تھے ۴ہ

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ جب شام کے محاذ پر لشکر اسلامی کی قیادت کر رہے تھے تو اس وقت بھی ان کے جسم پر "صوف" کا لباس تھا اس پر لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ: "آپ اس وقت شام میں ہیں اور ہمارے ارد گرد دشمن آباد ہیں آپ اس قسم کے معمولی "صوف" کے کپڑے نہ پہنیں بلکہ ذرا شان و شوکت سے رہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "جس لباس کو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پہنتا تھا اسے اب میں کسی قیمت پر ترک نہیں کر سکتا ۵ہ

لہ لبسیونی الدکتور ابراہیم: نشأۃ التصوف الاسلامی: ۱۱: طبع مصر

۲ہ ایضاً

۳ہ الغزالی: احیاء العلوم: ۱: ۳۴۵

۴ہ نشأۃ التصوف الاسلامی: ۱۱: طبع مصر

۵ہ المسعودی: مروج الذہب: ۲: ۱۹۶: طبع تہران

Marfat.com

ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے فرمایا "میرے بچے! اگر تو اس وقت ہم لوگوں کو دیکھتا جبکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ (تو نہ جانے کیا خیال کرتا) ہم صوف کا لباس پہنتے تھے اور جب بارش میں ہمارے کپڑے بھیگ جاتے تو ہمارے کپڑوں سے بھیڑ کے اون کی طرح بو آتی [1]

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ "میں نے ستّر بدری صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے ان سب کا لباس صوف کا تھا" [2]

تابعین کے دور میں بھی "لباس صوف" متشددین و زہاد کا محبوب لباس رہا۔ چنانچہ زیاد بن ابی زیاد کے بارے میں ہے کہ "وہ صوف کا لباس پہنتے تھے [3] یہی حال حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ کا بھی تھا۔

یاکل الخبز والزیت و یلبس الصوف [4]

: زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا لیتے اور صوف کا لباس پہنتے تھے۔

الاصابہ میں ہے کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ معرکہ صفین میں حضرت علی رضؓ کی طرف سے لڑنے کے لئے تشریف لائے تو ان کے جسم پر صوف کا لباس تھا اور سر منڈا ہوا تھا [5]

دوسری فصل

تصوّف کی اصطلاحی تعریف

دیگر علوم اور فلسفوں کی طرح "تصوف" کی جامع و مانع تعریف کرنا ممکن نہیں

---

[1] ابن سعد: طبقات، ۴: ۱۰۸، طبع بیروت ۱۹۵۷ء

[2] نشاۃ التصوف: ۱۱۔

[3] ایضاً۔

[4] ایضاً

[5] ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱: ۱۲۰، طبع مصر۔

ہے اس لئے کہ دراصل تصوف کا تعلق احوال و مقامات سے ہے اور احوال و مقامات کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر وقت متغیر و متبدل ہوتے رہتے ہیں بلکہ اگر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہر آن ارتقاء پذیر رہتے ہیں لہٰذا اساطین فن جن احوال و مقامات میں رہے یا جس طرح کی کیفیات کا ان پر غلبہ رہا انہوں نے اسی کے مطابق تصوف کی تعریف کر دی۔ ان تعریفات میں جو اختلاف نظر آئے وہ حقیقی یا اساسی نہ سمجھا جائے بلکہ اس اختلاف کو احوال و مواجید کے اختلاف پر مبنی تصور کیا جائے کیونکہ حقیقت واحد ہے اظہار کے پیرائے مختلف ہیں۔

عبارا تنا شتی وحسنك واحدٌ

وكل الى ذاك الجمال يشير

ترجمہ: ہماری عبارتیں مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے اور ساری عبارتیں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

لہٰذا تصوف کی جامع و مانع اصطلاحی تعریف کرنے کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ اسے تین مختلف ادوار یا کیفیات پر تقسیم کر دیا جائے۔

۱ متقدمین صوفیہ کی تعریفات۔

۲ مجاہدات سے گزرنے والے صوفیہ کی تعریفات۔

۳ وہ تعریفات جن کا تعلق ذوق یا ایک خاص کیفیت سے ہے۔

۱۔ متقدمین صوفیہ کی تعریفات

الف: حضرت معروف کرخیؒ نے یہ تعریف کی ہے:

التصوف الاخذ بالحقائق والیاس مما فی ایدی الخلائق[1]

---

[1] السہروردی عبدالقاہر بن عبداللہ: عوارف: ۵۳: بیروت

Marfat.com

ترجمہ: تصوف حقیقت کی معرفت حاصل کرنے اور ان چیزوں سے نا امید ہو جانے کا نام ہے جو مخلوقات کے ہاتھ میں ہے۔

(ب) رویمؒ نے فرمایا:

التصوف مبنی علی ثلاث خصال التمسك بالفقر والافتقار والتحقق بالبذل والایثار وترك التعرض والاختیار۔

ترجمہ: تصوف کی بنیاد تین عادتوں پر ہے۔ فقر و افتقار کی راہ پر قائم رہنا۔ سخاوت و ایثار اختیار کرنا اور ترک اختیار (یعنی رضا بالقضاء)۔

(ج) حضرت جنید بغدادی سے تصوف کی ماہیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

ان تکون مع الله بلا علاقة [1]

ترجمہ: یہ کہ تو بغیر کسی نسبت وظاہری تعلق کے ہر وقت اللہ کے ساتھ رہے۔

(د) ابو تراب النخشبی نے فرمایا:

الصوفی لا یکدرہ شئی ویصفو بہ کل شئی [2]

ترجمہ: صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز گندا نہ کر سکے ہر چیز اس کے ذریعہ صاف اور پاک ہو جائے۔

(ہ) حضرت سہل بن عبداللہ التستری نے فرمایا:

الصوفی من صفا من الکدر وامتلأ من الفکر وانقطع الی الله من البشر واستوی عندہ الذھب والمدر [3]

---

[1] عوارف: ۵۳۔

[2] نشاۃ التصوف۔

[3] ایضاً۔

Marfat.com

ترجمہ: صوفی اسے کہتے ہیں جو گندگی سے پاک ہو۔ غور و فکر میں مصروف ہو لوگوں سے انقطاع اختیار کر کے واصل باللہ ہو اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہو۔

(د) حسین بن منصورؒ سے صوفی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

وحدانی الذات لا یقبلہٗ احدٌ ولا یقبل احدًا [۱]

ترجمہ: صوفی اس یکہ و تنہا کو کہتے ہیں جسے کوئی اپنا نہ کہے اور وہ کسی کو اپنا نہ جانے (اس لیے کہ اس کا مقصود و حقیقی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہوتا۔)

صوفی کی اس تعریف میں تصوف کی تعریف پوشیدہ ہے کہ "تصوف نام ہے ساری دنیا سے رشتہ توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لینا۔"

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

(ہ) حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا:

الصوفی من لا یتعبہٗ طلب ولا یزعجہ سلب [۲]

ترجمہ: صوفی وہ ہے جو کسی چیز (غیر اللہ) کی طلب میں سرگرداں نہ ہو نہ کسی چیز کے چھن جانے سے غمزدہ ہو۔

یعنی ان کے نزدیک تصوف نام ہے ہر طلب سے نکل جانا اور کامل رضا بالقضاءُ

---

[۱] القشیری ابوالقاسم عبدالکریم: الرسالۃ القشیریۃ: ۱۳۹؛ طبع مصر ۱۹۵۹ء۔

[۲] نشأۃ التصوف: ۱۹۰۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عزیز و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

مجاہدات سے گزرنے والے صوفیہ کی تعریفات

(الف) حضرت ابو محمد الجریریؒ نے تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

هو الدخول فى كل خلق سنى والخروج من كل خلق دنى [1]

ترجمہ: تصوف جملہ اخلاق فاضلہ کو حاصل کرنے اور جملہ عادات ذمیمہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

(ب) نوریؒ نے فرمایا:

ليس التصوف رسماً ولا علماً ولكنه خلق لانه لو كان رسماً لحصل بالمجاهدة ولو كان علماً لحصل بالتعليم لكنه تخلق باخلاق الله [2]

ترجمہ: تصوف کسی رسم و مرتبے کا نام ہے نہ کسی علم کا یہ تو صرف مکارم اخلاق کا نام ہے کیونکہ اگر یہ کوئی مرتبہ ہوتا تو مجاہدے سے حاصل ہو جاتا یا کوئی علم ہوتا تو تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا تھا یہ تو دراصل تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق کی طرح اپنا اخلاق بنانا) ہے۔

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ۱۳۸۔

[2] نشاۃ التصوف: ۲۱۔

Marfat.com

(ج) حضرت سہل بن عبد اللہؒ نے فرمایا:

التصوف قلۃ الطعام والسکون الی اللہ والفرار من الناس

ترجمہ: کم کھانا، اللہ تعالیٰ کی طلب میں سکون حاصل کرنا اور لوگوں سے فرار کا نام تصوف ہے۔

تصوّف کی ذوقی تعریف

(الف) حضرت ابو الحسین المزینؒ نے تصوف کی تعریف کی ہے۔

التصوف الانقیاد للحق [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی مکمل فرماں برداری کا نام تصوف ہے۔

(ب) حضرت رویمؒ نے فرمایا:

ھو استرسال النفس مع اللہ تعالیٰ علی ما یرید [2]

ترجمہ: تصوف اپنے نفس کو ارادہ الٰہی کے تابع کر دینے کو کہتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

اس طرح تصوف کی تقریباً ایک ہزار تعریفات حضرات صوفیہ قدس اللہ اسرارہم سے مروی ہیں۔ ہر شخص نے اپنی اپنی کیفیت اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق تعریف بیان کی ہے اتنا ضرور ہے کہ ان حضرات کے الفاظ میں اختلاف ہے لیکن مفہوم متقارب المعنی ہے تاہم ایک جامع تعریف یہ ہے۔

---

[1] الرسالۃ القشیریۃ: ۱۳۹۔

[2] نشاۃ التصوف الاسلامی: ۲۴ وعوارف المعارف: ۵۲۔

Marfat.com

"تصوف نام ہے قلب کو مخلوقات سے مکمل طور پر فارغ کر لینے نفسانی خواہشات پر قابو پالینے، روحانی کمالات کے حصول کی کوشش اور اتباع شریعت کے ذریعہ وصول الی اللہ کا۔"

تیسری فصل

کیا تصوّف بدعت ہے؟

مسلمانوں میں ایک اچھا خاصا تعلیم یافتہ طبقہ اکثر یہ کہا کرتا ہے کہ جبکہ دین کی اصل قرآن کریم میں موجود ہے جس کی عملی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ سے کی پھر آپ سے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دین سیکھا اور پھر ان سے تابعین نے مگر یہ جہری دسری اذکار۔ یہ باطنی اشغال۔ یہ فنا و بقا۔ یہ مجاہدات و ریاضات۔ یا اولیائے طریقت کا باطن شریعت کی تحصیل کا یہ عمل ہمیں نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ملتا ہے نہ صحابہ کرام رض کی حیات طیبہ میں بلکہ بعد کے بزرگوں نے ان چیزوں کا اضافہ کیا ہے لہٰذا "مروجہ تصوف" بدعت ہے۔

ایسا کہنا درست نہیں ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے بدعت کے مفہوم کو متعین کرنا ہوگا۔ یوں تو متعدد علماء نے مختلف انداز میں بدعت کی تعریف کی ہے لیکن ایک جامع تعریف یہ ہے۔

"بدعت دین میں کسی ایسی چیز کے اضافہ کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو نہ دلیل۔"

اسے دوسرے الفاظ میں "احداث فی الدین" (یعنی دین میں نئی بات

Marfat.com

نکالنا) کہہ لیجیے۔ اس تعریف کے ضمن میں جب ہم مروجہ تصوف کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ تصوف کی اصل قرآن وحدیث اور اعمال صحابہ میں موجود ہے۔

تصوف کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔ یعنی "تصوف نام ہے قلب کو مخلوقات سے مکمل طور پر فارغ کر لینے، نفسانی خواہشات پر قابو پا لینے، روحانی کمالات کے حصول کی کوشش اور اتباع شریعت کے ذریعہ وصول الی اللہ کا" اس تعریف کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل آیات قرآنی پر غور فرمائیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [1]

ترجمہ: اور جو ایمان والے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔

سورہ انفال میں ارشاد ہوا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ [2]

ترجمہ: سچے ایمان والے بس وہی لوگ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف کی کیفیت پیدا ہو اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کے نور ایمان میں زیادتی ہو اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

خشیت الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے سورہ زمر میں ارشاد ہوا۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ [3]

---

[1] البقرۃ: ۱۶۵۔

[2] الانفال: ۲۔

[3] الزمر: ۲۳

Marfat.com

ترجمہ: اس سے ان لوگوں کے بدن کانپنے لگتے ہیں اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا ظاہر و باطن نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتا ہے۔

ذکر کی اہمیت اور دوام ذکر کی کیفیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ [1]

ترجمہ: وہ لوگ جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں یاد کرتے اور یاد رکھتے ہیں کھڑے بیٹھے اور بستروں میں لیٹے ہوئے بھی۔

ارشاد ہوا:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ [2]

ترجمہ: تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

سورۂ احزاب میں ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا [3]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ذاکر مردوں اور ذاکر عورتوں کے لیے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔

اَلذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً

---

[1] آل عمران: ۱۹۱۔

[2] البقرہ: ۱۵۲۔

[3] الاحزاب: ۴۱-۴۲

وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا [1]

ترجمہ: اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرنا مامور بہ ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ [2]

ترجمہ: اور اپنے رب کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

قلب کے اطمینان اور سکون و طمانیت کا از روئے قرآن صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے ذکر۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [3]

ترجمہ: ایمان دار بندوں کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے اچھی طرح سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اس کائنات ہستی میں اللہ کے ذکر کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ [4]

ترجمہ: اور بیشک اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جانے اور روزی طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ

---

[1] الاحزاب: ۳۵۔

[2] آل عمران: ۴۱۔

[3] الرعد: ۲۸۔

[4] العنکبوت: ۴۵۔

Marfat.com

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [1]

ترجمہ: اور جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مرتبہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے قرآن میں بہت سے مقامات پر ان کی تعریف و توصیف کی گئی ہے اور ان کے مرتبہ کا تذکرہ ہے لیکن ان کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی گئی ہے کہ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ [2]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت انہیں (ایک لمحے کے لیے بھی) اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

مال کی طلب اور اولاد کی محبت بعض اوقات انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے اس لیے اس کی تاکید کی گئی کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ [3]

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولاد (ایسا نہ ہو کہ) اللہ کے ذکر سے تمہیں غافل کریں۔

---

[1] الجمعہ: ۱۰۔

[2] النور: ۳۷۔

[3] المنافقون: ۹۔

Marfat.com

ذکر کے انہیں فضائل کی وجہ سے ذکر کے لیے شرائط عائد نہیں کی گئیں بلکہ ہر حالت میں ذکر کرنے کی اجازت دی گئی۔ الفتوحات الربانیہ میں لکھا ہے:

اجمع العلماء علی جواز الذکر بالقلب واللسان للمحدث والجنب والحائض والنفساء وذٰلک فی التسبیح والتمحید والتکبیر والصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء ونحو ذٰلک [1]

ترجمہ: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ زبان اور دل سے ذکر کرنا محدث (بے وضو) جنبی (جس کو غسل کی حاجت ہو) حائضہ اور نفاس والی عورت سب کے لیے جائز ہے اور ذکر تسبیح۔ تحمید۔ تکبیر (یعنی سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر) درود شریف اور دعا کے انداز میں بھی جائز ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے ذکر (جو تصوف کی اساس ہے) کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ اب ہم ان صحیح احادیث کا تذکرہ کر رہے ہیں جن سے ذکر کی شرعی حیثیت انشاء اللہ العزیز واضح ہوگی۔

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یذکر ربہٗ والذی لایذکر ربہٗ مثل الحی والمیت [2]

ترجمہ: جو آدمی اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو آدمی اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ یعنی اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ ہے اور

---

[1] الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ بحوالہ حقائق عن التصوف شیخ عبدالقادر عیسیٰ صفحہ ۱۳۷، طبع انگلینڈ۔

[2] بخاری کتاب الدعوات ۲۱، ۹۴۸ مطبوعہ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۵ھ۔

Marfat.com

جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ مردہ کے مثل ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے۔

"وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملٰئکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم قال فیحفون باجنحتھم الی السماء الدنیا قال فیسألھم ربھم عز وجل وھو اعلم بھم ما یقول عبادی قال یقولون یسبحونك ویکبرونك ویحمدونك ویمجدونك قال فیقول ھل رأونی قال فیقولون لا واللہ ما رأوك قال فیقول وکیف لو رأونی قال یقولون" لو رأوك کانوا اشد لك عبادۃ واشد لك تمجیداً واکثر لك تسبیحا قال یقول" فما یسألونی" قال" یقولون" یسئلونك الجنۃ قال" یقول" ھل رأوھا" قال" یقولون لا واللہ یارب ما رأوھا قال" یقول" فکیف لو انھم رأوھا؟ قال" یقولون لو انھم رأوھا کانوا اشد علیھا حرصا واشد لھا طلبا واعظم فیھا رغبۃ قال" یقول" فمم یتعوذون؟ قال یقولون" من النار" قال" یقول ھل رأوھا؟ قال" یقولون" لا واللہ ما رأوھا" قال فکیف لو رأوھا؟ قال یقولون" لو رأوھا کانوا اشد منھا فرارا واشد لھا مخافۃ" قال یقول" اشھدکم انی قد غفرت لھم" قال یقول ملك من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجۃ قال یقول" ھم الجلساء لا یشقی بھم جلیسھم۔[1]

---

[1] البخاری کتاب الدعوات ۲: ۹۴۸ مطبوعہ کرزن پریس دہلی ۱۳۲۵ھ۔
ب: مختصر صحیح مسلم ۲: ۲۵۹ مطبوعہ کویت ۱۳۸۸ھ (بتغیر الفاظ)۔

Marfat.com

ترجمہ: (ملخصاً) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بہت سے فرشتے ہیں جو راستوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ سو جب وہ کسی جماعت کو ذکر الٰہی میں مصروف پاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ یہاں آؤ جس کی تمہیں تلاش ہے وہ یہاں موجود ہے۔ پھر فرشتے اس مجلس کے لوگوں کو اپنے پَروں سے ڈھانپنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ یہ اجتماع دنیوی آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ فرشتے جواب دیتے ہیں وہ تیری پاکی بیان کر رہے ہیں۔ تیری حمد اور بڑائی بیان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے "کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں۔ واللہ انہوں نے تجھے نہیں دیکھا ہے" پھر سوال ہوگا "اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟" فرشتے جواب دیں گے" اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری بہت زیادہ عبادت و تمجید کرتے اور کثرت سے تیری تسبیح پڑھتے" اللہ دریافت فرمائے گا" اچھا یہ تو بتاؤ وہ مجھ سے کیا مانگ رہے ہیں" فرشتے جواب دیں گے" وہ تجھ سے جنت طلب کر رہے ہیں۔ سوال ہوگا۔ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہیں گے" نہیں واللہ انہوں نے جنت نہیں دیکھی ہے"۔ ارشاد ہوگا" اچھا یہ تو بتاؤ اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے کہیں گے" ہمارے رب! پھر تو وہ جنت کے طلبگار خواہش مند اور اس کے اور زیادہ حریص ہو جاتے" سوال ہوگا" وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے ہیں؟" فرشتے کہیں گے" جہنم سے" اللہ تعالےٰ دریافت فرمائے گا" کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟" فرشتے کہیں گے" نہیں

Marfat.com

بخدا انہوں نے جہنم کو نہیں دیکھا ہے" سوال ہوگا "اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر وہ دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو"؟ فرشتے کہیں گے" باری تعالیٰ! اگر وہ اسے دیکھ لیں تو اس سے زیادہ بھاگنے اور ڈرنے لگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا" فرشتو! میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا" اس وقت ایک فرشتہ کہے گا "بارالٰہی ان لوگوں میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو ان میں سے نہیں بلکہ اپنی کسی دوسری ضرورت کے تحت وہ وہاں آگیا تھا (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) جواب ملے گا:" فرشتو! یہ اللہ کا ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کبھی بھی بدنصیب نہیں ہو سکتا۔

اس روایت سے ذکر، مجلس ذکر اور ذاکرین کی فضیلت واضح ہوئی ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل الذکر حضرات کی صحبت اختیار کرنے والا محروم نہیں رہتا۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا: یا رسول اللہ وما ریاض الجنۃ؟ قال حلق الذکر [1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں میں سے گزرا کرو تو چر لیا کرو صحابہ نے دریافت کیا" یارسول اللہ (صلی اللہ علیک) جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا" ذکر کے حلقے"۔

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی: جامع الترمذی کتاب الدعوات، ۵۵ مطبوعہ نور محمد کراچی۔

ایک روایت میں ہے:

وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیبعثن اللہ اقواما یوم القیامۃ فی وجوھھم النور علی منابر اللولؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولا الشھداء قال فحثا اعرابی علی رکبتیہ فقال "یارسول اللہ اجلھم لنا نعرفھم" قال "ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتیٰ و بلاد شتیٰ یجتمعون علیٰ ذکر اللہ یذکرونہٗ" [1]

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جن کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ موتی کے منبروں پر بٹھلائے جائیں گے انہیں دیکھ کر لوگ رشک کریں گے حالانکہ وہ نبی ہوں گے نہ شہید راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر ایک بدو گھٹنے کے بل کھڑا ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک) ان کے تفصیلی حالات بیان فرمائیں تاکہ ہم انہیں پہچان لیں آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے مختلف شہروں کے باشندوں محض اللہ کا ذکر کرنے کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسیر فی طریق مکۃ فمر علی جبل یقال لہٗ جمدان فقال سیروا جمدان سبق

---

[1] زکی الدین عبدالعظیم المنذری: الترغیب والترہیب ۲: ۴۰۶

المفردون۔ قیل وما المفردون یارسول اللہ؟ قال المستھترون بذکر اللہ یضع الذکر عنھم اثقالھم فیاتون اللہ یوم القیامۃ خفافاً۔[1]

ترجمہ: مکہ معظمہ کے سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑ حمدان نامی کے پاس سے گزرے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم حمدان کی سیر کرو مگر یاد رکھو کہ "مفردون" سبقت لے گئے لوگوں نے دریافت کیا کہ مفردون سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مفردون انہیں کہتے ہیں جو اللہ کے ذکر میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ذکر کی برکت سے ان کے سارے بوجھ اتر جاتے ہیں اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور ہلکے پھلکے حاضر ہوں گے۔

محدثین نے مستھترون کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ذوق و شوق سے ذکر کرتے اور اس پر مداومت اختیار کرتے ہیں۔ وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں یا ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جاتا ہے انہیں اپنے کام سے کام ہوتا ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

"انا عند ظن عبدی بی وانا معہٗ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہٖ ذکرتہٗ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہٗ فی ملاء خیر منھم وان تقرب الیّ شبرا تقربت الیہ ذراعا وان تقرب الیّ ذراعا تقربت الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہٗ

---

[1] مختصر صحیح مسلم کتاب الذکر ۲۵۹۱۲۱ مطبوعہ کویت ۱۳۸۸ھ

ھرولۃً [1]

ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس رہتا ہوں (یعنی وہ میرے بارے میں جیسا گمان کرے گا مجھے ویسا ہی پائے گا) جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اگر وہ مجمع میں مجھے یاد کرے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آجاتا ہوں اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں ایک باع (ایک پیمانہ) اس کے قریب ہوجاتا ہوں اگر وہ چل کر میرے قریب آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے قریب جاتا ہوں۔

صحیح احادیث کے ذخیرے میں یہ چند حدیثیں اس بات کو واضح کرنے کے لیے ذکر کی گئی ہیں کہ صوفیائے کرام کا ذکر قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ البتہ طریقے مختلف اختیار کئے جاتے رہے ہیں اس کے اسباب پر انشاء اللہ العزیز ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

خلاصۃ الکلام

آیات قرآنی اور احادیث (جن کا ابھی تذکرہ ہوا) ان سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہی اصل مقصود ہے اور ضروری ہے کہ ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں ہو اگر فطری طور پر یہ محبت ہو

---

[1] مختصر صحیح مسلم کتاب الذکر ۲: ۲۵۹ مطبوعہ کویت ۱۳۸۸ھ

Marfat.com

تو بہت بڑی نعمت ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس محبت کو عقلاً اور ارادۃً حاصل کرنا ایک مومن کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ مومن کے قلب کی یہ حالت ہونی چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا اس کے سامنے ذکر کیا جائے یا اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو اس پر خشیت الٰہی طاری ہو جائے۔ اور اس کے ایمانی انوار میں اضافہ ہو۔

۳۔ مومن کاملاً اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور یہی توکل و اعتماد دینی و دنیوی تمام معاملات میں اس کا واحد سہارا ہو۔

۴۔ اللہ کا ذکر اور اس کی یاد سے وہ کسی حال میں بھی غافل نہ رہے دنیا برتے لیکن اس کی کیفیت ایسی ہونی چاہیے کہ دست بہ کار و دل بہ یار (ہاتھ کام میں لگے رہیں لیکن دل اللہ تعالیٰ سے لگا رہے۔)

۵۔ اللہ کی یاد اور اس کا ذکر اس کے قلب پر اس طرح چھا جائے کہ اسے نہ اس کی پرواہ رہے کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں نہ اس بات کی طرف توجہ کرے کہ لوگ اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ مدح و ذم دونوں اس کے لیے یکساں ہو جائیں۔

چوتھی فصل

تزکیہ

قرآن کریم میں جن جن مقامات پر نبوت کے فرائض چہارگانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے تزکیہ کو ان میں ضرور ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے:

Marfat.com

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ [1]

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے درمیان ایک رسولؐ تم میں سے جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔

دعائے ابراہیمی میں ذکر ہوا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [2]

ترجمہ: اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو بہت بڑی قوت و حکمت والا ہے۔

سورہ آل عمران میں ایک مقام پر مومنوں پر احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [3]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا جبکہ ان میں ایک رسولؐ انہیں کے درمیان سے مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ وہ اس سے قبل کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

---

[1] البقرہ: ۱۵۱

[2] البقرہ: ۱۲۹

[3] آل عمران: ۱۶۴۔

Marfat.com

ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد اور آپ کے فرائض نبوت میں چار فرائض ہیں۔

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت اور (۴) تزکیۂ نفوس۔

اس وقت زیر بحث چوتھا فریضہ یعنی تزکیہ نفوس ہے۔ تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں۔ صرف تزکیہ کے مفہوم کو واضح کرنا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مجموعۂ اضداد بنایا ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا [1]

ترجمہ: اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے بنایا پھر بدی اور نیکی کا اسے الہام کیا۔

معلوم ہوا کہ انسان میں فجور و تقویٰ دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں (۱) ملکیت (۲) اور بہیمیت یعنی ایک تو نیکی اور پرہیزگاری والی ملکوتی صلاحیتیں جو انسان کو خیر کی طرف متوجہ کرتی اور خالق کی معرفت کا سبق دیتی ہیں۔

اور دوسری بہیمی یعنی حیوانی صلاحیتیں جو انسان کو کھانے پینے۔ جنسی خواہشات کی تکمیل فسق و فجور اور برائی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اول الذکر قوت خدا پرستی شرافت نفس۔ تقویٰ۔ احسان۔ عدل۔ صبر و رضا۔ رحم و عفو۔ شکر۔ توکل۔ نرم دلی رواداری۔ اخوت۔ شجاعت۔ سخاوت اور اس قسم کے فضائل نفس کا منبع ہے۔[2]

---

[1] الشمس: ۷، ۸۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ ۱: ۲۰، مطبع المکتبۃ السلفیہ لاہور۔

اور ثانی الذکر قوت وحشت و بربریت - ہوس پرستی - کفر و طغیان - غرور سرکشی - عیش پرستی و عیش کوشی - غضب - ظلم - جلد بازی - بے صبری - لالچ - انتقام - شہوت رانی - سنگدلی - بزدلی - حسد - کینہ اور حقد و عناد جیسے رذائل اخلاق کا منبع ہے - انسانی وجود میں ہر وقت ان دونوں باہم متخالف طاقتوں کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے - نفس و شیطان انسان کو رذائل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول اپنی مقدس تعلیمات سے اسے رذائل اخلاق سے بچا کر اللہ تعالیٰ کا مطیع و منقاد بنانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے -

قرآن نے نتیجہ تبلادیا کہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؎۱

ترجمہ: وہ شخص فلاح پاگیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور وہ خائب و خاسر قرار پایا جس نے اسے گناہوں میں دبا دیا -

نظام تزکیہ انبیاء علیہم السلام تزکیہ نفس ہی کے لیے تلاوت آیات یا تعلیم کتاب و حکمت کرتے ہیں - ان کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے انسان اپنی حقیقت کی معرفت حاصل کرے - اس وسیع و عریض اور حسین و جمیل کائنات پر غور کرے اور پھر آفاق و انفس میں پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں کے ذریعہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے - اس کے اور صرف اسی کے آگے سر نیاز جھکائے - کسی سے ڈرے نہ کسی سے لالچ رکھے - یہ یقین پیدا کرے کہ اس عالم کے بعد بھی ایک عالم میں ہمیں جانا ہے جہاں ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت و سکون کا حساب دینا ہوگا - بنی نوع انسان کے ساتھ نیک سلوک کرے - حقوق ادا کرے اور سب مل جل کر ایک

؎۱ الشمس ۹۱ : ۱۰ -

Marfat.com

صاف اور شائستہ معاشرے کی تشکیل کریں جو جبر و استبداد اور ظلم و استحصال سے خالی ہو انسان صحیح معنوں میں اللہ کا نائب بنے اور اللہ تعالیٰ کے نظام کو اس کائنات میں برپا کرے۔

طریق تزکیہ نظام تزکیہ کو کامیاب بنانے ہی کے لیے انبیاء علیہم السلام آیات الٰہی کی تلاوت فرماتے اور تعلیم کتاب و حکمت دیتے ہیں ان چہار گانہ فرائض نبوت میں بنیادی اور مرکزی حیثیت "تزکیہ" ہی کو حاصل ہے۔ اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

"مثلاً ایک شخص نہایت خوش الحانی اور تجوید کے قوانین کی پابندی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے لیکن اس کا مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کی قرأت و تلاوت سن کر محظوظ ہوں اس کی عزت و توقیر بڑھے اور اس کا نام روشن ہو تو یہ ممکن ہے کہ اس کو اس کا مقصود حاصل ہو جائے لیکن چونکہ اس کی نیت میں کھوٹ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص قرآن کریم کا درس دیتا ہے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلیم کتاب کا نبوی فریضہ نیابتہ انجام دے رہا ہے لیکن اس کا مقصود یہ ہے کہ اس تعلیم سے وہ لوگوں پر اپنے علم و فضل کا رعب قائم کرے دولت کمائے۔ شہرت حاصل کرے جیسا کہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

وعن کعب بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفهاء او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ

النار[1] (رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم اس لیے طلب کرے کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے گا اور جاہلوں سے مجادلہ یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔

اب دیکھ لیجئے طلب علم کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے کہ فرشتے طالب علم کے قدموں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں لیکن اگر مقصود درست نہ ہو تو وہی علم جہنم میں لیجانے والا ہے۔

الغرض تلاوت آیات ہو یا تعلیم کتاب وحکمت ان تمام مقدس امور کے لیے ضروری ہے کہ انسان کی نیت درست ہو اس کا نفس مزکیٰ ہو۔ اور وہ اخلاص اور صداقت شعاری کا پیکر ہو۔ معلوم ہوا کہ فرائض چہارگانہ (تلاوت آیات۔ تعلیم کتاب تعلیم حکمت۔ تزکیہ) کی نیابتہً بجاآوری بھی تزکیہ نفس پر مبنی ہے۔ جسے "اخلاص" کا نام دیا جاتا ہے۔ آیت وَيُزَكِّيهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ:

"انسان دو ہی صورتوں میں کمال حاصل کرسکتا ہے یا تو وہ بذات خود حق کو پہچان لے اور پھر اس کے مطابق اپنے اعمال کی اصلاح کرے یا پھر خیر کی معرفت حاصل کرے تاکہ اس پر عمل پیرا ہو کر درجات کمال حاصل کرے اگر کوئی انسان ان دونوں چیزوں سے محروم ہے تو وہ رذائل اخلاق سے کبھی بھی رہائی نہیں حاصل کرسکتا۔ نہ اپنے عیوب و نقائص کو دور کرسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طریق تزکیہ میں

---

[1] محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی: مشکوٰۃ المصابیح، ۳۴ طبع مجتبائی دہلی۔

دو طرح کے اقدام فرماتے کبھی تو آپ بغیر تلاوت آیات و تعلیم کتاب و حکمت محض آخرت کی نعمتوں کے وعدوں اور عذاب کا خوف دلا کر وعظ و تذکیر فرماتے اور بار بار اس کا اعادہ کرتے تاکہ لوگ خود بخود مومن خالص اور مومن صالح بن جائیں اس کے لیے آپ کا ذاتی اخلاق جسے قرآن نے "خلق عظیم" کے نام سے یاد کیا ہے بڑی حد تک ممد و معاون بنتا۔ اور دوسرے یہ کہ آپ اپنے فیضان صحبت سے تزکیہ فرماتے اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن ان کے مزکی ہونے کی شہادت دیں گے (ملخصاً) [1]

وَيُزَكِّيهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں:

یزکیھم ای یطھرھم من ارجاس الشرک وانجاس الشک وقاذورات المعاصی وھو اشارۃ الی التخلیۃ کما ان التعلیم اشارۃ الی التحلیۃ [2]

ترجمہ: یزکیھم کا مطلب یہ ہے کہ آپ انہیں شرک کی ناپاکی، شک کی نجاست اور معاصی کی گندگی سے پاک کرتے ہیں اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ پہلے آپ دلوں کو خالی اور پاک کرتے ہیں جس طرح تعلیم کتاب و حکمت سے اشارہ تحلیہ یعنی سجانے کی طرف ہے۔

علامہ آلوسی اسی مضمون کو ذرا وضاحت سے روح المعانی کی چوتھی جلد میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

---

[1] الفخر الرازی، تفسیر کبیر: ۴، ۴۲-۴۷-۵، طبع قاہرہ۔

[2] الآلوسی، روح المعانی: ۱، ۳۸۷ طبع بیروت۔

Marfat.com

التزکیة هی اول امر یحصل منه صفة یتلبس بها المؤمنون وهی من قبیل التخلیة المقدمة علی التحلیة لان درء المفاسد اولی من جلب المصالح [1]

ترجمہ: تزکیہ ہی سب سے پہلی چیز ہے جس کے ذریعہ مومنانہ صفات حاصل ہوتی ہیں یہ تخلیہ کی جنس سے ہے جو لازماً تحلیہ پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ مفاسد کا دفع کرنا مصالح کو حاصل کرنے سے بہتر ہے۔

ضروری ہے کہ اس حقیقت کو ایک مثال سے واضح کر دیا جائے تاکہ عام لوگوں کی سمجھ میں تخلیہ اور تحلیہ کی حیثیت آ جائے۔

مثال کے طور پر یہ اطلاع ملے کہ فلاں دن فلاں دفتر میں بادشاہ تشریف لائیں گے۔ ضروری ہے کہ بادشاہ کی آمد سے پہلے دفتر کی صفائی ہو۔ کوڑا کرکٹ ہٹایا جائے راستے درست کئے جائیں۔ دفتر کی عمارت پر رنگ و روغن ہو۔ جس کمرے میں بادشاہ کو جلوہ افروز ہونا ہے اسے صاف ستھرا کیا جائے۔ خوشبو سے بسایا جائے۔ بیش قیمت قالین بچھائے جائیں اور صفائی اور ستھرائی کے بعد جھنڈیاں، زنجیرے اور دیگر سامان آرائش لگائے جائیں تب بادشاہ آکر دفتر کے اس مخصوص کمرے میں جلوہ افروز ہوگا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ دفتر میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہو دیواروں پر جالے تنے ہوئے ہوں ہر ہر کونے سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہوں دیواروں کی قلعی مانند پڑ چکی ہو اور صرف چند جھنڈیاں لگا دی جائیں ایک بیش قیمت قالین بچھا دیا جائے اور اس کمرے میں بادشاہ کو لا کر بٹھا دیا جائے۔ احیاء العلوم میں ہے کہ:

---

[1] الآلوسی، روح المعانی ۲۰: ۴۰، ۱۱۴ طبع بیروت۔

Marfat.com

مومن کا دل اللہ کا عرش ہے[1] مومن کا کمال یہ ہے کہ وہ اسے حقیقی معنوں میں رب جلیل کا عرش بنائے تاکہ اس میں رب جلیل جلوہ افروز ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے تخلیہ کیا جائے یعنی دل سے کفر و شرک۔ معاصی اور رذائل اخلاق کو دور کیا جائے جب دل ہر قسم کی آلائش سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے تو اسے "قلب مزکّیٰ" (پاک دل) کہتے ہیں۔ اب اس کے تجلیہ یعنی سجانے کی ضرورت پیش آتی ہے تحلیہ کا یہ عمل اللہ کے ذکر اور ذکر کے انوار سے انجام پاتا ہے اسے علم و حکمت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ فرائض چہارگانہ (تلاوت آیات۔ تعلیم کتاب۔ تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس) میں اولیت "تزکیہ" کو حاصل ہے۔

پانچویں فصل

بیعت

حضرات صوفیہ کسی شخص کو سلسلہ میں داخل کرتے وقت معمولاً بیعت بھی لیتے ہیں اس پر بھی بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض کرنا درست نہیں کیونکہ بیعت قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔ سورۂ الفتح میں ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ
فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ
عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا[2]

---

[1] غزالی: احیاء العلوم ۳: ۶ قاہرہ ۱۹۶۷ء

[2] الفتح۔ ۱۱۔

Marfat.com

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے سو جو شخص (بیعت کرنے کے بعد) عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی کی جان پر ہو گا اور جو شخص اس چیز کو پورا کرے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، تو اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا۔

سورہ النحل میں ارشاد ہوا:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا [۱]

ترجمہ: اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم عہد کر چکے ہو اور قسموں کو بعد ان کے استحکام کے مت توڑو درآنحالیکہ تم اللہ کو گواہ بنا چکے ہو۔

سورۂ اسراء میں ارشاد ہوا۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا [۲]

ترجمہ: اپنے عہد کو پورا کیا کرو بیشک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

قرآن کریم کی ان واضح آیات کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لیا کرتے تھے۔ اور بیعت کا یہ طریقہ کسی ایک ہی طرز کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ کبھی آپ تنہا مرد سے بیعت لیتے۔ کبھی لوگوں کی ایک جماعت سے بیعت لیتے۔ کبھی عورتوں سے بیعت لیتے اور کبھی تو آپ نے نابالغوں سے بھی بیعت لی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

---

[۱] النحل: ۹۱۔

[۲] الاسراء: ۳۴۔

Marfat.com

قال : بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تأتوا ببھتان تفترونہٗ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفیٰ منکم فاجرہٗ علی اللہ ومن اصاب من ذٰلک شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہٗ ومن اصاب من ذٰلک شیئا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفاعنہٗ وان شاء عاقبہٗ فبایعناہٗ علیٰ ذٰلک [1]

ترجمہ : راوی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! میرے ہاتھ پر بیعت کرو اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے اپنے بھائی کے ہاتھ پاؤں کے بارے میں کسی پر بہتان نہیں باندھو گے۔ نیکی کی باتوں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے سو تم میں سے جو آدمی اس عہد کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ہاں ہے اور جو شخص ان گناہوں میں سے کسی گناہ میں ملوث ہو گیا اور دنیا ہی میں اسے اس کی (شرعی) سزا مل گئی تو اس کی وہ سزا اس کی آخرت کے لیے کفارہ بن جائے گی اور جس سے یہ گناہ سرزد ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کر دی تو یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اسے سزا دے۔ پھر ہم لوگوں نے ان باتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

---

[1] البخاری۔ (کتاب الایمان) جلد ۱، صفحہ ۷، طبع کرزن پریس دہلی۔

(ب) الترغیب والترہیب : ۲/۱۵۱۔

Marfat.com

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے۔

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال هل فیکم غریب؟ یعنی من اهل الکتاب فقلنا لا یا رسول اللہ فامر بغلق الباب فقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا الٰه الا اللہ ثم قال الحمد للہ اللّٰھم انک بعثتنی بھٰذہ الکلمة وامرتنی بھا ووعدتنی علیھا الجنة وانک لا تخلف المیعاد ثم قال صلی اللہ علیہ وسلم الا ابشروا فان اللہ قد غفر لکم [1]

ترجمہ: راوی نے بتلایا کہ ایک دن ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے دریافت فرمایا "تم لوگوں میں اس وقت کوئی غیر آدمی (اہل کتاب) تو نہیں ہے؟ ہم نے کہا " نہیں! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک) تب آپ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ (ہم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ) پھر آپ نے ارشاد فرمایا الحمد للہ! اے میرے اللہ تو نے اسی کلمے کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا، اسی کا مجھے حکم دیا اور اسی کلمے کے پڑھنے پر مجھ سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا پھر آپ نے فرمایا لوگو! خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔

طبرانی، ابونعیم، حاکم اور بیہقی نے حضرت بشیر بن الخصاصیہ سے روایت نقل

---

[1] مسند احمد بحوالہ
مجمع الزوائد ۱، ۱۹

Marfat.com

کی ہے انہوں نے تبلایا کہ :

اتیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لابایعہ فقلت علام تبایعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ فمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال " تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وتصلی الصلوات الخمس لوقتھا وتؤدی الزکوٰۃ المفروضۃ وتصوم رمضان وتحج البیت وتجاھد فی سبیل اللہ قلت یارسول اللہ کلا نطیق الا اثنتین فلا اطیقھما الزکوٰۃ واللہ مالی الاعشر ذود ھن رسل اھلی وحمولھن واما الجھاد فانی رجل جبان ویزعمون ان من ولّی فقد باء بغضب من اللہ فقبض رسول اللہ یدہ ثم حرکھا ثم قال : یابشیر! لاصدقۃ ولاجھاد فبم اذا تدخل الجنۃ ؟ قلت - یارسول اللہ! ابسط یدیک ابایعک فبسط یدہ فبایعتہ علیھن [1]

ترجمہ : حضرت بشیر بن الخصاصیہ رض سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے ارادے سے گیا - میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک) آپ کس بات پر بیعت لیتے ہیں - آپ نے ارشاد فرمایا " اس بات پر کہ تو گواہی دے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکہ وتنہا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول

---

[1] مسند احمد والہیثمی : مجمع الزوائد ۴۲ : ۱ ۱ -

Marfat.com

ہیں پانچ وقت کی نماز وقت پر ادا کرو گے۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو گے۔ رمضان کے روزے رکھو گے۔ بیت اللہ کا حج کرو گے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو گے" میں نے عرض کیا" یارسول اللہ صلی اللہ علیک ہر بات کو پورا کرنے کی میرے اندر طاقت نہ ہے البتہ دو کام مجھ سے نہیں ہو سکتے ایک تو زکوٰۃ کی ادائیگی کیونکہ میرے پاس کل دس اونٹ ہیں انہیں کے دودھ پر میرے اہل و عیال کا گزارا ہے اور انہیں سے باربرداری کا کام لیتا ہوں اور دوسرے جہاد کہ میں بزدل آدمی ہوں اور سنا ہے کہ جو میدان جہاد سے بھاگ جائے اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب نازل ہوتا ہے مجھے اندیشہ ہے جہاد کے موقع پر کہیں میں جان کے ڈر سے بھاگ نہ جاؤں اسطرح میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤں گا یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ لیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا بشیر! جب زکوٰۃ نہیں جہاد نہیں تو کس بنیاد پر تو جنت میں داخل ہو گا؟" (یہ دیکھ کر) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک) دست مبارک دراز فرمائیے میں بیعت کروں گا آپ نے دست مبارک دراز فرمایا اور میں نے ان تمام باتوں پر آپ سے بیعت کی،

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے:

قال قلت یا رسول اللہ اشترط علیّ فانت اعلم بالشرط قال ابایعک ان تعبد اللہ وحدہٗ ولا تشرک بہٖ شیئا وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتنصح المسلم وتبراء من الشرک [1]

---

[1] مسند احمد۔ احمد بن شعیب، سنن النسائی باب البیعۃ علی النصح ۲، ۱۶۲ طبع نور محمد کراچی۔

Marfat.com

ترجمہ: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک آپ میرے اوپر شرطیں عائد فرمائیں کیونکہ آپ (بیعت و ایمان کے لیے شرائط کا علم) مجھ سے زیادہ رکھتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا میں تجھ سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا۔ نماز قائم کرے گا۔ زکوٰۃ ادا کرے گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرے گا۔

حضرت امیمہؓ بنت رقیقہؓ سے ترمذی شریف میں روایت ہے۔

قالت اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نسوۃ یبایعنہ فقلنا نبایعک یارسول اللہ علیٰ ان لا نشرک باللہ شیئاً ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل اولادنا ولا نأتی ببھتان نفتریہ بین ایدینا وارجلنا ولا نعصیک فی معروف فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما استطعتن واطقتن فقلن اللہ ورسولہٗ ارحم بنا من انفسنا ھلم نبایعک یارسول اللہ فقال انی لا اصافح النساء انما قولی لمأۃ امرأۃ کقولی لامرأۃ واحدۃ [1]

ترجمہ: حضرت امیمہؓ نے بتلایا کہ میں بہت سی عورتوں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئی عورتوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک) ہم آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی۔ زنا نہیں کریں گی۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر بہتان نہیں باندھیں گی۔ نیک باتوں کے حکم میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ کہو کہ جتنا ہو سکے گا یا جتنے کی طاقت ہو گی" ہم نے کہا کہ "ہم سے

[1] الترمذی، (کتاب السیر) ۲۴۹ مطبوعہ نور محمد کراچی۔

Marfat.com

زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر رحم کرنے والے ہیں۔ "دست مبارک بڑھائیے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک) کہ ہم بیعت کریں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا جو بات میں سو عورتوں سے کہتا ہوں (اور بیعت کے وقت ان سے اقرار کراتا ہوں) وہی بات ایک عورت کے لیے بھی ہے۔

بیعت کے مسنون ہونے پر بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب القول الجمیل میں لکھا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا[1]

واستفاض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس کانوا یبایعونہ تارۃ علی الھجرۃ والجھاد وتارۃ علی اقامۃ ارکان الاسلام وتارۃ علی الثبات والقرار فی معرکۃ الکفار وتارۃ علی التمسک بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ و الحرص علی الطاعات کما صح انہ صلی اللہ علیہ وسلم بایع نسوۃ من الانصار ان لا ینحن ور و ی ابن ماجۃ انہ بایع ناساً من فقراء المھاجرین علی ان لا یسئل الناس شیئًا فکان احدھم یسقط سوطۃ فینزل من فرسہ فیاخذہ ولا یسئال احدًا

---

[1] الفتح ۱۰۔

Marfat.com

ومما لا شك فيه ولا شبهة انه اذا ثبت عن رسول

الله صلی اللہ علیہ وسلم فعل علی سبیل العبادۃ والاھتمام

بشانہ فانہ لا ینزل عن کونہ سنۃ فی الدین لہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے محمد! صلی اللہ علیک) بیشک جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے تو جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنی ذات کے نقصان پر عہد شکنی کرتا ہے اور جس نے پورا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا اور احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لیتے تھے کبھی ہجرت اور جہاد پر اور گاہے ارکان اسلام کے قائم کرنے (یعنی صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ) پر اور کبھی معرکہ حق وباطل کے وقت ثبات وقرار پر کبھی سنت سے تمسک کرنے اور بدعت سے بچنے پر اور عبادات پر حریص ہونے پر اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے انصاری عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب اور محتاج مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے چنانچہ سوال کرنے میں بعض حضرات صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ اگر ان کا کوڑا گر جاتا تو وہ اپنا کوڑا سواری سے اتر کر اٹھا لیتے اور کسی سے کوڑا اٹھا کر دیدینے کے لیے بھی سوال نہ کرتے اور اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں ہے کہ جو فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق عبادت و اہتمام نہ کہ بطریق عادت ثابت ہو وہ سنت دینی سے کمتر درجے کا نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ کہ بیعت کا جو طریقہ حضرات صوفیہ کے درمیان رائج ہے یہ بدعت نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متوارثہ کے طور پر جاری ہے۔

Marfat.com

چھٹی فصل

مرتبہ احسان

تصوف کا اصل مقصود اس مرتبۂ احسان کا حصول ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث جبرئیل میں اشارہ فرمایا ہے۔ جو بخاری و مسلم میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔

قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک [1]

ترجمہ: سائل نے عرض کیا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتلائیے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا" احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے (اگر اس بات کی تیرے اندر صلاحیت نہ ہو تو) اور تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو (کم ازکم) یہ یقین کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس مقام پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا قلب نفسانی خواہشات کے غلبے سے پاک ہو۔ اور تزکیہ کے مراحل سے گزر چکا ہے ہو۔

ہر مسلمان یہ جانتا اور مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ وہی عزت و ذلت حیات و موت اور رزق میں فراخی و تنگی کا مالک ہے وہ سمیع و بصیر ہے رؤف و رحیم اور شافی و کافی ہے وہی ہر طرح کے نفع اور ضرر کا مالک ہے اور تمام صفات کمالیہ کا مالک ہے اس بات سے بھی ہر شخص واقف ہے اللہ تعالیٰ طاعات سے راضی اور معصیت سے ناراض ہو جاتا ہے بحیثیت مسلمان کے ہم سب کا عقیدہ ہے کہ

---

[1] بحوالہ مشکوٰۃ : ۱۱ طبع مجتبائی دہلی۔

Marfat.com

اس دنیوی حیات کے خاتمے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے۔ ایک دن قیامت آئے گی جس میں ہمیں اپنے اعمال کا ذرہ ذرہ حساب دینا ہو گا لیکن ان تمام باتوں کے جاننے اور ماننے کے باوجود ہم دن رات اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ جائز و ناجائز، حلال و حرام اور خبیث و طیب کی جو حدود اس نے مقرر کر رکھی ہیں انہیں توڑ ڈالنے اور پھلانگ جانے میں ہمیں لمحہ بھر کا توقف نہیں ہوتا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم ان باتوں کو جانتے اور زبان سے مانتے تو ضرور ہیں مگر ان کا وہ یقین ہمیں حاصل نہیں۔ جو ہمیں اللہ کی اطاعت پر مجبور کر دے اور اس کی نافرمانی سے روک دے تصوف درحقیقت وہی یقین پیدا کرتا ہے اور احسان اسی یقین کا اعلیٰ مقام ہے۔ یہ یقین و احسان عبد و معبود کے رشتے میں بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی مطلق کو ہر دم اپنے خیال میں جمانا اور بلا کیف اسے حاضر و ناظر محسوس کر کے اس سے شرم و حیا کرتے ہوئے اس کا مطیع و منقاد رہنا ہی اصل مقصود ہے اور اسی کو کیفیت احسان کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"مقصود صوفیہ کے طریق علیہ کا مشاہدۂ حق کا حصول ہے۔ کانک ترا ہ اور اس حضور کا نام انہوں نے مشاہدہ بالقلب رکھا ہے۔" [1]

حضرت خواجہ عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی نے کرامات و خوارق پر بحث کرتے ہوئے عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ:

اصل مقصود یقین کا حصول ہے۔ جب قلب سے حجابات اٹھ جاتے

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: ۳۹۔

ہیں تو یقین حاصل ہو جاتا ہے اس کے بعد کرامات و خوارق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ مقصود تو حاصل ہو چکا۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

"تصوف کی حقیقت جسے شریعت میں احسان کہتے ہیں تین باتوں پر مبنی ہے پہلی اصل تو یہ ہے کہ اعمال خیر مثلاً نماز روزہ ذکر تلاوت وغیرہ کے ذریعہ یقین پیدا کرنا یہ تو ایک واضح بات ہے کہ سب مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اعمال خیر انجام دیتے ہیں مگر ان کو یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کے اعمال کے ساتھ تین باتیں ملا دی جائیں تو یقین پیدا ہوتا ہے۔ ایک اخلاص فی العمل دوسرے اعمال خیر کی زیادتی مثلاً تہجد۔ چاشت اور صبح و شام کے اذکار اور تیسرے ان اعمال خیر کی کیفیت خاصہ یعنی خشوع و خضوع۔ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں انہی تین اساسیات کو "کیفیت احسان" سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی دوسری اصل یہ ہے کہ یقین سے مقامات پیدا ہوتے ہیں شیخ ابوطالب مکی کی تحریر کے بموجب یہ دس مقامات ہیں۔ توبہ[1]۔ زہد[2] صبر[3]۔ شکر[4]۔ رجا[5]۔ خوف[6]۔ توکل[7]۔ رضا[8]۔ فقر[9]۔ محبت[10]۔ یہ نہ سمجھنا کہ مقامات انہی دس میں منحصر ہیں بلکہ ان کے سوا بھی ہیں۔ یقین انسان کے دل پر جب چھا جاتا ہے تو خوف و رجا سب اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو جاتے ہیں اور اعتماد اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتا ہے[2]

---

[1] السہروردی عبد القاہر بن عبد اللہ، عوارف المعارف، ۳۳، طبع بیروت۔

[2] شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، دوم: ۱۴۲-۱۴۳، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء۔

Marfat.com

ثابت ہوا کہ تمام شرعی اعمال کے ثمرات یقین ہی پر مترتب ہوتے ہیں یقین ہی کی بنیاد پر احوال و مقامات بھی مبنی ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (بغرض تعلیم امت) اکثر یہ دعا فرماتے۔

"اے میرے اللہ! مجھے ایسا یقین نصیب فرما کہ دنیا کی مصیبتیں مجھ پر آسان ہو جائیں"۔

اور اسی یقین کا متعدد مقامات پر قرآن اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے۔ اور اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل میں ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ کہہ کر اشارہ فرمایا۔ انسان سے عبادات کی ادائیگی میں سستی اور معصیت کا ارتکاب اسی یقین کی کمی کے باعث ہوتا ہے۔ اگر آخرت کی جواب دہی کا تصور دل میں یقین کی شکل میں قائم ہو جائے تو انسان عبادت بھی خشوع اور خضوع سے ادا کرے اور ان چیزوں سے بھی بچے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ احسان کا یہ مرتبہ اور یقین کا یہ مقام تصوف ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ تصوف کے تمام اذکار و اشغال اور مجاہدات و ریاضات کا مقصود اسی یقین کو حاصل کرنا ہے۔ ذکر جب کثرت سے کیا جاتا ہے تو ذکر طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے اور نسبت مع اللہ پیدا ہوتی ہے یہی نسبت آگے چل کر احسان کا روپ اختیار کرتی ہے اس گفتگو کے پیش نظر تصوف بدعت نہیں شریعت کے لئے مکمل ثابت ہو گا جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں:

"شریعت را سہ جزو است علم و عمل و اخلاص تا ایں ہر سہ جز متحقق نشوند شریعت متحقق نشود و چوں شریعت متحقق شد رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ است و رضوان اللہ من اللہ اکبر پس شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ

واُخرویہ آمد و مطلبے نماند کہ بما ورائے شریعت درآں مطلب احتیاج افتد طریقت وحقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ اند ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جزوِ ثالث کہ اخلاص است پس مقصود از تحصیل آں ہر دو تکمیل شریعت است نہ امر دیگر ورائے شریعت احوال و مواجید و علوم و معارف کہ صوفیہ را در اثنائے راہ دست مید ہند نہ از مقاصد اند بل او ہام وخیالات تر بی بہا اطفال الطریقت از جمیع اینہا گذشتہ بمقام رضا باید رسید کہ نہایت مقامات سلوک وجذبہ است چہ مقصود از طی منازل طریقت وحقیقت ماورائے تحصیل اخلاص نیست کہ مستلزم مقام رضا است از تجلیات سہ گانہ ومشاہدات عارفانہ گزرانیدہ از ہزاراں یکے را بدولت اخلاص بمقام رضا می رسانند کوتہ اندیشان احوال و مواجید را از مقاصد می شمرند ومشاہدات وتجلیات را از مطالب می انگارند لاجرم گرفتار زندانِ وہم وخیال می مانند واز کمالات شریعت محروم می گردند۔[1]

ترجمہ۔ شریعت کے تین حصے ہیں علم۔ عمل۔ اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزا متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی جب شریعت متحقق ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے جو تمام دینوی واخروی سعادتوں سے بالاتر ہے۔ طریقت وحقیقت جس سے کہ صوفیہ ممتاز ہوئے ہیں دونوں تیسرے حصے (اخلاص) کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان دونوں کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لئے کی جاتی ہے احوال و مواجید اور علوم و معارف جو اثنائے راہ میں

---

[1] ۔۔شیخ احمد سرہندیؒ: مکتوبات، ۱: ۹۸، مکتوبات سی و ششم طبع سعید کمپنی کراچی۔

حاصل ہوتے ہیں مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ وہ اوہام وخیالات ہیں جن کے ذریعہ طریقت کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ ان تمام سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے جو سلوک کا آخری مقام ہے کیونکہ طریقت وحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے کا مقصد سوائے تحصیل اخلاص کے اور کچھ نہیں کہ اسی سے مقام رضا حاصل ہوتا ہے تجلیات سہ گانہ ومشاہدات عارفانہ سے گزر کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو مقام رضا تک پہنچنے کی سعادت بخشتے ہیں۔ کوتاہ اندیش لوگ انہی احوال ومواجید کو مقصد سمجھتے اور مشاہدات وتجلیات کو مطلوب جانتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ زندان وہم وخیال کے اسیر اور کمالات شریعت سے محروم ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادہ گرامی حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں مولانا عبدالحکیم کو لکھتے ہیں۔

"سیدالطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کامیابی کے تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے راستے کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کرے۔ سیدالطائفہ ہی کا یہ قول ہے کہ مقربین صادقین کا راستہ درحقیقت کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ علماء جو شریعت وطریقت پر عامل ہیں اور وارث النبی کہلانے کے مستحق ہیں وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں۔ مکرر لکھتا ہوں کہ آدابِ نبوی کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی کو چھوڑنے والے کو ہرگز ہرگز عارف خیال نہ کرنا اس کے ظاہری تبتل و انقطاع، خوارق عادت زہد وتوکل اور (زبانی) معارف توحیدی پر فریفتہ وشیفتہ نہ ہو جانا۔ مدار کار اتباع شریعت پر ہے اور معاملہ نجات پیروی نقش قدم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مربوط ہے محق ومبطل میں

Marfat.com

امتیاز پیدا کرنے والی چیز اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ بغیر اتباع رسولؐ کے نامعتبر ہے۔ اذکار و افکار اور اشواق و اذواق بے توسل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مفید ہے خوارق عادات کا دارومدار بھوک اور ریاضت پر ہے اس کو معرفت سے کیا تعلق"؟ ؎

مندرجہ بالا حوالوں سے صرف اس بات کو واضح کرنا مقصود تھا کہ تصوف درحقیقت شریعت ہی کا ایک جز ہے لہٰذا کسی صورت میں تصوف کو بدعت کہنا درست نہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

تصوف پر عام طور پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ "اصل دین وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے۔ آپ نے صحابہ کرام کو اسی دین کی تعلیم دی اور بعد کے لوگوں نے انہی صحابہ کرام سے دین سیکھا لیکن نہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (تصوف کے معروف طریقوں کے مطابق) ذکر جہری وسری فرمایا نہ اشغال و مراقبات تجویز فرماتے نہ ان کی تعلیم دی پھر یہ چیزیں تصوف کے راستے سے اسلام میں کیسے در آئیں؟ کیا یہ چیزیں دین میں اضافہ نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ دین میں کونسی چیز مقصود اور مامور بہ ہے جس کا حاصل کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر دین سیکھنا اور سکھانا (تعلیم و تعلم) مامور بہ (لازم) ہے۔ اور یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ کام صحبت سے حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ بعض اوقات تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنبش نظر مقدر سنوارنے اور ذرے کو آفتاب بنانے کے لیے کافی ہوا کرتی تھی اسی لیے آپ کے دور مسعود میں اس "تعلیم و تعلم"

؎ خواجہ محمد معصومؒ۔ مکتوبات، مترجم صفحہ ۶۱ مکتوب ۱۱۰، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔

Marfat.com

کے لیے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ نہ کتابیں لکھی گئیں ۔ نہ مدارس قائم تھے نہ تحقیقی مراکز و اکادمیاں تھیں لیکن بعد میں حالات ایسے ہوگئے کہ محض صحبت کافی نہیں رہی بلکہ کتابوں اور مدرسوں کی ضرورت پیش آگئی تو اللہ کے نیک بندوں نے اپنی ساری عمر اسی کام میں کھپادی انہوں نے کتابیں تصنیف کیں۔ مدرسے بنائے۔ اور اس کے بعد سے تعلیم و تعلم کا یہ سارا سلسلہ چل پڑا کیا سلف صالحین کے اس اقدام کو "دین میں اضافہ" کا نام دیا جاسکتا ہے؟ نہیں۔ اس لیے کہ دین میں اضافہ تو اس وقت ہوتا جبکہ "تصنیف کتب اور بنائے مدارس" کو مامور بہ امر سمجھ کر انجام دیا جاتا لیکن اگر کوئی ذریعہ یا وسیلہ کسی دور میں ناکافی سمجھا جانے لگے اور ضرورت محسوس کی جائے کہ امر شرعی کے حصول کے لیے دیگر ذرائع یا وسائل اختیار کئے جائیں تو ان کے اختیار کرنے میں نہ تو کوئی مضائقہ ہے اور نہ ان کا اختیار کرنا دین میں اضافہ متصور ہوگا۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں قرآن کریم یا تو سینوں میں محفوظ تھا یا مکتوب کی صورت میں منتشر اوراق کی شکل میں موجود تھا مگر جب جنگ یمامہ میں حفاظ کی بہت بڑی تعداد شہید ہوگئی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس طرح حافظوں کے قتل ہوجانے یا وفات پاجانے سے قرآن کریم ضائع نہ ہوجائے تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ قرآن کو "بین الدفتین" جمع کردیا جائے۔ اگرچہ یہ کام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام نہیں دیا تھا لیکن چونکہ "حفاظت قرآن" ایک امر مامور بہ ہے اس لیے تھوڑی سی ردوکد کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کام پر راضی ہوگئے اور قرآن کریم کو بین الدفتین جمع کردیا گیا۔

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں جب لہجوں کے اختلاف کی بنا پر قرأت قرآن میں اختلاف ہونے لگا اور صحابہ کرام نے ضرورت محسوس

Marfat.com

کی کہ "لغت قریش" پر سب کو جمع کر دیا جائے تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد کا جمع کیا ہوا قرآن منگا کر اس کی نقلیں کروائیں اور متعدد نقول کو کوفہ۔ مصر۔ شام وغیرہ کے علاقوں میں بھیج دیا تا کہ لوگ قرأت قریش پر جمع ہو جائیں۔ کیا حضرت عثمانؓ غنی کے اس فعل کو بدعت قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ابتداء میں نہ نقطوں کا رواج تھا نہ اعراب کا اہل عرب اپنی زبان اور مشق و ممارست کی بنیاد پر قرآن کریم کی تلاوت کر لیتے تھے لیکن جب کثرت سے عجمی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کریم کی عبارت پر اعراب ہو تا کہ عجمی اسے اعراب کی مدد سے پڑھ سکیں اور نقطوں کی بھی ضرورت پیش آئی تو حجاج بن یوسف کے عہد میں قرآن کریم پر اعراب دیا گیا۔ اور نقطہ گذاری بھی عمل میں آئی۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ کسی عمل پر" احداث فی الدین یا بدعت" کا حکم لگانے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ یہ جانچ لیا جائے کہ آیا وہ کام مامور بہ سمجھ کر کیا جا رہا ہے یا امر مامور بہ کی انجام دہی کی غرض سے اس عمل کو بطور وسیلہ اختیار کیا گیا ہے لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں ہے۔

Marfat.com

باب دوم

تصوّف کا ارتقاء

گذشتہ صفحات میں نصوص شرعیہ (قرآن وسنت) سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ تصوف بدعت نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں اور بنیادیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ اور بعد کے ادوار میں صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین نے انہی بنیادوں پر اسلامی تصوف کی عمارت تعمیر کی۔

پہلی فصل

خلفائے راشدین

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

ابونصر السراج نے اپنی کتاب کتاب اللمع میں حضرت ابوبکر الواسطی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اول لسان الصوفیة ظهرت فی هٰذه الامة علی لسان ابی بکر رضی اللّٰہ عنہ اشارة فاستخرج منها اهل الفهم لطائف [1]

ترجمہ: سب سے پہلے اس اُمت میں صوفیہ کے اقوال اشارات کی شکل میں حضرت ابوبکر صدیق کی زبان مبارک پر جاری ہوئے جن سے اہل عقل نے بہت

---

[1] ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی، کتاب اللمع فی التصوف: ۱۲۱: طبع لائیڈن ۱۹۱۴ء۔

Marfat.com

سی لطیف باتیں اخذ کیں۔

السراج نے لکھا ہے کہ جیش عسرت کی تیاری کے موقع پر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا اثاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ

تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے پہلے فرمایا اللہ اور پھر فرمایا ورسولہ (اور اس کے رسول کو) میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ جواب اہل توحید کے لیے "تغرید" کے معاملے میں اشارہ جلیلہ ہے۔ اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب مضطرب ہو گئے اور بعضوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اسلام کی بربادی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت ابوبکرؓ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

"لوگو! تم میں سے جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ حی لایموت ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب سے ان کا توحید میں ثبات واستقامت ظاہر ہوتی ہے اسی ثبات واستقامت نے صحابہ کرام میں "ثبات فی التوحید" پیدا کیا۔[1]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اللہ تعالیٰ نے الہام اور فراست ایمانی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ منکرین زکوٰۃ سے قتال کرنے کے معاملے میں تمام صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق تھے کہ ان سے (فی الحال) جہاد نہ کیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

قسم خدا کی اونٹ کے پیر باندھنے کی ایک رسی بھی جو وہ لوگ زکوٰۃ کی مد

---

[1] ابو نصر سراج، کتاب اللمع: ۱۲۱: طبع لائیڈن

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اگر وہ دینے سے انکار کریں گے تو میں جہاد کروں گا۔"

آخرکار تھوڑی ہی دیر کے بعد صحابہؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اس لیے کہ ان پر صدیق اکبرؓ کی رائے کی حقانیت واضح ہو گئی تھی۔ اسی طرح جیش اسامہ کو روانہ کرنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ اسے فی الحال نہ روانہ کیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم جس پرچم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا اسے میں ہرگز نہیں کھولوں گا یعنی جیش اسامہؓ ضرور جائے گا اور آخرکار صحابہؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ سے اتفاق کر لیا۔"

اگرچہ مذکورہ بالا دونوں فیصلے جمہور صحابہؓ کی رائے کے خلاف تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فراست ایمانی اور الہام کے تحت جو فیصلے فرمائے اسلام کے استحکام کے حق میں وہی مفید ثابت ہوئے۔

بکر بن عبداللہ المزنی نے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں جو بات فرمائی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان مبارک پر واقعتہً صوفیہ کے اسرار و معارف جاری ہوتے تھے۔ المزنی فرماتے ہیں:

مافاق ابوبکر رضی اللہ عنہ جمیع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت الصوم والصلوٰۃ ولکن بشیء کان فی قلبہ [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جملہ صحابہ کرامؓ پر جو فوقیت حاصل تھی وہ نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس چیز کی وجہ سے تھی جو ان کے

---

[1] کتاب اللمع: ۱۲۴۔

Marfat.com

دل میں تھی۔

اس "شے" کی تشریح کرتے ہوئے بعضوں نے کہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ اور پرخلوص محبت تھی جو حضرت ابوبکرؓ کے قلب میں راسخ تھی[1] اسی طرح جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

"اے بنی آدم! چلو اس آگ کو بجھاؤ جو تم نے جلا رکھی ہے۔ یعنی لقاء الٰہی اور عشق الٰہی کی آگ کو نماز سے ٹھنڈا کرو۔ اکل حلال کے معاملے میں حضرت ابوبکرؓ کو اتنا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک مشتبہ کھانا کھا لیا اور جوں ہی اس کا مشتبہ ہونا ظاہر ہوا۔ انگلی ڈال کر قے کر دیا اور فرمایا کہ اگر اس کھانے کو باہر نکالنے میں میری جان بھی نکل جاتی تو میں اسے نکال کر رہتا اس لیے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس بدن کی پرورش لقمۂ حرام سے ہو اس کے لیے آگ ہی سب سے بہتر ٹھکانا ہے"[2]

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کا قول تمام اقوال سے افضل ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لیے اپنی معرفت حاصل کرنے کے راستوں میں سے سوائے معرفت سے عاجز ہو جانے کے اور کوئی دوسرا راستہ رکھا ہی نہیں ہے"[3]

---

[1] کتاب اللمع، ۱۲۴۔

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے مندرجہ بالا اقوال اور روایتوں کی روشنی میں بہ آسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے باعث آپ کے کمالات کا انعکاس حضرت ابوبکرؓ کی سیرت میں اکمل واتم تھا اور اسی ضمن میں صوفیانہ افکار و حقائق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکرؓ کی طرف تمام و کمال منتقل ہوئے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

بہت ساری خصوصیات کے باعث صوفیہ کرام نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی زہد و اتقاد کے اعلیٰ مدارج پر فائز مانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"پچھلی قوموں میں محدثون اور مکلمون ہو گزرے ہیں اس اُمت میں اگر کوئی محدث ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔"[1]

بعض اہل علم سے محدث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ صدیقین کے درجات میں سے یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ صاحب کشف تھے جب ہی انہوں نے مدینہ منورہ کے منبر سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت ساریہؓ کو دیکھ لیا اور انہیں پہاڑ کی آڑ لینے کا حکم دیا۔ ساریہ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ پر عمل کیا اور فتح پائی۔ ساریہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہیں پتہ کیسے چلا کہ حضرت عمرؓ تمہیں پہاڑ کی آڑ لینے کا مشورہ دے رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے خود حضرت عمرؓ کی آواز سنی تھی۔

حضرت عمرؓ کے زہد کا عالم یہ تھا کہ:

---

[1] کتاب اللمع ۱۲۵

Marfat.com

"حضرت عثمان نہدی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اس وقت ان کے بدن پر جو قمیص تھی اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

عمرؓ کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے" [1]

اکثر حضرت عمرؓ تنکا اٹھا لیتے اور فرماتے کاش میں ایک تنکا ہوتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ [2]

ابونصر سراج نے لکھا ہے کہ:

"اہل حقائق کا ایک خاص اسوہ ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں وہ بتمام وکمال پایا جاتا ہے مثلاً پیوند زدہ کپڑے پہننا ترک شہوات، مشتبہ خوراک سے بچنا، کرامات کا ان سے ظاہر ہونا، مخلوق کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، راہ حق پر ہر حال میں مستقیم رہنا، باطل کے مٹانے پر ہمہ وقت آمادہ رہنا، عبادات کی شدت سے پابندی، یگانوں اور بیگانوں سے یکساں سلوک کرنا۔" [3]

روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنے بھائی حضرت زید بن الخطابؓ سے فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو میں اپنی زرہ تمہیں دیدوں۔ تم اسے پہن لو۔ زیدؓ نے جواب دیا۔ میرے بھائی! جس طرح آپ چاہتے ہیں کہ شہادت حاصل

---

[1] کتاب اللمع ۱۲۵۔

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً۔

Marfat.com

کریں اسی طرح میں بھی شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں" علماء نے لکھا ہے کہ اپنی زرہ آتار کر اپنے بھائی کو دینے کی خواہش درحقیقت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ حقیقت توکل سے آشنا تھے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں نے چار چیزوں میں عبادت کو پایا ہے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کے محارم سے کامل احتراز میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر امر بالمعروف میں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے ڈر سے نہی عن المنکر میں۔[1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

صوفیہ نے حضرت عثمانؓ کو اصحاب تمکین میں شمار کیا ہے اور تمکین متحققین کے اعلیٰ درجہ کو کہتے ہیں۔ ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ "صحیح درویش کون ہوتا ہے؟" فرمایا وہ شخص جو مادی اشیاء اپنے پاس رکھتا ہو لیکن اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے "حضرت عثمانؓ غنی کا بھی یہی حال تھا۔ اگرچہ ان کے پاس مال تھا لیکن وہ ذاتی عیش و آرام پر اسے خرچ نہیں کرتے تھے انہوں نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ اسلام پر ایسا وقت آسکتا ہے جسے میں اپنے مال کے ذریعہ سنبھال سکتا ہوں تو میں ہرگز ہرگز مال جمع نہ کرتا[2]"

اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مال کو جمع رکھنے سے زیادہ انہیں یہ بات محبوب تھی

---

[1] کتاب اللمع: ۱۲۷
[2] ایضاً

Marfat.com

کہ اسلام کی سربلندی کے لیے ان کا مال خرچ ہو یا ان کے مال سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچے جو اہل حاجت ہوں۔ جیش عسرت کی تیاری اور بیر رومہ (کنواں) کی خریداری کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے جس فراخ دلی کا اظہار کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے غلام کے ہاتھ حضرت ابوذر غفاریؓ کے پاس ایک تھیلی بھیجی جس میں ایک ہزار درہم تھے اور غلام سے فرمایا کہ اگر انہوں نے اسے قبول کر لیا تو تو آزاد ہے۔ حضرت عثمانؓ کے اس قول سے ان کا شوق انفاق بخوبی واضح ہوتا ہے۔

مال کو ٹھیکری کی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ اسی شخص میں ہو سکتا ہے جو معرفت کے اعتبار سے درجہ کمال پر فائز ہو۔ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ درصل مال و دولت رکھنا اسی شخص کے لیے جائز ہو سکتا ہے جو اذن الٰہی کا جاننے والا اور اس پر عمل کرنے والا ہو کہ اسے حکم دیا جائے کہ اللہ کے نام پر اتنا خرچ کرو اور وہ نتائج سے بے پروا دھڑلے سے مال خرچ کر ڈالے اسی طرح جب اشارہ غیبی ہو کہ مال روکے رہو تو روکے رہے۔ ایسا شخص مال کو حظ نفسانی کے لیے جمع نہیں کرتا بلکہ اس کے پیش نظر ادائے حقوق ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال تو بعینہٖ اس وکیل کی ہوتی ہے جس کا مؤکل اپنا مال اسکے حوالہ کر دیتا ہے اور وہ اس کی مرضی و منشا کے مطابق مال کو جمع رکھتا اور خرچ کرتا رہتا ہے۔ یہ منزل بڑی کٹھن منزل ہے۔ اس منزل میں بہت سے جھوٹے مدعی بھی ہوتے ہیں لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔

مال و دولت کی کثرت انسان میں فخر و غرور پیدا کرتی ہے وہ عیش و تنعم کا عادی ہو جاتا ہے لیکن اتنی کثیر دولت ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ میں کمال فروتنی اور تواضع تھی۔ روایت ہے کہ ایک دن ان کے باغ میں لکڑیوں کا ایک گٹھا پڑا ہوا

Marfat.com

تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس گٹھے کو سر پر لاد لیا اور چل پڑے لوگوں نے کہا حضرت آپ کے پاس اتنے غلام ہیں کسی کو کہہ دیتے وہ اس گٹھے کو گھر پہنچا دیتا آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا" میں یہ کر سکتا تھا مگر میں در اصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا نفس یہ کرنا گوارا کرتا ہے یا نہیں؟ سو وہ میں نے دیکھ لیا بظاہر تو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے نفس کے محاسبے اور اس کی ریاضت سے غافل نہیں تھے

حضرت عثمانؓ کی تمکین کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ باغیوں کی جماعت ان کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ ان پر اور ان کے اہل خانہ پر پانی بند ہے۔ خود خلیفہ ہیں اگر حکم دے دیں تو ان کے دفاع کے لیے ہزاروں تلواریں میان سے باہر آ جائیں مگر صبر و ثبات کے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں نہ اپنی جگہ سے ٹلے نہ اپنا موقف تبدیل کیا اور عین حالت تلاوت میں اپنی جان جاں آفریں کو سپرد کی۔

روایت ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

میں نے چار چیزوں میں تمام بھلائیوں کو جمع پایا ہے۔

۱۔ نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنا

۲۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنا

۳۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی نظر سے شرم کرنا۔[۱]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جو افکار و احوال بیان ہوئے کیا یہ حقیقی صوفیانہ افکار و احوال نہیں؟

---

[۱] ماخوذ از کتاب اللمع

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیشوائے اہل طریقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ "انہیں علم لدنی حاصل تھا وہی علم جو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تھا[۱] تمام صحابہ کرام کے درمیان جناب امیرالمومنین حضرت علیؓ چند خصوصیات کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ مثلاً آپ کے کلام میں معانی جلیلہ، اشارات لطیفہ اور معرفت و توحید کے اسرار و معارف بکثرت پائے جاتے ہیں۔ آپ کے خصائل و اخلاق سے صوفیائے کرام نے بے حد استفادہ کیا۔ ایمان کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے:

"ابتداءً ایمان قلب میں ایک نورانی تجلی کے طور پر قرار پکڑتا ہے، اور جوں جوں ایمان بڑھتا جاتا ہے وہ نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ جب ایمان کامل ہو جاتا ہے تو قلب روشن و منور ہو جاتا ہے۔ اور نفاق دل میں ایک سیاہ دھبے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور جوں جوں نفاق بڑھتا جاتا ہے وہ دھبہ بڑھتا چلا جاتا ہے تا آنکہ جب نفاق مکمل ہوتا ہے تو قلب سیاہ ہو جاتا ہے[۲]

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی مجلس میں سوال کیا ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

ایمان چار ستونوں پر قائم ہے صبر[۱] یقین[۲] عدل[۳] جہاد[۴] پھر آپ نے صبر کے دس

۱؎ اللمع: ۱۳۰

۲؎ ایضاً۔

Marfat.com

مقامات اور یقین۔ عدل اور جہاد کے بھی دس دس مقامات بتلائے [1]

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ سے سوال کیا گیا۔ کون شخص تمام عیوب سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ فرمایا:

"وہ شخص جو عقل کو اپنا امیر، احتیاط کو اپنا وزیر، عبرت کو اپنی لگام صبر کو اپنا قائد، تقویٰ کو اپنا ناصح، خوف خدا کو اپنا ہم نشین، موت کی یاد اور مصائب کو اپنا انیس بنائے رہے" [2]

ایک مرتبہ آپ نے حضرت کمیل بن زیادؓ سے اپنے قلب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یہاں علم ہے کاش کوئی اسے سنبھالنے والا ملتا تو میں اس کے حوالہ کرتا" [3]

جب نماز کا وقت آتا تو آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ رنگ متغیر ہو جاتا لوگ پوچھتے امیر المومنین آپ کو کیا ہو گیا؟ فرماتے:

"اس امانت کی ادائیگی کا وقت آن پہنچا جسے اٹھانے سے آسمانوں زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا پتہ نہیں میں اس کا حق ادا بھی کر سکوں گا یا نہیں" [4]

جناب علی مرتضیٰؓ کے اقوال، اعمال اور اخلاق میں ایسی بہت سی باتیں ہیں

---

[1] اللمع ۱۳۰

[2] ایضاً ۱۳۱

[3] ایضاً ۱۳۱۔

[4] ایضاً ۱۳۲۔

Marfat.com

جن سے صوفیۂ اہل اشارات اور اصحاب مواجید نے فائدہ اٹھایا اسی لیے آپ ہی سے اکثر سلاسل تصوف چلے اور آپ کو امام طریقت کہا گیا۔

دوسری فصل

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے صوفیانہ افکار و اعمال

گو کہ صوفیانہ حقائق کے ادراک اور اعمال کے اعتبار سے خلفائے راشدین زیادہ ممتاز تھے تاہم یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وہ خصوصیات موجود نہیں تھیں۔ طویل حوالوں کا یہاں موقع نہیں ہے۔ جستہ جستہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اکثر و بیشتر عبادت میں مشغول رہتے بلکہ بعض اوقات تو ان کا یہ انہماک اتنا بڑھ جاتا کہ گھریلو کام کاج اور بیوی کے ساتھ ان کے تعلقات بھی متاثر ہو جاتے [1]

ایک دن حضرت بہلول بن ذویب روتے دھوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتلایا۔

"یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک) میں نے تو اتنے گناہ کئے ہیں کہ اگر ایک گناہ کے بدلے میں بھی اللہ تعالیٰ میری گرفت کرے تو میں ہمیشہ جہنم میں رہنے کے لائق ہوں میرا خیال ہے کہ وہ ضرور میری گرفت کرے گا۔"

انہوں نے یہ کہا اور اسی حالت میں روتے ہوئے گلے میں مجرموں کی طرح لوہے کا طوق ڈالے پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ وہ وہاں صدا دے رہے تھے۔

اے میرے معبود! میرے آقا! میرے مولا! یہ تیرا بہلول پا بہ زنجیر تیرے

---

[1] امام احمد بن حنبل: مسند ۶: ۱۰۶

دربار میں حاضر ہے اسے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے [1]

مرد تو مرد عورتوں کا یہ حال تھا کہ حضرت حولاء بنت تویتؓ اپنے بالوں کو رسی سے باندھ لیتیں تاکہ نیند ان پر غالب نہ آنے پائے حضرت عائشہؓ نے جب ان کا یہ حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

علیکم من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا واحب العمل الیہ ادومہ وان قل [2]

ترجمہ: تمہیں اتنا ہی عمل کرنا چاہیے جتنا کہ بہ آسانی ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے نہیں اکتائے گا البتہ تم اکتا جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ عمل محبوب ہے جو پابندی سے ہمیشہ کیا جائے چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ (یہاں عمل سے مراد نفلی اعمال ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اکثر فرمایا کرتے:

افضل المجالس مجلس فی قعر بیتك حتی لا تری ولا تری [3]

ترجمہ: سب سے افضل مجلس تیری وہ مجلس ہے، جو تیرے گھر کے اندر ہو حتیٰ کہ نہ تو کسی کو دیکھے نہ تجھے کوئی دیکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

---

[1] (ا) حافظ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۱: ۱۷۱ طبع مصر۔

(ب) 〃 〃 〃 〃 اسد الغابہ ۱: ۲۱۰ تا ۲۱۱۔

[2] حلیۃ الاولیاء، ۲: ۶۵، ۶۶ طبع مصر ۱۳۵۱ھ۔ ۱۹۳۳ء

[3] اللمع: ۱۳۶

"ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پردیسیوں کی طرح مسجد نبوی میں پڑے رہا کرتے تھے نہ ہمارا کوئی گھر در تھا نہ جائے پناہ"۔[۱]

اسی طرح کے احوال واحساسات صحابہ کرام کی ایک اچھی خاصی جماعت کے تھے جن کا تذکرہ طوالت کے خوف سے یہاں نہیں کیا جارہا ہے۔ ان میں سے بعض حضرات اصحاب صفہ میں بھی تھے اور بعض نہیں مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت حذیفہؓ بن الیمان۔ حضرت انس بن مالک، حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت بلالؓ حبشی، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت براءؓ بن مالک، حضرت کعبؓ الاحبار، حضرت ابو فروہؓ، حضرت ابو بکرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت تمیمؓ الداری، حضرت ابو رافعؓ۔ حضرت محمدؓ بن کعب، حضرت عمار بن یاسر، حضرت لجلاجؓ، حضرت ابو عبیدۃ بن الجراحؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، حضرت خباب بن الارتؓ، حضرت زید بن الخطابؓ، حضرت ابو کبشہؓ، حضرت عکاشہؓ بن محصن، حضرت صفوانؓ بن البیضاء، حضرت ابو الدرداءؓ اور دیگر بہت سارے حضرات رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

یہ سارے حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے حقائق تصوف کے حامل وجامع تھے اگرچہ وہ خود کو صوفی نہیں کہتے تھے۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں کتنی لطیف بات ارشاد فرمائی ہے فرماتے ہیں

"اندر وقت صحابہ وسلف ایں اسم نبود ومعنی اندر ہر کسے موجود بود اکنوں اسم ہست ومعنی نے"۔[۲]

---

[۱] ایضاً: ۱۳۶۔

[۲] الہجویری: کشف المحجوب: ۳۷، طبع لاہور ۱۹۶۸ء

Marfat.com

ترجمہ: صحابہؓ اور سلف صالحین کے دور میں تصوف کا نام نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں موجود تھی آج نام موجود ہے لیکن حقیقت مفقود ہے۔

تابعین رحمہم اللہ کا عہد

صحابہ کرام کے زیر اثر تابعین میں بھی زہاد کی ایک جماعت پیدا ہوگئی حضرت اسود بن یزید نخعی کا عالم یہ تھا کہ عبادت کرتے کرتے ان کا جسم زرد پڑ جاتا آخری عمر میں روزوں کی کثرت کی وجہ سے ان کی بینائی بھی ضائع ہوگئی۔ علقمہ بن قیس نے انہیں اتنی شدید ریاضت سے منع کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

راحة هذا الجسد ارید [1]

ترجمہ: میں اپنے جسم کو راحت پہنچانا چاہتا ہوں۔

یہی حال جناب ربیع بن خثیم کا تھا کہ فالج ہوگیا تھا لیکن لوگوں کے سہارے مسجد میں نماز کے لیے جاتے۔ کسی نے کہا حضرت آپ کو تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے آپ گھر ہی میں نماز کیوں نہیں پڑھ لیتے؟ فرمایا:

قد علمت ولكن اسمع النداء بالفلاح [2]

ترجمہ: میں بھی یہ جانتا ہوں لیکن کیا کروں جب (مؤذن کی زبان سے) حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کی ندا سنتا ہوں تو صبر نہیں آتا۔

حضرت عروہ بن الزبیرؒ تابعی کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنے

---

[1] حلیۃ الاولیاء: ۲: ۱۰۳، ۱۰۴ طبع مصر ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۳ء۔

[2] لبیونی الدکتور ابراہیم: نشاۃ التصوف الاسلامی: ۹۰: طبع مصر ۱۹۶۹ء۔

Marfat.com

دور کے حالات دیکھ کر گھر میں خلوت گزینی اختیار کر لی تھی۔[1]

یہی حال حضرت وصلہ بن اشیم تابعی کا تھا۔ وہ تو بعض اوقات ویرانے کی طرف نکل جاتے اور وہاں عبادت میں مشغول رہتے اور اسی حال میں ان کی وفات ہو گئی۔[2]

تابعین میں مشہور ترین تابعی حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہیں حضرت علی ہجویری۔

"آفتاب امت و شمع ملت از کبار مشائخ اہل تصوف"[3] کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ آگے چل کر تحریر فرمایا:

"اندر عہد رسول بود اما ممنوع گشت از دیدار وے بدو چیز یکے غلبہ حال و دیگر بحق والدہ۔[4]

ترجمہ: وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے مگر ان کی حضورؐ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ دو وجہوں سے ایک تو غلبہ حال کی وجہ سے اور دوسرے والدہ کے باعث (کہ وہ ضعیف تھیں اور انہیں تنہا چھوڑ کر جا نہیں سکتے تھے۔)

آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ عشق تھا۔ سنا کہ غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو اپنے سارے دانت توڑ ڈالے کہ محبوب کے منہ میں دانت نہ ہوں اور میرے منہ میں دانت رہیں۔ یہ گوارا نہیں۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء: ۲: ۱۸۰ طبع مصر ۱۳۵۱ھ

[2] ایضاً : ص ۲۳۸

[3] الہجویری: کشف المحجوب: ۴۷

[4] ایضاً

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ سے فرمایا تھا:

"مردیست از قرن اویس نام اور ابقیامت ہم چند گوسپندان ربیعہ و مضر شفاعت خواہد بود اندر امت من"[1]

ترجمہ: قرن کا اویس نامی ایک شخص ہے جسے روز قیامت قبیلہ ربیعہ و مضر کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت کے لوگوں کی شفاعت کا حق ہو گا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی ملاقات حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے ہوئی۔

ابتدا میں تو اہل قرن کو حضرت اویس رضؓ کے مرتبے کا علم نہیں تھا لیکن جب حضرت عمرؓ و علیؓ کی زبانی ان کے مرتبے کا علم ہوا تو لوگوں کا رجوع شروع ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ کوفہ چلے گئے اور معرکہ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حضرت ہجویریؒ لکھتے ہیں:

"چوں اہل قرن بازگشتہ اویس را حرمتے وجاہے پدیدار آمد اندر میان ایشاں وے آنجا برفت وبکوفہ آمد۔ ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ روزے اورا بدید واز پس آں ہیچ کس دیگر ندید تا بوقت فتن بیامد بر موافقت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ در صفین حرب ہمی کرد شہادت یافت عاش حمیدا ومات شہیدا۔"[2]

ترجمہ: جب اہل قرن واپس گئے (حج سے کیونکہ حضرت عمرؓ و علیؓ سے ان کی ملاقات حج ہی کے موقع پر ہوئی تھی) تو وہ لوگ آپ کی عزت وقدر کرنے لگے اس کے بعد آپ اس

---

[1] کشف المحجوب: ۴۷

[2] ایضاً

Marfat.com

جگہ کو چھوڑ کر کوفہ چلے گئے اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں چلے گئے۔
صرف ایک مرتبہ حضرت ہرم بن حیانؒ نے ان کو دیکھا اور اس کے بعد کسی نے انہیں نہ دیکھا یہاں تک کہ فتنہ کے زمانے میں آپ ظاہر ہوئے اور جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی جانب سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ قابل تعریف زندگی گزاری اور شہادت کی موت پائی۔
آپ کا قول تھا کہ سلامتی تنہائی میں ہے۔
صوفیہ تابعین میں سے صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ہرم بن حیان العبدی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کہ:

"از بزرگان طریقت بود و اندر معاملت خطے تمام داشت و باصحابہ کرام ایشاں صحبتہا کردہ بود"[1]

ترجمہ: طریقت کے اکابر میں سے تھے اور اس راہ میں اعلیٰ مراتب حاصل کیے انہوں نے صحابہ کرام کی طویل صحبت کا شرف پایا:
اہل طریقت کے اہم ترین بزرگ جو طریقت میں امام و پیشوا مانے جاتے ہیں حضرت ابو سعید الحسن بن ابی الحسن یسار البصری المعروف بہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی کبار صوفیہ تابعین میں ہوتا ہے۔
صاحبُ کشف المحجوب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وے را قدرے و خطرے بزرگ است بنزدیک اہل ایں علم بل کل علوم و لطیف الاشارہ بودہ است اندر علم معاملت۔"[2]

---

[1] کشف المحجوب: ۷۵
[2] " " : ۷۷

Marfat.com

ترجمہ: اہل طریقت میں آپ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے بلکہ تمام علوم میں خصوصاً فن تصوف میں تو آپ کے اشارات نہایت لطیف ہیں۔

آپ کی ولادت بقول فرید الدین عطّار حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی[1]

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے آپ کی تاریخ ولادت ۲۱ھ بتلائی ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ آپ نے ۱۳۰ اصحابہ سے ملاقات کی۔[2]

طریقت کے باب میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے سب سے زیادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے استفادہ کیا اور اس طرح تقریباً تمام سلاسل طریقت کے امام قرار پائے[3]

حضرت خواجہؒ نے خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا بھی دور دیکھا اور ان کی ستم رانیوں کے شکار ہوئے۔ اس دور پر گفتگو کرتے ہوئے جناب خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"خلافت راشدہ کے بعد جو سیاسی نظام قائم ہوا وہ منہاج سنّت پر نہ تھا۔ بنو امیہ کے زمانے میں اسلام کے سیاسی نظام کا سارا مرکز و محور بدل گیا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی عوام سے پورا ربط اور تعلق جو خلفاء راشدین کے دور میں تھا ختم ہو گیا دروازوں پر حاجب بٹھا دیئے گئے۔ مسجدوں میں مقصورے تعمیر کر لیے گئے۔ بیت المال ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا۔ مسلمانوں کی دینی زندگی کی

---

[1] فرید الدین عطار: تذکرۃ الاولیاء مترجم: ۹، طبع لاہور

[2] داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء مترجم: ۴۹: طبع نفیس اکیڈمی کراچی۔

[3] Capt. Rabbani: Islamic Sufism: 249. Lahore.

اصلاح و تربیت جواب تک خلفاء کے اہم ترین فرائض میں شامل تھی نظر انداز کردی گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں سیاسی اور دینی فرائض کا جو اجتماع تھا وہ ماضی کی داستان بن کر رہ گیا اسلامی زندگی کی اجتماعیت فنا ہوگئی۔ مذہب اور سیاست کے راستے بدل گئے۔ مسلمانوں کی ملی زندگی کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔" ؎۱

حضرت خواجہ حسن بصری اور ان کے اولیاء نے واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ بھی دیکھا جب یزیدی افواج نے کربلا میں اہلبیت کے خانوادے کو اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے خانوادوں کو تاراج کیا۔ اس لیے مسلمانوں کا دیندار طبقہ حکومت سے متنفر ہوگیا اور اس نے حکومت سے قطع تعلق کر لیا۔ لوگ حسرت سے عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین کے دور کو یاد کرتے۔ حجاج بن یوسف کے مظالم کو دیکھ کر خواجہ حسن بصریؒ کو اتنی تکلیف ہوئی کہ گیارہ سال تک گوشہ نشین رہے اور جب حجاج کے مرنے کی خبر سنی تو سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا:

اللّٰھم انی اخافك واخاف من لا یخافك ؎۲

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں صوفیہ کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔ مورخین نے اس طبقے کے زمانے کو ۶۶۱ء سے ۸۵۰ء تک مقرر کیا ہے اس میں خواجہ حسن بصریؒ حضرت مالک بن دینار۔ حضرت محمد واسع، حضرت حبیب عجمی، حضرت فضیل بن

؎۱ نظامی خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ۶۶: طبع کراچی مکتبہ عارفین۔

؎۲ شیخ حمید الدین ناگوری: سرور الصدور (قلمی نسخہ) بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص ۷۰۔

Marfat.com

عیاض، حضرت ابراہیم ادہم رحمہم اللہ اجمعین شامل ہیں۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب ظاہر کی دنیا تاراج اور تاریک ہو جاتی ہے اور انسان پر یاس دحرماں کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان باطن کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا دن رات کا مشاہدہ انسان کو فکر آخرت میں غرق کر دیتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے صوفیہ پر خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ ہے۔ اور وہ توبہ استغفار پر بہت زور دیتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار Isdlamic Mysticism. کے تحت لکھتا ہے

> *The first stage of Sufism appeared in pious circles as a re-action against the worldiness of the early Umyyada period (661-749). From the practice of constantly meditating on the Quranic (Islamic Scripture)-words about Doomsday, the ascetics became known as "Thosewho always week and those who considered this world "a hut of sorrows" they were distinguished by their scrupulous fulfilment of the injunction of the Quran and tradition by many acts of piety and especially by a predilection for night prayers.1*

ترجمہ "تصوف کا پہلا مرحلہ اہل تقویٰ کے حلقوں میں ایک ردعمل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے وہ ردعمل ابتدائی دور بنو امیہ (۶۶۱ ۹، ۷۴) کی دنیا داری کے خلاف ظہور پذیر ہوا۔ قیامت اور آخرت کے متعلق آیات قرآنیہ پر تدبر و تفکر کرنے سے ان زہاد کا نام ہی "اہل بکاء" پڑ گیا جو دنیا کو دارالمحن سمجھتے تھے۔ ان کی امتیازی خصوصیت قرآن و حدیث کے احکام کی انتہائی احتیاط کے ساتھ بجا آوری، اعمال خیر کی کثرت اور شب زندہ داری تھی۔"

1.Encyclopaedea Britinnica: 9:943:: Chicago 1974

Marfat.com

اس دور کے صوفیہ نے اپنے نظریات کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ یہ لوگ انفرادی طور پر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ان حضرات نے کوئی نئی اصطلاح ایجاد کی نہ نیا طریقہ کار وضع کیا نہ اپنے گرد مریدین کا حلقہ جمع کیا۔ یہ لوگ اپنے دور کے حالات سے اس قدر دل برداشتہ تھے کہ انہوں نے عزلت گزینی ہی میں عافیت جانی۔ اور ساری زندگی اس پر کاربند رہے۔

اس دور کے صوفیہ نے تصانیف کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار یا ابلاغ بھی بہت کم کیا۔ زیادہ تر تربیت و نصیحت پر انحصار فرماتے تھے۔ ان بزرگوں کے رویہ اور ردعمل سے امت مسلمہ کو بڑا فائدہ پہنچا اس لیے کہ یہ حضرات تزکیہ نفس، اصلاح باطن اور عبادت پر زور دیتے تھے۔ سیاسی ہیجان اور اقتدار طلبی کے دور میں ان حضرات کی سیرت عوام کے لیے ایک منارہ نور ثابت ہوئی اور انہیں بخوبی اندازہ ہوگیا کہ اسلام صرف ملک گیری اور اقتدار ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ روحانی ارتقاء کے اصول بھی اپنے دامن میں رکھتا ہے۔

چوتھی فصل

عہد تبع تابعین و دیگر ادوار

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی استفادہ اور بیعت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کی۔ صاحب کشف المحجوب ان کا تذکرہ "شجاع طریقت و متمکن در شریعت" کے لقب سے کرتے ہیں۔ فرمایا:

"بلند ہمت و باقیمت بود واندر مرتبہ گاہ مرداں قدر و خطرے عظیم داشت۔ توبہ او ابتداء بردست خواجہ حسن بصری بود [1]"

---

[1] کشف المحجوب: ۷۹۔

Marfat.com

ترجمہ: آپ بڑے باہمت اور باقدر لوگوں میں سے گزرے ہیں اپنے دور کے مشائخ میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ کی ابتدائی توبہ اور بیعت حضرت خواجہ حسنؒ بصری سے تھی۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں ایک خاتون رابعہ بصریہ نامی گزری ہیں۔ داراشکوہ نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"آپ کا فقر بزرگی اور عظمت احاطہ تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں۔ حضرت سفیان ثوری مسائل دریافت کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کی دعا اور نصیحت کے متمنی رہتے تھے۔ آپ تمام رات عبادت میں گزارتی تھیں۔ صبح تک کھڑی ہو کر بسر کرتیں۔ کہتے ہیں کہ رات دن میں ایک ہزار رکعت پڑھتیں۔" [1]

خواجہ فریدالدینؒ عطار ان کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

"آپ پردہ نشینوں کی مخدومہ، خاصان خداوندی، سوختہ عشق، قرب الٰہی کی شیفتہ، اور پاکیزگی میں مریم ثانی تھیں۔" [2]

انکے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار رقم طراز ہے:

The introduction of the element of love, which changed ascetism into mysticism, is ascribed to Rabia - Al-Adawiyah (died 801) a woman from Basrah who first formulated the Sufi ideal of Love of God that was disinterested, without hope for paradise and without fear of hell. In the decades of Rabiah mystical trends grew everywhere in the Islamic world.[2]

---

[1] سفینۃ الاولیاء مترجم: ۲۵۹۔

[2] تذکرۃ الاولیاء مترجم: ۳۴

2. Encyclopaedea Britinnica: 9:943::Chicago 1974.

ترجمہ: رابعہ عدویہ سے (تصوف میں) محبت کا عنصر شامل کرنا منسوب کیا جاتا ہے جس کے اضافے سے زہد وارتیاض تصوف میں تبدیل ہوگیا۔ بصرہ کی اس خاتون رابعہ عدویہ (متوفیہ ۸۰۱ء) کے ہاں ہمیں صوفیہ کے حب الٰہی کے آدرش کی پہلی مرتبہ ہمیں ایسی تعبیر ملتی ہے جو صرف ذات الٰہی پر مرکوز ہے۔ جنت کی آرزو اور جہنم کے خوف دونوں سے ماوراء محض حب الٰہی کو اپنا مطمح نظر بناتی ہے۔ رابعہ کے بعد کی دہائیوں میں ساری دنیائے اسلام میں متصوفانہ خیالات پھیلتے چلے گئے۔

حضرت رابعہ بصریہ نے اسلامی تصوف کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا فرماتی ہیں "اے میرے اللہ! دنیا میں میرے لیے جو حصہ متعین کیا گیا ہے وہ اپنے معاندین کو دیدے اور جو حصہ عقبیٰ میں میرے لیے مخصوص ہے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم فرمادے کیونکہ میرے لیے تو صرف تیرا وجود ہی بہت کافی ہے۔ اور اگر میں جہنم کے ڈر سے عبادت کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں جھونک دے اور اگر خواہش فردوس وجہ عبادت ہو تو فردوس کو میرے لیے حرام فرمادے اور اگر میری پرستش صرف تمنائے دیدار کے لیے ہو تو پھر اپنے جمال عالم افروز سے مشرف فرمادے۔"[۱]

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء: ص ۴۵

Marfat.com

اس دور کے مشاہیر میں سے صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالکؒ بن دینار کو حضرت حسنؒ بصری کے "سرّ خاص" اور "نقیب اہل انس" کے القاب سے یاد فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو حبیبؒ بن سلیم کو "امیر الاولیاء فقیر بے ریا" حضرت ابو حازمؒ مدنی کو "پیر صالح" حضرت محمد بن واسع کو "داعی اہل مجاہدت قائم اندر مشاہدت" امام ابو حنیفہ کو "امام اماماں مقتدا، سنیاں، شرف الفقہا، عز العلماء" جیسے القاب سے۔ حضرت فضیل بن عیاض کو "شاہ اہل حضرت بادشاہ درگاہ وصلت" کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ [1]

اس دور کے صوفیہ پر "غلبۂ عشق" کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں یونانی علوم مسلمانوں میں رائج ہو رہے تھے اور عقلیت کا غلبہ شروع ہو چکا تھا حضرات صوفیہ نے "عقل" کے مقابلے میں "عشق الٰہی اور وارفتگی" کا نظریہ پیش کیا۔

پانچویں فصل

مصر کا دبستان تصوف [2]

مصری دبستان تصوف کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

---

[1] کشف المحجوب: ۸۸۔

[2] اگرچہ اصولاً عراقی دبستان تصوف کا تذکرہ "تصوف کے عہد بہ عہد ارتقاء" کو واضح کرنے کے لیے پہلے کرنا تھا تاہم چونکہ اس بیان کی آخری منزل "عراقی دبستان کا تذکرہ ہے اس لیے کہ ہمارا مقصود اس ارتقاء کو بیان کرنا ہے جو حضرت ہجویری پر منتہی ہوتا ہے اس لیے اسے موخر کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

In an Egyptian School of Sufism the Dhu-an-Nun (died 859) reputedly introduced the technical term of Ma'rifat (interior knowledge) as contrasted to learnedness. In his hymnical prayers he joined all nature in the praise of God an idea based on the Quran and later elaborated in Persian and Turkish Poetry.[3]

ترجمہ: تصوف کے مصری دبستان میں ذوالنون (متوفی ۸۵۹ء) نے معرفت (بمعنی علم باطن) کی اصطلاح کو متعارف کرایا یہ معرفت نرے ذخیرہ معلومات سے علیحدہ چیز تھی اپنی حمدیہ دعاؤں میں یہ سارے عالم فطرت کو تسبیح وثنائے الٰہی میں شریک کر لیتے ہیں۔ اس خیال کی بنیاد قرانی تعلیمات پر تھی اور بعد کی فارسی و ترکی شاعری میں یہ مزید وضاحت سے بیان ہوا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عطار لکھتے ہیں:

"آپ سلطان معرفت اور بحر توحید کے شناور تھے اور عبادت و ریاضت کے اعتبار سے مشہور زمانہ ہوئے" ؎۲

آگے چل کر ان کا ایک قول نقل کیا ہے۔

"معرفت کی تین اقسام ہیں۔ اولاً معرفت توحید وہ ہر مومن کو حاصل ہوتی ہے دوم معرفت حجت و بیان یہ حکماء اور علماء کو ملتی ہے۔ سوم صفات وحدانیت کی معرفت یہ صرف اولیاء کرام کے لیے مخصوص ہے۔ جو نہ

؎۱

؎۲ تذکرۃ الاولیاء: ۶۹

3.Encyclopaedea of Britinnica: 9:943:: Chicago 1974

Marfat.com

دوسروں کو حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کوئی ان مراتب سے واقف ہو سکتا ہے۔" لہ

فرمایا:

"معرفت کا دعویدار کاذب ہوتا ہے اس لیے کہ عارف و معروف کی معرفت ایک ہو جانے کی وجہ سے معرفت کا مدعی دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا۔ اگر سچا ہے تو اپنی تعریف خود کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور سچے لوگ کبھی اپنی تعریف خود نہیں کرتے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ" میں تم سے افضل نہیں ہوں۔ (اور اس ضمن میں حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ "خدا ترسی میرا گناہ عظیم ہے) اور اگر تم اپنے دعوے میں سچے نہیں ہو تو پھر تمہیں عارف نہیں کہا جا سکتا — فرمایا کہ عارف کو جس قدر قربت ہو گی اسی قدر سرگرداں رہے گا جس طرح آفتاب سے قریب رہنے والی شئے اس سے متاثر بھی زیادہ ہوتی ہے۔" ۲ہ

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

منقول ہے کہ موت کے قریب لوگوں نے سوال کیا آپ کی کسی چیز کو طبیعت چاہتی ہے؟ فرمایا:

میری خواہش صرف یہ ہے کہ موت سے پہلے مجھے آگاہی حاصل ہو جائے اور

لہ تذکرۃ اولیاء ص ۷۵

۲ہ تذکرۃ الاولیاء ص ۷۵

Marfat.com

پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

الخوف امرضنی والشوق احرقنی

الحب افنانی واللہ احیانی [1]

ترجمہ: خوف نے مجھے مریض بنادیا اور شوق نے جلا دیا اور محبت نے مجھے فنا کر ڈالا اور اللہ نے زندہ کر دیا۔

چھٹی فصل

ایران کا دبستان تصوّف

ایرانی دبستان تصوف کا نمائندہ حضرت سلطان بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ) رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھا جاتا ہے۔ ان کا نام طیغور بن عیسٰی بن آدم بن سروشان تھا۔ ان کے دادا پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ سلطان کے متصوفانہ افکار میں نمایاں چیز "فنا" یعنی نفس کو مٹا دینے کا تصور ہے۔ سلطان کے مرید ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ:

"سلطان بایزید نے مجھے بیان کیا: میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اس سے دریافت کیا: آپ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے فرمایا: "از خود گزشتی رسیدی" (تو اپنے سے نکل گیا تو پہنچ گیا)۔" [2]

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان اپنی خواہشات نفس اور ان چیزوں کی گرفت سے جن کا وہ عادی اور خوگر ہو نکل گیا اور اپنی ذات کی سوچ سے آزاد ہو گیا اس نے خدا تم

---

[1] تذکرۃ الاولیاء: ۹۷

[2] مولانا جامی: نفحات الانس مترجم: ۵۳، طبع صادق آباد

Marfat.com

کو پالیا۔ اصل چیز نفس کی فنا ہے۔ جب تک نفس فانی نہیں ہوتا اسے بقاء باللہ حاصل نہیں ہوسکتی جو معرفت کی اساس اور منتہائے مقصود ہے۔

صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"از اجلۂ مشائخ بود و حالش اکبر جملہ و شانش اعظم ہمہ بود تا حدے کہ جنید گفت "ابو یزید منا بمنزلۃ جبریل من الملائکہ۔

و ازیں دہ امام معروف مرتصوف را یکے وے بود و ہیچ کس را پیش از ابو یزید اندر حقائق ایں علم چنداں استنباط نبودہ است"[۱]

ترجمہ: اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ان کا حال سب سے بڑا۔ ان کی شان سب سے اعلیٰ تھی اس حد تک کہ جنیدؒ نے فرمایا: ہمارے درمیان ابو یزید کی وہی حیثیت ہے جو ملائکہ کے درمیان حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بسطام کے علاقے میں (جو اہل تصوف کا مرکز تھا) انہیں تصوف کا امام مانا جاتا ہے۔ حضرت بایزید سے قبل اس علم تصوف کے حقائق کے بارے میں کسی نے اتنا اجتہاد و استنباط نہیں کیا۔"

ایرانی دبستان تصوف پر بحث کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> In the Iranian School Abu-Yazid Al-Bistami (died 874) is usually considered to have been representative of the important doctrine of annihilation of the self (Fana) the Strange Symbolism of his sayings pre-figures part of terminology of later mystical poets at the same time the concept of Divine love became move central specially among the Iraqi Sufis. It's main representatives are Noori who offered his life for his brothern and Sumnun, "The lover".[4]

[۱] کشف المحجوب: ۹۸

4.Encyclopaedea Brittinnica : 9:943:: Chicago 1974

ترجمہ ایرانی دبستان میں بایزید بسطامی (دم ۸۷۴ء) کو عموماً فنا یعنی نفس کے مٹا دینے کے اہم تصور کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے ان کے اقوال میں موجود عجیب و غریب علائم کی مابعد کے صوفی شعراء کی اصطلاحات میں جھلک ملتی ہے۔ اسی دور میں حب الٰہی کا تصور زیادہ مرکزی حیثیت اختیار کر جاتا ہے خصوصاً صوفیائے عراق میں اس کے بڑے نمائندے نوری ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کے لیے اپنی زندگی قربان کر دی اور سحنون ہیں جو معروف محب ہیں۔

مقالہ نگار آگے چل کر لکھتا ہے:

The first of the Theosophical speculations based, on mystical insights about the nature of man and the essence of the prophet produced by such Sufis as Sahl-Attustari (died (896). Some Hellenistic ideas were later adopted by Al-Hakim Al-Tirmidi (died 898).

Sahl was the master of Al-Husain bin Mansoor Al-Hallaj who has became famous for his Phrase "Anal-Haq" (I am the Creative truth) often rendered "I am God" which was later interpreted in a Pantheistic sense, but is, in fact, only a condensation of his theory of "Huwa Huwa" (He He) God loved himself in his essence, and created Adam "In His image". Hallaj was executed in 922 in Baghdad as a result of his teachings; He is, for later mysties and poets, the "Martyr of Love" Par-excellence, the enthusiast killed by the heologians.

5.Encyclopaedea Britinnica: 9:943:: Chicago 1974

Marfat.com

ترجمہ: انسان کی فطرت اور نبی علیہ السلام کے جوہر کے بارے میں متصوفانہ بصیرت پر مبنی حکیمانہ افکار سب سے پہلے سہل تستری (متوفی ۸۹۶ھ) نے پیش کیے بعد ازاں بعض یونانی خیالات حکیم ترمذیؒ (متوفی ۸۹۸ء) نے اختیار کر لیے۔ سہل حسین بن منصور حلاج کے مرشد تھے جو اپنے فقرے "انا الحق" (میں حقیقت خالقہ ہوں) کی وجہ سے مشہور ہوئے اس فقرے کا ترجمہ بالعموم "میں خدا ہوں" سے کیا جاتا ہے اور مابعد کے زمانے میں اس کی ایک حلولی تعبیر بھی کی گئی۔ تاہم فی الاصل یہ نظریہ "ہو ہو" کی تلخیص ہے اللہ نے اپنے جوہر میں خود کو چاہا اور آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔ حلاج کو ۹۲۲ء میں بغداد میں ان کی تعلیمات کی وجہ سے سولی دے دی گئی بعد کے آنے والے صوفیہ اور شعراء کے لیے وہ سب سے بڑے "شہید عشق" ٹھہرے۔ عشق کا ایک دیوانہ جسے فقہاء نے مار ڈالا۔

ساتویں فصل

عراق کا دبستان تصوّف

عراق کے دبستان تصوف کی اہم ترین خصوصیت اس میں "ضبط نفس اور نفسیاتی بصیرت" پر زیادہ زور ہے۔ دبستان عراق کی ابتداء عبداللہ بن حارث بن الاسد المحاسبیؒ سے ہوئی۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عالم بود بہ اصول و فروع و ہمہ اہل علم را تولی و اقتداء در وقت وے

بدو بود کتابے کردہ است "رغائب" نام اندر اصول تصوف و
بجز آں وے را تصانیف بسیار است اندر ہر فن "۔ [1]

ترجمہ: اصول و فروع کے عالم تھے ان کے دور میں تمام اہل علم ان کی اقتداء کرتے تھے۔ انہوں نے اصول تصوف میں ایک کتاب "رغائب" نامی لکھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی تقریباً ہر ہی فن میں انہوں نے بلند پایہ کتابیں لکھیں"

المحاسبیؒ کا خیال تھا کہ معیت الٰہیہ کے لیے ضروری ہے کہ نفس پورے طور پر مزکّٰی ہو لہٰذا اگر کوئی اس منزل پر پہنچنا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام توجہات تزکیۂ نفس پر مرکوز کر دے۔ آپ کو بغداد میں شیخ المشائخ مانا جاتا تھا آپ کا قول ہے۔

"العلم بحركات القلوب فى مطالعة الغيوب اشرف من
العمل بحركات الجوارح"۔

ترجمہ۔ غیب کے محل میں دل کا حرکت کرنا حرکات بالجوارح سے افضل ہے۔

دبستان عراق کی تعلیمات "صحو و حکمت" حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۰ء) میں اپنے کمال کو پہنچتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار گنج بخش صاحبِ کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شیخ مشائخ اندر طریقت و امام ائمہ اندر شریعت ابوالقاسم الجنید
بن محمد بن الجنید القواریری البغدادی رضی اللہ عنہ مقبول اہل ظاہر و
ارباب القلوب بود و اندر فنون علم کامل و در اصول و فروع و وصول و
معاملات مفتی و امام اصحاب ثوری بود۔ وے را کلام و احوال کامل
است۔ جملہ اہل طریقت بر امامت وے متفق اند و ہیچ مدعی و متصرفے

---

[1] کشف المحجوب: ۹۹

Marfat.com

را در وے مجال اعتراض و اعراض نیست جنید خواہر زادۂ سری سقطی و مرید بود روزے از سقطی پرسیدند کہ "ہیچ مرید را درجہ بلند تر از پیر باشد؟ گفت "بلے" برہان ایں ظاہر است جنید را درجہ فوق درجۂ من است" ؎

ترجمہ: شیخ طریقت و امام شریعت ابوالقاسم حضرت جنید بن محمد بن جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں مقبول اہل ظواہر و ارباب قلوب تھے علوم کے تمام فنون میں کامل اور اصول و فروع معاملات و عبادات میں مفتی اعظم اور امام اصحاب ثوری مانے گئے ہیں۔ آپ کے فرامین نہایت عالی ہیں اور آپ کا حال بدرجہ غایت کامل ہے حتیٰ کہ تمام اہل طریقت آپ کی امامت پر متفق ہیں اور کسی مدعی علم و تصوف کو آپ پر اعتراض نہیں۔ اور آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں۔ اور انہی کے مرید ہیں۔ ایک روز حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ "کوئی مرید ایسا بھی ہے جس کا مرتبہ پیر سے بلند ہوگیا ہو؟ فرمایا "ہاں" اس کے براہین ظاہر ہیں۔ (یعنی جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس کا درجہ میرے درجے سے بلند ہے۔ (ترجمہ مولانا ابوالحسنات)

آٹھویں فصل

دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں تصوف

منصورؒ حلاج کے فوراً بعد مسلمانوں میں گمراہ صوفیہ کے متعدد گروہ پیدا ہوگئے

؎ کشف المحجوب ۱۷۱

اب تو ہر شخص "مدعی انا الحق" تھا۔ کوئی خود کو "حلولی" کہتا کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر حلول کر گیا ہے۔ یہ لوگ ہندوؤں کی طرح تناسخ (آواگون) کے قائل تھے۔

صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں "لعنہم اللہ" (ان پر اللہ کی لعنت ہو) کا جملہ فرمایا ہے:

"دوسرا گروہ "حلاجیہ" تھا جو اپنی نسبت منصور حلاج کی طرف کرتا تھا اس کے بارے میں بھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"یہ گروہ مردود ہے"

اس صورت حال کے باعث عوام میں صوفیہ اور علماء کی جانب سے بدگمانی پھیلنا شروع ہوئی لوگ سمجھنے لگے کہ "تصوف" درحقیقت شریعت کے متضاد کوئی چیز ہے۔ اور معرفت شرعی احکام کو ساقط کر دیتی ہے۔ ایسے وقت میں بالخصوص دبستان جنیدی کے مشائخ نے جو اہل دل ہونے کے ساتھ ساتھ اہل علم بھی تھے یہ فیصلہ کیا کہ عوام کی غلط فہمی کو رفع کرنے اور انہیں گمراہ صوفیہ اور علمائے سوء کی فتنہ سامانیوں سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس فن میں مستند کتابیں تصنیف کی جائیں اور سلاسل طریقت کو فروغ دیا جائے چنانچہ دسویں صدی عیسوی کے صوفیہ میں حضرت شیخ ابوسعید ابن العربیؒ (م ۔ ۹۵۲ء) جو حضرت جنیدؒ کے خلیفہ بھی تھے۔ شیخ ابومحمد الخلدیؒ (م ۔ ۹۵۹) شیخ ابونصر السراجؒ (م ۔ ۹۸۸ء) شیخ ابوبکرؒ (م ۱۰۰۰ء) شیخ ابوطالب مکیؒ (م ۹۹۶ء) ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ (م ۱۰۲۱ء) نے زبان و قلم سے صحیح مذہب اور تصوف کے حقائق کو پیش کرنا شروع کیا۔ ان حضرات نے گراں قدر تصنیفات یادگار چھوڑیں۔ اس زمانے میں اس بات

لہ کشف المحجوب: ۲۳۰

Marfat.com

کی بھی کوشش کی گئی کہ تصوف کو شریعت اسلامی کے عین مطابق ثابت کیا جائے
اس دور میں تصوف کی اہم ترین کتاب السراج کی "کتاب اللمع" اسی دور میں
لکھی گئی ابو طالب مکی کی کتاب "قوت القلوب" بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ مکی
کو قرآن و حدیث پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے قوت القلوب میں نہایت کامیابی
سے یہ ثابت کیا ہے کہ "تصوف" درحقیقت قرآن و سنت کا عملی پہلو ہے۔

نویں فصل

گیارہویں صدی عیسوی

گیارہویں صدی عیسوی کے بزرگوں کے بارے میں خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:
"گیارہویں صدی عیسوی کے مشائخ میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور پر
قابل ذکر ہیں:

(۱) شیخ ابو نعیمؒ اصفہانی المتوفی ۱۰۰۸ء
(۲) شیخ ابوالقاسمؒ قشیری المتوفی ۱۰۷۲ء
(۳) شیخ علی ہجویریؒ المتوفی ۱۰۷۲ء ۱۰۷۹ء کے درمیان
(۴) شیخ عبداللہ انصاریؒ المتوفی ۱۰۸۸ء
(۵) شیخ ابوسعیدؒ ابوالخیر المتوفی ۱۰۴۹ء

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آگے چل کر نظامی صاحب لکھتے ہیں:
"شیخ ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش جید عالم اور مرتاض بزرگ

لہ تاریخ مشائخ چشت، ۹۶۔

Marfat.com

تھے۔ اپنے زمانے کے بے شمار مشائخ سے ملے تھے۔ اور فیض حاصل کیا تھا ابتدائی زمانے میں سفر و سیاحت کا بہت شوق تھا چنانچہ شام سے لے کر ترکستان تک اور دریائے سندھ سے لے کر بحر کیسپین تک گشت کیا تھا آخر میں لاہور آئے اور پھر دہیں کے ہو کر رہے شیخ ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں اپنی نو تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ اب سوائے کشف المحجوب کے سب معدوم ہو گئیں۔ کشف المحجوب کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ امام قشیریؒ کی طرح شیخ ہجویریؒ نے بھی تصوف کو اسلامی شریعت کے قریب لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گہرائی ہے۔ تصوف کی کتابیں اب تک عربی زبان میں تھیں اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی۔ حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے بعض مشائخ کا تو یہ کہنا ہے کہ جس شخص کا کوئی پیر نہ ہو اس کے لیے کشف المحجوب کافی ہے"۔ [1]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ۱۹۸۰۔

Marfat.com

سوانح حیات

حضرت سیّد علی ہجویری

رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

باب سوم

سوانح حیات حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

پہلی فصل

نام و نسب

اسم گرامی بہ الفاظ حضرت گنج بخش ؒ

"الشیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری" (رحمۃ اللہ علیہ) تھا"۔ [۱]

چونکہ جلاب اور ہجویر مضافات غزنی میں واقع دو محلے ہیں اس لیے ژوکوفسکی نے اپنے مقدمہ میں "ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الہجویری الغزنوی" (رحمۃ اللہ علیہ) لکھا ہے [۲]

نکلسن (Nicholson.) نے

علی بن عثمان الجلابی الغزنوی الہجویری [۳] (رحمۃ اللہ علیہ) لکھا ہے۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

---

[۱] کشف المحجوب بہ تصحیح ژوکوفسکی ۱:۱۔

[۲] مقدمہ مصحح ۱:۱۔

[۳] Kashful Mahjoob.

Marfat.com

شیخ علی مخدوم الجلابی الہجویری الغزنوی اللاہوری قدس سرہ ونام پدر وے عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی [1]

مولانا نورالدین جامی نے اسم گرامی

”علی بن عثمان ابن علی الجلابی الغزنوی : (رحمۃ اللہ علیہ) لکھا ہے“۔ [2]

داراشکوہ نے

”کنیت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی“ لکھا ہے [3]

مولوی فقیر محمد جہلمی نے ”حدائق الحنفیہ“ میں

علی مخدوم جلابی غزنوی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری“ لکھا ہے [4]

مولانا عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں :

”پورا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی اللاہوری ہے ۔
ہندوستان میں شہرت عام عرف داتا گنج بخش سے ہے“۔ [5]

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت داتا گنج بخش کا نام علی اور ان کے والد ماجد کا نام عثمان تھا۔ ان کا پورا نسب اور ان کی نسبت یہ ہے علی بن عثمان بن علی الجلابی ثم الہجویری الغزنوی ان کی کنیت ابوالحسن ہے [6]

---

[1] غلام سرور قادری : ۲ : ۲۳۲ : طبع اودھ ۱۹۱۴ ع

[2] نفحات الانس مترجم : ۴۵۱

[3] سفینۃ الاولیاء مترجم : ۲۰۹ (طبع کراچی نفیس اکیڈمی)

[4] حدائق الحنفیہ : ۲۲۳ طبع مکتبہ سہیل حسن لاہور

[5] دریاآبادی عبدالماجد : تصوف اسلام : ۴۲ طبع اعظم گڑھ

[6] مقالات دینی و علمی : ۲۲۲ : طبع لاہور۔

Marfat.com

گذشتہ حوالوں سے یہ بات تقریباً ثابت ہوگئی کہ تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا اسم گرامی مع کنیت۔

ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

البتہ حضرت کے جد امجد کے نام میں قدرے اختلاف ہے بعض نے "علی" اور بعض نے "ابی علی" لکھا ہے تاہم یہ اختلاف لائق اعتنا نہیں ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ انہیں "علی" اور کبھی "ابوعلی" کے نام سے پکارا جاتا رہا ہو۔

سلسلہ نسب

سید ہجویری حسنی سید ہیں۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے۔

حضرت مخدوم حضرت علی بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی کرم اللہ وجہہ [1]

ماہر انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اسی شجرہ کو "بزرگان لاہور" نامی کتاب میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے

وہ کہتے ہیں کہ پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ ہے اور توسین میں "شجاع شاہ" لکھا ہے اور درج ذیل نوٹ دیا ہے۔

"مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کے فرزند تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) [2]

اس اعتبار سے سلسلۂ نسب یہ ہوگا۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، ۲۳۳۔

[2] پیر غلام دستگیر نامی، بزرگان لاہور، ۱۸۴۔

Marfat.com

"حضرت مخدوم علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن سید عبداللہ (شجاع شاہ) بن سید حسن علی بن حسن بن سید زید بن امام حسن رضی اللہ عنہم اجمعین چونکہ نامی صاحب ماہر انساب مانے جاتے ہیں اس لیے یہی شجرہ قابل ترجیح ہے۔

سال ولادت قدیم تذکرے جو ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں سے کسی میں بھی حضرت ہجویریؒ کا سال ولادت ٹھیک مرقوم نہیں ہے اس لیے اکثر محققین نے اندازے سے سال ولادت متعین کیا ہے جو ظاہر ہے کہ حتمی نہیں کہا جا سکتا۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں۔

"مفصل حالات پرانے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھے ہیں یہاں تک کہ ان کی تاریخ ولادت و وفات اور ان کے ورود لاہور کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہو گی"۔[۱]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے۔

"تاریخ ولادت کسی ماخذ میں نہیں ملتی۔ قرائن نواح ۴۰۰ھ/۱۰۱۰ء کے حق میں ہیں یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ) اور دارالسلطنت غزنہ کے عروج کا زمانہ ہے"۔[۲]

نکلسن نے لکھا ہے:

---

[۱] مقالات دینی و علمی ۱: ۲۲۳۔

[۲] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱: ۹۱؛ پنجاب یونیورسٹی۔

His birth may be placed in the last decade of the Tenth or the first decade of the Eleventh Century of our era, and he must have been in the prime of youth when Sultan Mahmood died in 421 A.H. (1030 A.D).[6]

ترجمہ: ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری عشرے یا گیارہویں صدی کے ابتدائی عشرے میں متعین کی جا سکتی ہے۔ جب محمود غزنوی کی وفات ۴۲۱ھ میں ہوئی تو حضرت ہجویریؒ عنفوان شباب کے دور میں رہے ہوں گے۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات لکھی ہے:

"ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے ہجویر اور جلاب غزنی کے دو گاؤں ہیں شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اسی لئے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آخر زندگی میں لاہور آکر رہے۔ اسی لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے"۔[2]

مذکورہ بیانات کی روشنی میں اندازاً آپ کا زمانۂ ولادت ۳۸۱ھ تا ۴۰۱ھ کے درمیان میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دوسری فصل

جائے ولادت و وطن

حضرت سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے شہر غزنہ (غزنی) کے رہنے والے

---

6. Nicholson: Preface : XIX: Lahore

[1]

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن: بزم صوفیہ: ۱: اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

Marfat.com

تھے۔ یہ نسبت انہوں نے خود تحریر فرمائی ہے۔ "الجلابی الغزنوی الہجویری"

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے:

"مذہباً آپ حنفی تھے۔ غزنیں کے رہنے والے۔ جلاب اور ہجویر دو محلوں کے نام ہیں ایک محلے سے آپ دوسرے محلے میں منتقل ہو گئے تھے آپ کی والدہ کی قبر غزنیں میں پیر علی ہجویریؒ کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار کے متصل واقع ہے آپ کا تمام خاندان زہد و تقویٰ کے لیے مشہور تھا۔" [1]

آگے چل کر لکھتا ہے:

"یہ عاجز بھی آپ کے روضہ اور آپ کے والدین اور ماموں تاج الاولیاً کے مزارات پر حاضری دے آیا ہے۔" [2]

ڈاکٹر محمد شفیع لکھتے ہیں:

"زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے ۲۶ / اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ غزنیں گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔" [3]

توطن

حکیم سید امین الدین احمد نے اگرچہ یہ بات بغیر کسی سند کے لکھی ہے کہ "شاہان غزنیہ کے زمانے میں حضرت زید کے خاندان کے ایک بزرگ جن کا نام سید عثمان بن علی جلابی تھا غزنی تشریف لائے اور وہاں

---

[1] سفینۃ الاولیاء مترجم: ۲۰۹-۲۱۰

[2] ایضاً: ۲۱۰

[3] مقالات (سیر علمی) ۱: ۲۲۲

Marfat.com

سکونت اختیار کرلی"۔ [1]

تاہم اس دور کے حالات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ سادات بنی ہاشم پر جس طرح بنو امیہ نے مظالم کے پہاڑ توڑے تھے بنو عباسیہ نے بھی انہیں نہیں بخشا ان حالات سے تنگ آکر سادات نے ترک وطن کیا۔ اور شاید اسی میں تکوینی مصلحت پوشیدہ تھی۔ کیونکہ اگر اس مقدس خانوادے کے افراد کسی خاص علاقے تک محدود رہ گئے ہوتے تو توحید و سنت کا جو نور چار وانگ عالم میں پھیلا کیسے پھیلتا؟ وطن کی محبت تو جزو ایمان ہے۔ اگر سادات بنی ہاشم کو وطن میں مطلوبہ سہولتیں میسر آجاتیں تو وہ مسافرت کی زندگی کیوں اختیار کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے غیر مسلم صرف مسلمانوں کی تلوار کی چمک دمک دیکھتے اور اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا حالانکہ اسلام صرف ملک گیری و ملک رانی کا نام نہیں ہے۔ قرآن کریم میں قتال کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں نہایت واضح الفاظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ "جہاد بالسیف" کا مقصود فتنہ پیدا کرنا نہیں بلکہ فتنے کا استیصال ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ [2]

ترجمہ: اور ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ نابود ہو جائے اور لوگ اللہ کے دین پر آجائیں۔

اسلامی تعلیمات کے صحیح امین و حامل وہ بادشاہ نہیں ہیں جن کا مقصود ملکوں کو زیر نگیں کرنا اور انسانوں کی گردنوں پر اپنی غلامی کا جوا رکھنا ہوتا ہے بلکہ وہ ہیں

---

[1] تذکرہ حضرت علی ہجویری: ۱۸۰ طبع لاہور شعاع ادب۔

[2] البقرہ، ۱۹۳۔

Marfat.com

جن کا عالم یہ تھا۔

قباؤں میں پیوند تھے شکم پر

قدم کے تلے تاج کسریٰ و قیصر

اس طرح کے لوگ اگر کبھی تخت اقتدار پر بھی متمکن ہوئے تو علیؓ المرتضیٰ عمر فاروقؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ بن کر اسلامی تاریخ کے صفحات پر جگمگائے۔ سادات بنی ہاشم آغوش نبوت کے پروردہ تھے۔ کہ جبرئیل امین ان کے دروازے پر اترا کرتے تھے۔ قرآن ان کے گھر میں نازل ہوتا تھا۔ قرآن کی تفسیر و تعبیر وہ براہ راست لسان نبوت سے سنا کرتے تھے۔ یہ خانوادہ مہر و وفا اور صبر و عزم والوں کا خانوادہ تھا۔ ان کا ہر فرد سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ رحمت و شفقت۔ محبت و رواداری کا پیکر۔ نبوت کا مزاج آشنا۔ عالم روحانیت کا تاجور یہی وہ لوگ تھے جو زبان سے اسلام کی تبلیغ کم اور اپنے عمل سے زیادہ کرتے تھے۔ ان کے دل میں دین کا جو درد تھا وہ دوسروں کو کہاں سے حاصل ہو سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ غالباً تکوینی فیصلہ ہوا کہ انہیں شدائد میں مبتلا کیا جائے تاکہ یہ لوگ وطن اور خان ومان سے زیادہ وابستہ نہ رہ سکیں ساتھ ہی ان کے دل میں اعلاء الحق اور تبلیغ دین کا داعیہ پیدا کیا گیا اور یہ لوگ ترک وطن کر کے دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچے۔

اس تمہید کے بعد یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مملکت میں افراتفری اور عباسی حکمرانوں کے جور و ظلم سے تنگ آ کر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اپنے وطن سے نکلا اور غزنی میں آ کر آباد ہو گیا۔

ناصر الدین سبکتگین غزنی کا حکمران الپتگین کے غلاموں میں سے تھا۔ مولانا

Marfat.com

سید عبدالحیؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الملك المويد المنصور ناصر الدين سبكتگين الغازی ملك غزنه كان من غلمان البتگين [1]

ترجمہ: غزنی کا بادشاہ سبکتگین الپتگین کے غلاموں میں سے تھا۔

آگے لکھتے ہیں کہ الپتگین کی وفات کے بعد سب نے سبکتگین کو بالاتفاق اپنا حکمران تسلیم کر لیا لیکن کیوں؟

لما عرفوه من عقله و دينه و مروءته و كمال خلال الخير فيه [2]

ترجمہ: کیونکہ وہ لوگ اس کی ذہانت۔ دیانتداری۔ شرافت اور فضائل اخلاق سے واقف تھے۔

سبکتگین نے جنگ و جدال کے باوجود غزنی کو حتی الوسع امن کا گہوارہ رکھا سبکتگین کی وفات ۹۹۷ء میں ہوئی اس کے بعد اس کی جگہ اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا جس کی شمشیر خارا شگاف نے بتکدہ ہند میں زلزلہ ڈال دیا تاریخ اسلام کا عظیم فاتح محمود غزنوی صرف تلوار ہی کا دھنی نہیں تھا بلکہ اسے معارف پناہ، علم دوست اور بارگاہ اولیاء کے مؤدب خادم کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اس کی حاضری اور اظہار عقیدت اس کی ان صفات پر شاہد عدل ہیں۔ اس کے بارے میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ۱: ۵۰ طبع حیدر آباد دکن ۱۹۶۲ء

[2] ایضاً

Marfat.com

"سلطان محمود نے نہ صرف فتح ممالک اور جمع اموال میں کمال حاصل کیا بلکہ علم وادب کی بھی سرپرستی کی اور اپنے دربار میں زمانہ بھر کے منتخب شعراء اور علماء وفضلاء جمع کردیئے۔" ؎۱

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجدؒ یا ان کے ماموں حضرت تاج الاولیاء اس کے دربار سے وابستہ تھے کیونکہ اس دور کے صوفیہ کرام شاہی درباروں سے عموماً دور ہی رہتے تھے البتہ یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ محمود غزنوی کے دور میں شہر غزنی کا ماحول علمی اور روحانی تھا۔ اسی لیے جب مخدوم سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد نے غزنی میں قیام کا فیصلہ کیا تو انہوں نے حالات کو سازگار ہی دیکھ کر فیصلہ فرمایا تھا اگر حضرت کی ولادت ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ میں مانی جائے تو اس کے مطابق آپ کی ولادت محمود غزنوی کے عہد حکومت میں ہوئی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے محمود غزنوی کے زمانے میں غزنی بڑا ترقی یافتہ شہر اور علوم ومعارف کا مرکز تھا لہٰذا دارا شکوہ کی بات درست ہے کہ "شہر غزنی میں جلاب اور ہجویر دو محلے تھے۔" حضرتؒ کی والدہ ہجویر کی رہنے والی تھیں اور والد ماجد جلاب کے۔ غالباً والد کی وفات کے بعد آپ مستقلاً ننھیال "ہجویر" میں مقیم ہو گئے اس لیے آپ "جلابی ثم الہجویری" لکھتے ہیں:

لقب آپ گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لقب کے بارے میں صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں:

"نقل است کہ وقتے خواجہ بزرگ معین الدین بعد حصول مقاصد و عطائے خلعت قطبیت ہند از مزار گوہر بارش حضرت شیخ

؎۱ آب کوثر: ۶۱ طبع لاہور

رخصت یافت بوقت روانگی روبروئے مرقد مقدس ایستادہ ایں
شعر بخواند۔ شعر

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

ازاں روز نام نامئ وے علی مخدوم سخی گنج بخش ہجویری مشہور شد ۔۔

ترجمہ: روایت ہے کہ خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ حصول مقاصد اور قطبیت ہند کا منصب پانے کے بعد جب حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار گوہر بار سے رخصت ہونے لگے تو مرقد مقدس کے سامنے کھڑے ہوکر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اسی وقت سے مخدوم سخی گنج بخش کے لقب سے مشہور ہوگئے۔
مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی یہی لکھا ہے[۱] اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے تاہم یہ لکھا ہے کہ بعض تذکروں (غالباً کشف الاسرار) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو یہ لقب آپ کی زندگی ہی میں دے دیا گیا تھا[۲] لیکن اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر آپ اپنی حیات ہی میں "گنج بخش" کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے تو آپ کے اولین تذکرہ نگار مثلاً مولانا جامی اور دارا شکوہ کو یہ لقب کیوں نہ معلوم ہو سکا؟ دوسری ایک اور بات

۱؎ ملاحظہ فرمائیں تصوف اسلام: ۴۹۔

۲؎ دینی وعلمی مقالات: ۲۲۲۔

Marfat.com

قابل غور ہے کہ حضرت مخدوم کے حالات حیات پانچویں چھٹی اور ساتویں صدی کے کسی معلوم تذکرے میں نہیں ملتے بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف (پنجاب یونیورسٹی)

"سب سے پہلے ان کا ذکر ہمیں شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ملتا ہے جو امیر حسن سجزی دہلوی نے کتاب فوائدالفواد کی صورت میں قلم بند کئے تھے۔

(فوائدالفواد مجلس ۲۹ ذوالعقدہ ۷۰۸ھ و مجلس ۱۵ ر محرم ۷۱۰ھ) [1]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور معتبر روایات سے ثابت ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے بھی مخدوم ہجویریؒ کے مزار مقدس پر چلہ کشی کی تھی۔ اگر "گنج بخش" کا لقب حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کی وجہ سے مشہور ہوا ہوتا تو لازماً اس لقب سے حضرت بابا صاحب اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمہما اللہ واقف رہے ہوں گے۔ اگر یہ حضرات واقف تھے تو پھر فوائدالفواد میں انہوں نے اس لقب کے ساتھ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ترجمہ کشف المحجوب (سید ابوالحسناتؒ قادری) کے مقدمہ میں جو یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ نے انہیں گنج بخش کہا قدیم تذکروں

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۹۱ ،۹۲۔

Marfat.com

اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی[1]
حکیم صاحب موصوف کی یہ بات کسی قدر دل کو لگتی ہے اگر کوئی حوالہ ہوتا تو بات اور مستحکم اور مدلل ہو جاتی۔

اگرچہ جناب ایم۔ اے مجید یزدانی نے اپنی کتاب گنج بخش بحیثیت عالم، میں بہت مفید علمی مواد پیش کیا ہے تاہم "لقب گنج بخش" کے سلسلہ میں بحیثیت دلیل کے خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے قول کو پیش کرنے کے بعد یہ فرمانا کہ "اگر گنج بخش کو لقب (سابقاً معروف) قرار نہ دیا جائے تو پورے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا:

"خزانہ بخشنے والا، دنیا کو فیض پہنچانے والا، خدا کے نور کا مظہر،
ناقصوں کا پیر کاملوں کی رہنمائی کرنے والا"

یہ صفات کس موصوف سے متعلق ہیں اس میں پہلی دو لفظی تراکیب (گنج بخش) لقب کے طور پر استعمال ہوئی ہیں اس صورت میں شعر بامعنی ہو جاتا ہے۔
محترم یزدانی صاحب غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی تشریف آوری سے پہلے ہی یہ لقب معروف ہو چکا تھا۔
یزدانی صاحب کی یہ دلیل اصول بلاغت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بلاغت کہتے ہی ہیں "کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونے کو" ظاہر ہے کہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اکتساب فیض کی خاطر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کشی فرمائی۔ اور یقیناً مالا مال ہوئے ہوں گے اب اگر وہ مزار کے سامنے کھڑے ہو کر یہ فرما رہے ہیں کہ "گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا" تو مقتضائے حال خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ لقب کس کو دیا جا رہا ہے۔ ایسی

---

[1] مقدمہ ترجمہ کشف المحجوب: ۴۲: طبع لاہور

Marfat.com

حالت میں خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کا "گنج بخش" لقب کو استعمال کرنا عین بلاغت ہے۔ یہاں موصوف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

خیر یہ تو علمی و تحقیقی مباحث ہیں کہ حضرت ہجویریؒ کی حیات میں آپ کو گنج بخشؒ کا لقب ملا یا خواجہ بزرگ نے بارش انوار سے نہال ہو کر یہ لقب دیا اس موضوع پر بحثیں ہوتی رہیں گی۔ اور ہونی بھی چاہئیں کہ تحقیق و تدقیق کا تقاضا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ "گنج بخش" کا لقب آپ کو سجتا ہے آپ نے پوری زندگی علم و معرفت کا خزانہ ہی تو تقسیم فرمایا آپ نے "کشف المحجوب" جیسا علمی خزانہ اپنے مابعد کے لئے چھوڑا ہے جسے بجا طور پر تصوف کا دستور العمل کہا جا سکتا ہے۔ اہل باطن جو کچھ پاتے اور جانتے ہیں انہیں ظاہری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ پانے والوں کو بتلانے کی اجازت ہوتی ہے۔

ؔ مصلحت نیست کہ از پردہ، بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

اس راز کو راز ہی رہنے دیجیئے۔

ؔ دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ امین۔

تیسری فصل

تحصیلِ علم

آپ کے تحصیل علم کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا بادی نے لکھا ہے۔

"استعداد علمی کی تفصیل کسی تذکرہ میں نظر سے نہیں گزری لیکن کشف المحجوب خود اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس کا مصنف علم باطن کے علاوہ

Marfat.com

علوم ظاہری پر بھی وسیع نظر رکھتا ہے"۔[۱]

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں:

"جامع بود میان علوم ظاہر و باطن"[۲]

(آپ علوم ظاہر و باطن دونوں کے جامع تھے) فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ میں لکھتے ہیں:

"آپ اولیائے متقدمین میں سے جامع علوم ظاہری و باطنی عابد زاہد متقی مظہر خوارق و کرامت اور حنفی المذہب تھے"۔[۳]

مولانا سید عبدالحی حسنی نے نزہتہ الخواطر میں آپ کی تعلیم کے بارے میں لکھا ہے:

"الشیخ الامام العالم الفقیہ الزاھد ابو الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی بضم الجیم و تشدید اللام وکسر الموحدۃ الھجویری الغزنوی ثم اللاھوری کان من الرجال المعروفین بالعلم والمعرفۃ اخذ عن الشیخ ابی الفضل محمد بن الحسن الختلی وصحبہ مدۃ من الزمان ثم ساح معظم المعمورۃ وحج وزار ولازم الشیخ ابا العباس احمد بن محمد الاشقانی واخذ عنہ بعض العلوم واخذ

---

[۱] تصوف اسلام ۸۱ ۔

[۲] خزینۃ الاصفیا ۲۳۲ ۔

[۳] حدائق الحنفیہ: ۲۲۳ ۔

عن الشیخ ابی القاسم عبد الکریم بن ھوازن القشیری والشیخ ابی سعید بن ابی الخیر المھنوی وابی علی الفضل بن محمد الفارمدی وخلق اٰخرین من العلماء والمحدثین و لازمھم مدۃ ثم قدم الھند وسکن بمدینۃ لاھور[1]

ترجمہ: شیخ امام، عالم، فقیہ، زاہد، ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی (جیم کے ضمہ لام کی تشدید اور با کے کسرہ کے ساتھ) ہجویری غزنوی ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے ہیں جو علم و معرفت کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ آپ نے طریقہ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی سے اخذ کیا اور کافی عرصے تک ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے پھر سیر و سیاحت میں مشغول ہوئے اور اچھے خاصے علاقے کی سیاحت کی پھر حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ آپ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی کی صحبت میں رہے اور ان سے بعض علوم حاصل کیے۔ اور شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید بن ابی الخیر مہنوی، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی اور بہت سے علماء اور محدثین کی خدمت میں مدتوں حاضر رہ کر علوم حاصل کرتے رہے اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور شہر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی۔

مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خود کشف المحجوب میں اپنے چند اساتذہ کا تذکرہ فرمایا ہے حضرت ابوالعباس بن محمد اشقانی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اپنے عہد کے امام یکتا اور راہ طریقت میں یگانہ تھے علم اصول و فروع میں امام اور بلند معانی کے حامل بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور رندات

---

[1] نزہۃ الخواطر: ۱: ۶۶، ۶۷

Marfat.com

خود اجلہ اہل تصوف میں تھے۔ اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے ان کی عبارت مغلق ہوتی تھی۔ جاہلوں کے ایک گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں وہ پراگندہ ہوتی تھیں مجھے ان سے بڑا انس تھا اور وہ بھی میرے اوپر سچی شفقت فرماتے تھے۔ بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے جب تک میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا وہ تمام موجودات سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ امام محقق کے سوا کسی کو ان سے فائدہ نہ پہنچتا تھا۔ علم اصول میں ان کی عبارت دقیق ہوتی تھی ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا اور عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی وہ ہمیشہ جوش میں آکر فرماتے :"

"اشتھی عدما لا وجود لہ" (میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کے لئے وجود نہ ہو) اور فارسی میں فرماتے :

"ہر آدمی را بالسیت محال باشد مرا نیز بالسیتی محال است کہ بہ یقیں دانم کہ آں باشد" مطلب یہ کہ خدا مجھے اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو"

متقامات و کرامات محض حجاب و آزمائش ہیں آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو۔ دیدار کی آرزو حجابات کے آرام سے بہتر ہے۔ صرف حق جل و علا کی ہستی ہے کہ اس کے لئے عدم نہیں ہے۔ اگر میں ایسا نیست ہو جاؤں کہ پھر ہست نہ ہو تو اس کی بادشاہت میں کیا نقصان ہو جائے گا اور یہی صحت فنا کا اصلی مقام ہے[1]

---

[1] کشف المحجوب: ۱۵۱

Marfat.com

حضرت ہجویریؒ نے شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور جگہ ذکر فرمایا ہے جس کا حوالہ نفحات الانس میں مولانا جامی نے بھی دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ایک دن میں شیخ اشقانی کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہہ رہے ہیں ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ[1] (یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) اور روتے ہیں اور پھر نعرہ لگاتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اے شیخ! یہ کیا حال ہے تو ارشاد فرمایا کہ "گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]

حضرت نے کشف المحجوب میں اپنے ایک استاذ شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا بھی تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"از رؤساء متصوفہ بود و زبانے نیکو داشت اندر تحقیق و میلے عظیم داشت بحسین بن منصور و بعضے از تصانیف دے برخواندم"[3]

ترجمہ: وہ رؤسائے صوفیہ میں تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی۔ حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے۔ میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ فرمایا۔ چنانچہ کشف المحجوب میں ان کا تذکرہ لفظ "استاد"

---

[1] القرآن: النحل: ۷۵

[2] کشف المحجوب بتقدمہ ژوکوفسکی ص ۱۳ ۵ طبع تہران و نفحات الانس: ص ۲۱۰-

[3] کشف المحجوب: طبع لاہور: ص ۴ ۱۵ د اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۹۷۸ء

Marfat.com

سے فرمایا ہے۔ اور ان کے علم و تصانیف کی تعریف کی ہے۔

"ومنہم استاد امام وزین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمان خود بدیع بود و قدرش رفیع و منزلت بزرگ و معلوم است اہل زمانہ را از روزگار وا انواع فضلش اندر ہر فن وے را لطائف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق و خداوند تعالیٰ حال و زبان اورا از حشو محفوظ گردانیده بود[1]"

ترجمہ: اور ان ہی میں سے استاد و امام زینت اسلام ابوالقاسم حضرت عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اپنے دور کے بے مثال اور نادر روزگار لوگوں میں تھے۔ ان کی عزت بلند اور مرتبہ رفیع تھا۔ ان کی بزرگی اور جلالت شان کا زمانہ معترف ہے۔ وہ ہر فن میں خاص فضیلت کے مالک تھے۔ ان کے لطائف و نکات بہت ہیں۔ اور بہت سی تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو بے کار باتوں سے محفوظ فرمادیا ہے۔

آگے چل کر آپ نے صوفی کے بارے میں ان کا ایک کلمہ پراز حکمت نقل فرمایا ہے کہ:

مثل الصوفی کعلة البرسام اولہٗ ھذیان وآخرہٗ سکوت فاذا تمکنت خرست[2]

ترجمہ: صوفی کی مثال برسام کے مریض کی سی ہے کہ ابتدا میں اس کی ہذیانی کیفیت ہوتی ہے اور آخر میں جا کر خاموش۔ جب اس کو تمکن و رسوخ حاصل ہو

---

[1] کشف المحجوب طبع لاہور: ۱۵۰۔

[2] " " " " ۱۵۰-۱۵۱۔

Marfat.com

جاتا ہے تو پھر گونگا ہو جاتا ہے۔

دکاں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد (از مؤلف)

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے چنانچہ ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ "ان سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی۔

"ومنہم قطب زمانہ واندر زمان خود یگانہ ابوالقاسم علی بن عبداللہ الگرگانی رضی اللہ عنہ دے را ابتدا نیکو وقوی بود ست و اسفارے سخت بشرط معاملت و اندر وقت خود بے نظیر و اندر زمانہ بے بدیل[1]

ترجمہ: اور ان ہی میں قطب زمانہ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اپنے وقت میں عارف بے نظیر اور اپنے زمانے میں بے مثال صوفی گزرے ہیں۔ آپ کا ابتدائی دور بھی بڑا پاکیزہ گزرا۔ اور مجاہدے کے لیے آپ نے جو سفر اختیار فرمائے وہ بہت کامیاب ہوئے۔

پھر حضرت نے خود اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے:

"ایک دن میں حضرت گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا اور جو لطائف میرے اوپر منکشف ہوئے تھے میں ان سے عرض کر رہا تھا تاکہ ان کی ہدایات کے بموجب اپنے احوال درست کروں اس لئے کہ آپ ناقد وقت تھے۔ حضرت میرا حال بہت ادب و احترام سے سن رہے تھے۔ میرا لڑکپن اور جوش جوانی اپنے حال کے بیان پر حریص بنا رہا تھا۔ عین اسی حالت میں میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جو لطائف میرے اوپر گزرے ہیں شاید اس قدر لطائف اس مرد

---

[1] کشف: ۱۵۲: طبع لاہور

بزرگ پر نہیں گزرے یہی وجہ ہے کہ یہ اتنے غور اور احترام سے میرے احوال سن رہے ہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ کشف میرے اس خیال پر مطلع ہو گئے اور فرمایا: جان پدر! میری یہ فروتنی اور احترام صرف تیرے لئے نہیں ہے بلکہ میں تو ہر مبتدی سے جو اپنا حال بیان کرتا ہے اسی احترام سے اس کے احوال سنتا ہوں جب میں نے آپ سے یہ بات سنی تو میں خاموش ہو گیا۔ انہیں میری باطنی کیفیت کا اندازہ ہو گیا۔ فرمایا جان پدر! انسان کو طریقت میں اس سے زیادہ نسبت نہیں ہوتی کہ جب وہ اس طریق کو اختیار کر لیتا ہے تو پھر دوسری طرف رجوع نہیں کرتا اور جب وہ معزول ہو جاتا ہے تو اسی تصور کو یاد کرتا رہتا ہے"۔ ؎۱

آگے چل کر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مرا با وے اسرار بسیار بود اگر باظہار آیات وے مشغول گردم از مقصود باز مانم"۔

ترجمہ: میرے اور ان کے درمیان (طریقت) کے بہت سے راز و نیاز تھے، اگر میں انہیں بیان کرنے میں لگ جاؤں تو اصل مقصود سے رہ جاؤں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و تالیفات سے بھی مستفید ہوئے۔ بالخصوص ان کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ نے فرمایا:

شیخ المشائخ ابو سعید رحمۃ اللہ گفت کہ "ما را بدرگاہ از راہ بندگی بردند و خواجہ مظفر را از راہ خواجگی یعنی ما بمجاہدت مشاہدت یافتیم و وے از مشاہدات بمجاہدت آمد"۔

؎۱ کشف المحجوب: ۱۶۲

Marfat.com

ترجمہ: شیخ المشائخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمیں بندگی کے ذریعہ راہ طریقت ملی لیکن خواجہ مظفر کو یہ راہ خواجگی کے ذریعہ میسر ہوئی یعنی ہم نے مشاہدہ مجاہدہ کے ذریعہ حاصل کیا اور حضرت خواجہ مظفر مشاہدے سے مجاہدے کی طرف آئے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعلیم اور صحبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک دن میں ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں پریشان بالوں اور پسینے میں شرابور کپڑوں کے ساتھ پہنچا انہوں نے مجھے دیکھ کر دریافت فرمایا ابوالحسن! کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔" سماع "اسی وقت آپ کے حکم سے قوال حاضر ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ایک جماعت اہل عشرت کی بھی آگئی۔

جب سماع شروع ہوا تو مجھ پر بڑی بے قراری طاری رہی۔ اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا تو آپ نے پوچھا" سماع کا مزا کیسا رہا؟ میں نے عرض کیا: شیخ میرے لئے تو بہت اچھا رہا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تیرے لیے یکساں ہو جائے گی سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہو جاتا جب مشاہدہ ہو جائے گا یہ شوق سماع جاتا رہے گا خیال رکھنا اس سماع کی عادت نہ ڈال لینا اور کہیں یہ طبیعت ثانیہ بن کر تجھے مشاہدے سے محجوب نہ کر دے [1]

صوفیائے متاخرین میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالعباس

---

[1] کشف المحجوب: ۱۵۳۔

Marfat.com

احمد بن قصاب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علمی استفادہ فرمایا حالانکہ حضرت احمد بن قصاب خود اُمی تھے ۔ مگر اس علم وہبی کو کیا کیجیے کہ امام طبرستان حضرت ابو عبد اللہ خیاط فرماتے ہیں :

" اگر مجھے اصول طریقت یا دقائق توحید میں کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو میں ابو العباس احمد سے پوچھ کر حل کر لیتا ہوں "

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں آگے چل کر لکھا ہے :

" اُمی بود اما کلام و نکتش سخت سامی بود اندر علم تصوف و اصول ۔ از ابتداء وانتہا عالی و نیکو سیرت بود و مرا از وے سماع بسیار است اما مذہب من اندریں کتاب اختصار است " ۔[1]

ترجمہ : آپ اُمی تھے (یعنی مروجہ علوم آپ نے حاصل نہیں کئے تھے) مگر علم تصوف اور اصول تصوف میں آپ کا کلام اور آپ کے بیان کردہ نکات نہایت بلند پایہ ہوتے تھے آپ از ابتدا تا انتہا بلند مرتبہ اور نیک سیرت تھے ۔ میں نے ان سے بہت باتیں سنی اور سیکھی ہیں (میں انہیں بیان کرتا مگر) اس کتاب میں میرا طرز اختصار ہے ۔

یہ تو وہ اساتذہ ہیں جن کا ذکر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قدر واضح الفاظ میں فرمایا ہے ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ ہوں گے جن سے حضرت نے استفادہ علمی کیا ہوگا ۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] کشف المحجوب ۱۴۶ ۔

Marfat.com

چوتھی فصل

باطنی تعلیم

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ بیعت جنیدی ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں:

"سلسلۂ عالیہ وے بسہ واسطہ بشیخ شبلی بدیں طریق می رسد کہ پیر روشن ضمیر وے مرید شیخ حصری و وے مرید شیخ ابوبکر شبلی بود"[1]

ترجمہ: آپ کا سلسلۂ عالیہ تین واسطوں سے شیخ شبلی تک پہنچتا ہے بہ ایں طور کہ آپ کے پیر روشن ضمیر شیخ حصری کے مرید اور وہ شیخ ابوبکر شبلی کے مرید تھے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے کہ شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بھی آپ نے دیگر مشائخ مثلاً حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی، شیخ ابوسعید ابوالخیر اور ابوالقاسم قشیری رحمہم اللہ جیسے مشائخ کی صحبت پائی اور بہت سے روحانی فوائد حاصل کئے[2]

---

[1] خزینۃ الاصفیاء: ۲۳۲

[2] ایضاً

Marfat.com

اس اعتبار سے آپ کا سلسلۂ بیعت یہ ہوگا:

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داود طائی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

زوکوفسکی نے اپنے مقدمہ میں جنیدیہ طریق کے بارے میں لکھا ہے:

"این طریقت نقطۂ مقابل مکتب بایزید بسطامی وطیفوریان است که مبلغ سکر بود درصورتیکه "صحو" را فضل می نهاد بر سکر۔" [1]

ترجمہ: جنیدیہ طریقہ طیفوریوں اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب فکر کے مقابلے میں ہے کہ وہ سکر کی تبلیغ کرتے تھے اور جنیدیہ "صحو" کو سکر پر فضیلت دیتے تھے۔

حضرت ختلی فرمایا کرتے کہ:

"سکر تو اطفال طریقت کی بازی گاہ ہے اور صحو فنا گاہ مرداں ہے" [2]

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب طبع تہران: ۳۸۔

[2] ایضاً۔

Marfat.com

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر طریقت شیخ ابوالفضل ختلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اور انہی اولیاء میں زینت اوتاد حضرت شیخ عباد ابوالفضل حسن بن محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں طریقت میں میری پیروی اور اقتدا ان کے ساتھ ہے وہ علم تفسیر وحدیث کے زبردست عالم تھے اور طریقت میں مسلک جنید رکھتے تھے۔ آپ حضرت حصری کے مرید اور ان کے راز دار تھے۔ حضرت ابوعمرو قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے ساٹھ سال عزلت میں گزار کر مخلوق سے گمنام ہو چکے تھے آپ کا قیام زیادہ تر جبل لکام میں رہا۔ طویل عمر پائی آپ کی آیات وبراہین ولایت بہت ہیں مگر آپ صوفیانہ لباس اور رسم ورواج نہیں رکھتے تھے اور رسمی چیزوں کے سخت خلاف تھے میں نے اس اللہ والے سے بڑھ کر کسی کو بارعب نہیں دیکھا آپ کو میں نے یہ ارشاد فرماتے سنا کہ:

الدنیا یوم ولنا فیہ صوم

ترجمہ: دنیا کی زندگی ایک دن کے مثل ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔ یعنی اس دنیا سے ہم نے کوئی حصہ نہیں لیا اور ہم اس کے جال میں نہیں پھنسے اس لئے کہ اس دنیا کی آفتیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں اور ہم اس کے حجابات سے واقف ہیں۔ ایک دن میں انہیں وضو کراتے ہوئے ان کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا کہ میرے دل میں خطرہ گزرا کہ جب تمام نظام عالم اور دنیوی کاروبار قسمت پر مبنی ہے تو کس لئے اچھے خاصے لوگ کرامت اور فیض کی امید میں خود کو پیروں کا غلام بنا لیتے ہیں؟ (میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ)

Marfat.com

حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیٹے! جو خیال تمہارے دل میں گزر رہا ہے مجھے معلوم ہے یاد رکھو کہ قضا و قدر کے ہر حکم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب مقرر کر رکھے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ سپاہی زادے کو تاج معرفت اور مملکت عشق کی حکمرانی بخشے تو اسے توبہ کی توفیق دے کر اپنے کسی مقرب بندے کی خدمت میں مشغول فرما دیتا ہے تاکہ وہ خدمت گزاری اس کی عزت و کرامت کے لئے سبب بنے یہ اور اس قسم کے بہت سے لطائف ہر روز میرے اوپر ظاہر ہوتے رہتے تھے [1]

ان کی وفات کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"حضرت اپنی وفات کے دن بیت الجن میں تھے یہ ایک گاؤں دمشق اور بانیار کے درمیان ایک گھاٹی پر واقع ہے آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا اس زمانے میں میرا دل اپنے ایک پیر بھائی سے رنجیدہ تھا اور عام طور پر ایسا ہوا کرتا ہے۔ حضرت مجھ سے فرمانے لگے بیٹا! میں تمہیں ایک عقیدہ بتلاتا ہوں اگر تم اس پر جم گئے تو دنیا کے ہر غم و اندوہ سے آزاد ہو جاؤ گے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز سے نفرت نہ کریں اور کسی کی طرف سے اپنے دل کو رنج نہ رکھیں اس وصیت کے بعد اور کچھ نہیں فرمایا اور آپ کا وصال ہو گیا۔ [2]

---

[1] کشف المحجوب طبع ایران - ۲۰۸

[2] ایضاً۔

Marfat.com

الحصری البصری

شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری البصری حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت الختلیؒ کے شیخ ہیں۔ کشف المحجوب میں آپ کے بارے میں حضرت ہجویری لکھتے ہیں:

"حضرت حصری اکابر ائمہ صوفیہ اور آزاد گان درگاہ ربانی کے ذی حشم لوگوں میں تھے۔ اپنے عہد میں بے نظیر تھے آپ کے کلام میں بلند معانی پائے جاتے تھے آپ فرماتے تھے:

"مجھے میری بلا میں چھوڑ دو۔ بتاؤ تم کیا ہو؟ کیا تم سب اولاد آدم نہیں ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اس میں نفخ روح کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ انہیں سجدہ کرو۔ پھر آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا گیا جس کی انہوں نے خلاف ورزی کی پھر جب پہلے ہی خم میں تم تلچھٹ ثابت ہوئے تو بتاؤ کہ اختتام میں کیا ہوگا یعنی آدمی کو اگر اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حکم الٰہی کی مخالفت ہی تو کرے گا البتہ جب وہ اپنی رحمت و عنایت اس پر نازل کرتا ہے تو آدمی محبت الٰہی میں اپنی عمر گزارنے کے سوا کچھ نہ پسند کرے گا۔[1]

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الحصری جن کا ابھی تذکرہ ہوا ہے وہ حضرت ابوبکر شبلیؒ کے خلیفہ ہیں۔

---

[1] کشف المحجوب ۴۵۱ طبع لاہور ۱۹۶۸ء۔

Marfat.com

اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ طریقت ان ہی کے واسطے سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا ہے۔ اس لئے کشف المحجوب کے حوالہ سے حضرت ابوبکر شبلی کا مختصراً ذکر درج کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کرام حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے کسی درجے میں متعارف ہو جائیں۔

کشف المحجوب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"حضرت ابوبکر دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ اکابر مشائخ میں گزر رہے ہیں بڑے خوش وقت تھے کسی (ابوالفضل جعفر بن یحییٰ بن خالد برمکی) نے کہا ہے:"

ثلاثۃ من عجائبات الدنیا اشارات الشبلی ونکت المرتعش وحکایات جعفر۔

ترجمہ: تین چیزیں عجائبات عالم میں سے ہیں۔ شبلی کے اشارات مرتعش کے نکات اور جعفر کی حکایات۔

آپ قوم کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ شبلی کا شمار سادات طریقت میں ہوتا ہے۔ ابتداء میں آپ دربار خلافت میں حاجب تھے۔ خیر النساج رح کی مجلس میں آپ نے توبہ کی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے طریقت کا تعلق قائم کیا۔ آپ نے بہت سے مشائخ کا دیدار کیا اور ان کی صحبت میں فیض یاب ہوئے۔ آیت کریمہ

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔

ترجمہ: آپ مومنوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ابصار الرؤس عن المحارم وابصار القلوب عما سوی اللہ۔

ترجمہ: یعنی سر کی آنکھوں کو نامحرم پر نگاہ ڈالنے سے بچائیں اور دل کی آنکھوں کو ماسوی اللہ سے محفوظ رکھیں۔ آپ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دن آپ بازار میں جا رہے تھے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ "ہذا مجنون" (یہ پاگل ہیں) تو آپ نے فرمایا

انا عندکم مجنون وانتم عندی اصحاء فزادنی اللہ فی جنونی وزاد فی صحتکم۔

(میں تمہارے نزدیک پاگل ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار دنیوی مفادات کمانے کے اعتبار سے) پس میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے جنون میں اور تمہاری ہوشیاری میں اضافہ کردے" آپ نے یہ جملہ غیرت کی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو جنون اور عشق الٰہی میں فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔[1]

پانچویں فصل

سیر و سیاحت

تہذیب نفس، مجاہدہ، اور معرفت کے حصول کے سلسلے میں دیگر اسباب و وسائل کے علاوہ عجائبات قدرت کے مشاہدے سیر و سیاحت بھی بہت مفید ہے اسی لیے قرآن کریم میں براہ راست سولہ مقامات پر زمین میں گھومنے پھرنے، آیات خداوندی کو ملاحظہ کرنے، ان پر غور و فکر کرنے اور قوموں کے عروج و زوال کو بچشم خود دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیگر مقامات پر براہ راست تو حکم نہیں دیا گیا البتہ سیر و سیاحت کی افادیت کو بیان کر کے اس پر ابھارا گیا ہے۔

---

[1] کشف المحجوب: ۱۴۸ طبع لاہور

Marfat.com

چنانچہ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ [1]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔

سورۃ النمل میں ارشاد ہوا:

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ [2]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا کیا حشر ہوا؟

قرآن حکیم کے ان ہی احکام کے تحت صوفیائے سابقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ ضروری ریاضتیں کسی سالک سے کرا لیتے اور یہ محسوس کرتے کہ اس کا نفس اب مزکیٰ ہو چکا ہے تو مزید تربیت کے لیے سیر و سیاحت کا حکم دیتے تھے سفر میں انسان بہت سے مراحل سے گزرتا ہے۔ مختلف اقوام و طبائع انسانی کے اختلافات اسے نظر آتے ہیں اور اسے انسان کے باطن میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح انسان اس قابل بن جاتا ہے کہ مسند مشیخت پر بیٹھے اور اللہ کے بندوں کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے راستے دکھائے۔

چنانچہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ سیاحت میں گزارا۔ اور اپنے دور کے اکابر صوفیہ رحمہم اللہ کی زیارت کی، ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ روحانی کسب کمال کے لیے آپ نے تقریباً تمام اسلامی ممالک مثلاً شام۔ عراق۔ بغداد۔ پارس۔ قہستان۔ آذربائیجان۔ طبرستان۔ خوزستان کرمان۔ خراسان۔ طوس۔ ماوراء النہر۔ ترکستان اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ اور ان

---

[1] الانعام: ۱۱

[2] النمل: ۶۹

مقامات میں مقیم اولیائے عظام کی روح پر در صحبتوں سے مالامال ہوئے۔ اکیلے خراسان میں آپ نے تین سو مشائخ سے ملاقات کی جن میں شیخ القاسم سرسیؒ۔ شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہؒ، شیخ ابواسحاق شہریار، شیخ محمد زکی بن العلاء۔ شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد بن، شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسن السیرکانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی۔ خواجہ رشید مظفر بن شیخ سعیدؒ، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ احمد بخار رحمہم اللہ سے خاص طور پر آپ متاثر ہوئے۔

سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے آپ نے جو عجیب و غریب مجاہدے کئے کشف المحجوب میں بعض مقامات پر آپ نے انہیں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا کہ:

"میں ایک مرتبہ شیخ ابویزید کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا۔ ہر روز وضو اور غسل کر کے بیٹھتا مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک مرتبہ اسی مقام پر حاصل ہو چکا تھا آخر کار میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی جماعت نظر آئی۔ میں اس جماعت کی نظر میں بہت حقیر معلوم ہوا اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں ان میں سے نہیں تھا۔ انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا اور خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے کھانے کے وقت مجھے سوکھی (پھپھوندی لگی ہوئی) روٹی دی اور خود بہت اچھا کھانا کھایا کھانے کے بعد وہ لوگ خربوزہ کھانے لگے اور از راہ تمسخر خربوزے کا چھلکا میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز و تعریض کی باتیں کرتے تھے مگر وہ جتنا میرے اوپر طنز کرتے میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔

Marfat.com

یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے مجھے وہ کشف حاصل ہو گیا جو تین مہینے کی کوششوں کے باوجود مجھے حاصل نہ ہو سکا تھا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے ہاں کیوں رکھتے تھے" [1]

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ میں شام میں حضرت بلال مؤذن رضؓ کے روضے کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی گود میں لئے ہوئے ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لیتا ہے میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے۔ اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا۔ اور فرمایا: "یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی "ابو حنیفہ" اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں مگر احکام شرعی کے لئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر علیہ السلام ہیں" [2]

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ عراق میں تھے تو بقول خود ان کا حال یہ تھا کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے۔ جو آدمی بھی ضرورت مند ہوتا ان کی طرف رجوع کرتا ایسے ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے میں نوبت باین جا رسید کہ آپ مقروض ہو گئے اس وقت ایک شخص نے انہیں لکھ بھیجا کہ:

"اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا سے دور نہ ہو جاؤ

---

[1] کشف المحجوب: ۷۷، طبع ایران

[2] ایضاً: ۱۱۶

Marfat.com

اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے اگر کوئی شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو تمام لوگوں کے لیے اپنے دل کو پریشان نہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔"

اس پند و موعظت سے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو قلبی سکون نصیب ہوا اور آپ نے کشف المحجوب میں اس بات کی تعلیم بھی دی چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے۔ [1]

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ چالیس سال مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی بھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور نہ کبھی جمعہ چھوڑا۔ ہمیشہ جمعہ کسی نہ کسی قصبے میں ادا فرماتے تھے:

"عبادت ہر جا کہ می خواہی می کن و مشائخ رحمہم اللہ علیہم حق ادب آں نگاہ داشتہ اند و مریداں رابداں فرمودہ اندیکے می گوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم و ہیچ نمازم از جماعت خالی بنود و ہر آدینہ بقصبۂ بودم" [2]

ترجمہ: تو جہاں بھی چاہے عبادت کر مشائخ رحمہم اللہ آداب عبادت کا ہر حال میں لحاظ رکھتے تھے اور اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیتے تھے مشائخ رحمہم اللہ میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ وہ چالیس برس تک سفر میں رہے لیکن کبھی ان کی نماز جماعت سے قضا نہ ہوئی اور کبھی جمعہ بھی قضا نہ ہوا۔

---

[1] کشف المحجوب: ۴۹۴، طبع ایران۔

[2] ؍؍ ؍؍ : ۲۶۶، طبع لاہور ۱۹۷۸ء۔

سید صباح الدین صاحب بزمِ صوفیہ کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر جس شیخ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد خود ان کی ذات ہے صباح الدین صاحب کا یہ خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ریا سے بچنے کے لیے اپنے احوال و عبادات کو چھپایا کرتے تھے۔

ژوکوفسکی نے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی سیاحت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

جلابی را کمال عقیدت و تکامل طریقت پس از طی طرق بسیار و سیر در آفاق و انفس و انجام سفر ہائے دور و دراز در اکناف و اقطار جہاں دست داد او مدتہائے تمادی در خدمت اعاظم شیوخ صوفیہ عصر و پیشوایان مختلف و متعدد تصوف باکتساب معرفت پرداخت از ہر خرمنے خوشہ ای چید و از گلے بدست آورد تا بالآخر در آموزش تعالیم صوفیہ بکمال رسید[1]

ترجمہ: جلابی کو عقیدے اور طریقت میں کمال، بہت سے راستے طے کرنے، آفاق و انفس میں سفر کرنے اور اقطار جہاں میں دور دراز علاقوں میں پھرنے کے بعد حاصل ہوا۔ وہ مدت مدید تک اپنے زمانے کے اکابر شیوخ صوفیہ اور مختلف و متعدد پیشوایان تصوف کی خدمت میں حاضر رہ کر اکتساب معرفت کرتے رہے انہوں نے ہر خرمن سے خوشہ چنا اور ہر باغ سے پھول اٹھایا۔ یہاں تک کہ صوفیہ کی تعلیمات کے سلسلے میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔

"ژوکوفسکی آگے چل کر لکھتا ہے،

"ماوراء النہر اور آذربائیجان کے علاقے میں اپنے شیخ کی خدمت میں

---

[1] مقدمہ مصحح کشف المحجوب، ۴۰ طبع ایران۔

Marfat.com

رہے پھر بسطام میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایک واقعہ کے کشف کے سلسلے میں تین ماہ تک مجاور بنے رہے۔ اسی طرح خراسان کے گاؤں کمش میں پھٹے پرانے کپڑے میں تشریف لے گئے اور ایک خانقاہ کے وابستگان نے آپ سے تمسخر کیا اسی طرح کمند کے علاقے میں آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام ادیب کمندی تھا۔ وہ بڑا صاحب فضیلت تھا یہ شخص بیس سال سے کھڑا تھا صرف نماز میں تشہد میں بیٹھتا تھا حضرت ہجویری نے اس سے کھڑے رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ مشاہدہ حق میں میں ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا ہوں کہ اس کے سامنے بیٹھوں"[1]

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور، سرخس، طوس اور دیار ہند کا بھی سفر فرمایا[2]

رملہ نامی گاؤں میں ایک درویش ابن المعلا نامی مقیم تھے حضرت ان کی ملاقات کے لیے دمشق سے تشریف لے گئے[3]

اسی طرح آپ میہنہ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے وہاں کا واقعہ آپ نے لکھا ہے کہ:

"میں ان کے مزار کے پاس تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک سفید کبوتر کو دیکھا کہ وہ آیا اور اس چادر کے اندر داخل ہو گیا جو ان کے مزار

---

[1] ژوکوفسکی، مقدمہ: ۲۰ طبع ایران۔

[2] حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں کشف المحجوب، ۳۱۳ - ۲۸۷ - ۳۰۱ (طبع ایران)

[3] ایضاً، ۴۸۱۔

Marfat.com

پڑی ہوئی تھی میں نے خیال کیا کہ یہ کبوتر کسے تلاش کر رہا ہے میں جب اٹھنے لگا تو چادر اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے کچھ نہ تھا میں نے دوسرے دن بھی یہی دیکھا اور سخت تعجب میں پڑ گیا کہ (آخر وہ کبوتر غائب کہاں ہو جاتا ہے) بالآخر رات کو خواب میں حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "وہ کبوتر در اصل میرے معاملات کی صفائی ہے جو ہر روز میری مصاحبت کے لیے آتی ہے"۔[1]

اسی طرح سفر عراق کے دوران فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ابو جعفر صید لانی کو دیکھا ان کے عراق میں تقریباً چار ہزار مرید ہیں۔ یہ لوگ خود کو حلاجی کہتے ہیں۔ یہ سب لوگ فارس پر لعنت بھیجتے ہیں اور ابو حلمان دمشقی کی کتابوں میں جو ان کی تصنیف ہیں تحقیق کے سوا حشو و زائد نہیں ہے میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور ابو حلمان کون تھے اور کیا کہتے تھے البتہ جو شخص ان باتوں کا قائل ہو گا جو توحید کے خلاف ہوں اسے دین سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے کہ جب دین کی اصل ہی مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی فرع ہے بدرجہ اولی خلل پذیر ہو گا"۔[2]

اسی طرح دوران سفر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بخارا میں ایک پیر کو دیکھا جو چالیس سال سے رات کو نہیں سوئے تھے۔ البتہ دن میں تھوڑی دیر کے

۱۔ کشف المحجوب: ۲۰۹ طبع ایران

۲۔ ” ” ” : ۲۳۴ طبع ایران

Marfat.com

کے لیے سو رہا کرتے تھے ان کا نام شیخ احمد سمرقندی تھا۔ [1]

سفر طوس اور حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے دوران حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ ان ہی کے الفاظ میں سنئے:

"وقتے مرا واقعہ افتاد و طریق حل آں بر من دشوار شد قصد شیخ ابوالقاسم گورگانی کردم و دے بطوس بود ویرا اندر مسجد بسرائے خود یافتم تنہا و بعین آں واقعہ بود کہ با ستونے می گفت گفتمش ایں با کہ میگوئی؟ گفت اے پسر! ایں ستون را خدائے عزوجل اندریں ساعت با من بسخن آورد تا از من سوال بکرد۔" [2]

ترجمہ: ایک مرتبہ مجھے ایک حال پیش آگیا اور اس کا حل میرے لیے دشوار ہو گیا میں نے سوچا کہ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اس کا حل دریافت کر لوں۔ حضرت گورگانی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت طوس میں تھے چنانچہ میں طوس روانہ ہو گیا جب میں وہاں پہنچا تو اس وقت آپ اپنی قیام گاہ کی مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے اور مسجد کے ایک ستون سے بعینہ وہی واقعہ (حال) بیان فرما رہے تھے جو میرا تھا۔ میں نے دریافت کیا "حضرت! آپ کس سے کلام فرما رہے ہیں فرمایا بیٹا! اللہ تعالیٰ نے اس ستون کو اس وقت مجھ سے کلام کرنے کی طاقت بخش دی تھی اور اس نے مجھ سے سوال کیا میں اسی کا جواب دے رہا تھا۔

---

[1] کشف المحجوب: ۳۴۴ طبع ایران۔

[2] ” ” : ۵۵ ” ”

طوس ہی کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

"شیخ ابوالقاسم گرگانی ہمان شخصیت معروف ومشہور است کہ درطوس باشیخ ابوسعید میہنی باہم بریک تخت نشستہ بودند وجمعے درویشاں پیش ایشاں ایستادہ بدل درویشے بگذشت کہ آیا منزلت ایں دو بزرگ چیست؟ شیخ ابوسعید حالے روئے براں درویش کرد و گفت" ہرکہ خواہد کہ دو بادشاہ بہم بیند بریک تخت وبریک دل گو درنگر" [1]

ترجمہ: شخصیت معروف ومشہور شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن ایک تخت پر حضرت ابوسعید میہنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اور درویشوں کی ایک جماعت ان کے سامنے کھڑی تھی کہ ایک درویش کے دل میں خیال آیا کہ ان دونوں بزرگوں کا مرتبہ کیا ہے؟ فوراً ہی شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس درویش کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ جو چاہتا ہے کہ دو بادشاہوں کو ایک ساتھ ایک تخت پر ہم دل ہو کر بیٹھا ہوا دیکھے اس سے کہو کہ آکر دیکھ لے۔

اپنے سفر مرو میں پیش آنے والے ایک واقعہ کے بارے میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وقتے من بمرد بودم یکے از ائمہ اہل حدیث آنکہ معروف ترین بود مرا گفت: من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام گفتم: بزرگ مصیبتے کہ اندر دین پدیدار آمد کہ خواجہ امام ہمہ لہوے راکہ اصل ہمہ فسقہا است حلال کرد۔ مرا گفت: تو اگر حلال نمیداری چرا می کنی؟ گفتم: حکم ایں بروجہست

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب ردکوفسکی: ۴۲

Marfat.com

بریک چیز قطع نتواں کرد اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال بود
واگر حرام حرام واگر مباح مباح چیزے راکہ ظاہرش فسقست واندر
باطن حالش بر وجوہست واطلاق آں بیک چیز محال محال واللہ
اعلم بالصواب"۔ [1]

ترجمہ: جس وقت کہ میں مرو میں تھا علمائے حدیث میں سے ایک امام نے جو اس علاقے میں بہت زیادہ مشہور تھا مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت کے سلسلے میں ایک کتاب لکھی ہے میں نے کہا دین میں ایک بہت بڑی مصیبت ظاہر ہوئی ہے کہ حضرت نے ایک ایسی چیز کو جو لہو و لعب اور سرتا سر فسق ہے حلال کر دیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ "اگر آپ اسے حلال نہیں سمجھتے تو کیوں سنتے ہیں؟ میں نے کہا کہ "اس کا حکم کئی طرز پر ہے محض ایک ہی انداز سے اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اگر سماع کی تاثیر دل میں حلال ہو تو سماع حلال ہے اگر حرام ہو تو سماع حرام ہے اور اگر مباح ہو تو سماع مباح ہے۔ ایسی چیز جس کا ظاہر فسق ہو اور بباطن اس کے کئی انداز ہوں اس کے بارے میں ایک مطلق حکم دیدینا محال چیز ہے۔

ماوراء النہر کے سفر و سیاحت کی باتیں بتلاتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"احمد حمادی سرخسی ماوراء النہر میں میرے رفیق تھے بڑے شاندار آدمی تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ آپ کو شادی کی حاجت نہیں ہے؟ فرمایا نہیں" لوگوں نے دریافت کیا "کیوں؟ جواب دیا کہ "

---

[1] کشف المحجوب: ۵۲۴ طبع ایران۔

Marfat.com

بعض وقت میں خود اپنے وجود سے غائب ہوتا ہوں یا پھر کبھی حاضر ہوتا ہوں سو جب میں غائب رہتا ہوں تو کونین کی کوئی چیز مجھے یاد نہیں رہتی اور جب میں حاضر ہوتا ہوں تو میرے نفس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس وقت اگر اسے ایک روٹی مل جائے تو سمجھتا ہے کہ اسے ہزاروں حوریں مل گئیں تو بھائی! دل کا شغل بڑا شغل ہے"[۱]

مختصر یہ کہ اپنے شیخ حضرت الختلیؒ سے تربیت حاصل کرنے اور فنائے نفس کے منازل طے کرنے کے بعد ہمارے ممدوح حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بقول ژوکوفسکی ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے رہے اور طویل سفر میں ہر گلستان طریقت و معرفت کی سیر فرمائی۔ ہر جگہ سے پھول اٹھایا۔ اپنے دور کے اکابر صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین سے ملاقات کی۔ ان سے فیض حاصل کیا اور پھر لطف یہ کہ چالیس سالہ دور مسافرت میں ایک وقت کی جماعت چھوٹی نہ کوئی جمعہ ناغہ ہوا۔ ایک ایسے زمانے کا سفر جس میں ریل گاڑی تھی نہ ہوائی جہاز نہ بس نہ موٹر کار۔ شیخ ہجویری نے تو کسی جانور کی سواری کو بھی اختیار نہ فرمایا کہ یہ سفر تفریحی سفر نہ تھا بلکہ قلب کو جلا بخشنے، زمین میں پھیلی ہوئی آیات قدرت کے مشاہدے اور نفس کے مجاہدے کے لیے یہ سفر تھا۔ زاد راہ میں سوائے ایک چمڑے کے لوٹے۔ ایک عصا اور مصلی کے کچھ نہ تھا تاکہ توکل کی شان برقرار رہے۔ شدائد بھی آئے اور مصائب بھی لیکن جب ایک مرتبہ طلب صداقت کی راہ میں قدم رکھ دیا تو پھر رکھ دیا پیچھے نہ ہٹے بڑھتے ہی چلے گئے۔ پیوند زدہ کپڑے جسم پر ہیں۔ بظاہر

---

[۱] کشف المحجوب ۲۶۰ ۷۴ طبع ایران۔

بے سروسامان ہیں لیکن پشت پر علیم و قدیر کا ہاتھ ہے۔ اور وہ ہر جگہ اپنے اس مقبول بندے کی نگرانی کر رہا ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے تقریباً تمام اسلامی مقبوضات میں پا پیادہ پھر رہے ہیں۔ نہ فکر و اندیشہ ہے اور نہ خوف و طمع۔

لحظہ بہ لحظہ اور لمحہ بہ لمحہ چشم مشاہدہ میں گہرائی اور گیرائی بڑھتی جا رہی ہے کہیں دوران سفر آپ سے تمسخر کیا جا رہا ہے مگر بجائے ناراض ہونے کے آپ خوش ہو رہے ہیں اور نفس کی اس تذلیل کی بدولت وہ کشف حاصل ہو جاتا ہے جو سلطان العارفین سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر تین ماہ تک مسلسل مجاوری اختیار کرنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ تعلیم، تربیت اور سفر و صحبت نے سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو کبریت احمر بنا دیا۔ اور اب وہ وقت قریب آن پہنچا کہ وہ پارس پتھر کی طرح لوہے کو ایک لمحے کے مساس سے سونا بنا دیں اور کفر و ضلالت اور نفاق و فسق کی وادیوں میں بھٹکنے والے انسانیت کے طبقات آپ سے اکتساب فیض کریں۔ یہی عادت الٰہیہ ہے کہ جسے مسند ارشاد پر بٹھلانا چاہتا ہے اس کی آزمائشوں اور ابتلاء کے ذریعہ تربیت فرماتا ہے پھر اسے ایک روشن چراغ کی طرح ظلمت کدہ کفر و عصیان میں قائم کر دیتا ہے تاکہ لوگ اپنے بجھے ہوئے دل کے چراغ لے کر آئیں اور اس روشن چراغ سے اپنا چراغ روشن کر لیں۔ یہ سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

اگرچہ کسی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے (اور نہ ہر بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے) تاہم میرا خیال ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں چونکہ اب تکوینی مصلحت تھی کہ یہاں کے

Marfat.com

طول و عرض میں پرچم اسلام لہرائے۔ مسجدوں سے اللہ کی عظمت کا کلمہ بلند کیا جائے۔ عدالتوں میں اسلامی قوانین کا اجراء ہو۔ اسی لیے حضرت ہجویری کے قلب میں سفر ہند کا داعیہ پیدا ہوا ہوگا۔ (حضرت شیخ ختلیؒ والی روایت درست نہیں ہے بحث آگے آرہی ہے[1]) ساتھ ہی غزنی کے حالات میں افراتفری پیدا ہوگئی۔ اور ہمارے ممدوح گنج بخش ہر دو عالم رحمۃ اللہ علیہ سفر ہند کے لیے رخت سفر باندھنے لگے۔

چھٹی فصل

لاہور میں تشریف آوری

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ورود لاہور کے بارے میں فوائد الفواد میں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حسن سجزی نے ایک روایت نقل کی ہے جسے بعد کے تذکرہ نگاروں نے بلا تکلف نقل کر دیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

"شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما ہر دو مرید یک پیر بودہ اند و آں پیر قطب عہد بودہ است شیخ حسین زنجانی از دیر باز ساکن لہاور بود بعد از چند گاہ پیر ایشاں خواجہ ہجویری را فرمود ندکہ لہاور رو و ساکن شو۔ شیخ علی عرض داشت کہ حسین زنجانی آنجا است پیر فرمود "تو برو" وچوں علی ہجویری بحکم اشارت ایشاں در لہا در درآمد شب بود بامداداں

---

[1] یعنی جیسا کہ روایات میں ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو لاہور جانے کا حکم فرمایا اور آپ نے حضرت زنجانیؒ کی وجہ سے معذرت کی

Marfat.com

چنانچہ شیخ حسین زنجانی را بیروں آوردند[1]

ترجمہ: شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہم دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے وقت کے قطب تھے شیخ حسین زنجانی مدت سے لاہور میں قیام پذیر تھے کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ ہجویری سے فرمایا کہ "لاہور جاؤ اور وہیں رہو"

شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا "حسین زنجانی تو وہاں ہیں" پیر نے فرمایا "تم جاؤ" جب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو اس وقت رات ہو چکی تھی اگلی صبح لوگ شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اٹھائے ہوئے شہر سے باہر نکلے۔

اکثر تذکروں میں یہ روایت پائی جاتی ہے چنانچہ خزینۃ الاصفیاء میں ہے۔

"پیش از تشریف آوری مخدوم علی ہجویری خواجہ حسین زنجانی کہ وے ہم مرید وخلیفہ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی بود بہ قطبیت لاہور مامور بود من بعدہ بہ مخدوم علی ارشاد شد کہ بہ لاہور رود و در آنجا مقام پذیرد علی مخدوم بجواب پرداخت کہ برادرم حسین زنجانی پیش ازیں در لاہور ماموراست حالا ماموری بندہ چہ حکمت است شیخ ابوالفضل فرمود کہ تو برو و در آنجا ساکن شو پرسیدن حکمت چہ کار چوں مخدوم حسب ایمائے پیر روشن ضمیر در لاہور رسید شب بود بیرون شہر مقام فرمود بامداداں کے داخل شہر شدند دید کہ مردماں جنازۂ فیض اندازہ حسین زنجانی بر دوش می آیند کہ بہماں شب حسین زنجانی

---

[1] خواجہ حسن سجزی، فوائد الفواد: ۵۷ ، طبع لاہور ۱۹۶۶ء۔

برحمت ربانی پیوستہ بود پس ہمراہ جنازہ شد و بمقام مدفن حسین تشریف بردہ حسین را چوں گنج حوالۂ خاک نمود[1]۔"

ترجمہ: حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے قبل خواجہ حسینؒ زنجانی کہ وہ مرید و خلیفہ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ لاہور کی قطبیت پر مامور تھے اس کے بعد مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا گیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں قیام کرو مخدوم حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس سے قبل شیخ حسین زنجانیؒ تو وہاں مقرر ہیں اس ناچیز کے تقرر میں کیا حکمت ہے؟ شیخ ابوالفضلؒ نے فرمایا "تم وہاں جاؤ اور سکونت اختیار کرو حکمت دریافت کرنے سے تمہیں کیا کام جب مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پیر روشن ضمیر کی ہدایت کے موجب لاہور پہنچے تو اس وقت رات تھی اس لیے شہر کے باہر ہی قیام فرمایا۔ صبح کے وقت جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ اٹھائے لیے چلے آرہے ہیں کیونکہ اسی شب حضرت زنجانی واصل بحق ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جنازے کے ساتھ شامل ہوگئے اور حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے مدفن پر تشریف لے جا کر ایک گنج گراں مایہ کی طرح انہیں سپرد خاک کر دیا۔

غرضیکہ اسی طرح کی روایت اکثر و بیشتر تذکروں میں آپ کو ملے گی۔ مگر اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ روایت الحاقی ہے۔

اس لیے کہ شیخ حسین زنجانی اور حضرت ہجویری رحمہا اللہ تم عصر نہیں بلکہ شیخ

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۳۔

Marfat.com

حسین زنجانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ علیہم کے ہم عصر تھے۔
سیر العارفین میں شیخ جمالی کنبوہؒ لکھتے ہیں :

"حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی کہ پیر حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس روحہٗ است در صدر حیات بود بیان حضرت زبدۃ المشائخ والاولیا معین الحق والدین قدس سرہٗ و حضرت شیخ المشائخ والاولیاٗ حسین زنجانی قدس سرہٗ محبتے واتحادے فوق الحد واقع شد[1]

ترجمہ : حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی جو حضرت شیخ سعد الدین قدس سرہٗ کے پیر ہیں ان دنوں حیات تھے حضرت زبدۃ المشائخ والاولیاء معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہٗ کے درمیان بے حد محبت اور ربط وضبط تھا۔

۲۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے حالات میں دارہ شکوہ لکھتا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے دور دور ممالک کا سفر کیا اور بڑے بڑے مشائخ سے آپ نے فیض حاصل کیا چنانچہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے جیلان میں ملاقات کی اور تقریباً چھ ماہ ان کی خدمت میں رہے ان کی صحبت سے آپ نے فیوض وبرکات حاصل کیں بخارا میں شیخ نجم الدین رحؒ کبریٰ سے، ہمدان میں خواجہ ابویوسف ہمدانی سے، تبریز میں شیخ ابوسعید تبریزی سے اور لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ملاقاتیں کیں اور بلخ سے لاہور تشریف لائے[1]

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ شیخ حسین زنجانی حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

[1] سیر العارفین (مخطوطہ) بحوالہ تاریخی مقالات پروفیسر محمد اسلم : ۲۸۳ طبع لاہور ۱۹۷۰ء۔

کے معاصر نہیں تھے بلکہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر تھے۔

۳۔ محمد صالح کنبوہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتا ہے:

"بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ"[1]

ترجمہ: مختصر یہ کہ انہیں لاہور میں شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر آئی۔

۴۔ حضرت ہجویری کے معاصرین میں "شیخ حسین زنجانی نام کے کسی بزرگ کا نام نہیں ملتا۔

۵۔ نور احمد چشتی نے اپنی کتاب تحقیقات چشتی میں حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات ۶۰۴ھ بتلایا ہے۔[2]

جبکہ مختلف روایات کے مطابق ۴۶۵ھ سے ۴۸۱ھ کے درمیانی عرصہ میں (علی اختلاف الروایات) حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو جب حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ۱۳۹ یا ۱۲۵ سال گزر چکے تھے۔

۶۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حضرت ہجویری کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے اور وہ خود لکھتے ہیں کہ

شیخ حسن زنجانی بہ ہمراہی سید یعقوب صدر دیوان زنجانی از زنجان در لاہور آمد و خلق نیز بحلقۂ ارادت وے در آمد وفات وے باقوال

---

[1] محمد صالح: عمل صالح ۱: ۵۰ طبع لاہور۔

[2] نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ۱۲۵ طبع لاہور ۱۹۶۴ء۔

Marfat.com

صحیح در سال شش صد ہجری است "۔ ؎۱

ترجمہ: شیخ حسین زنجانی سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے ہمراہ زنجان سے لاہور تشریف لائے۔ اور لوگوں کی بڑی تعداد ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی ان کی وفات صحیح اقوال کی رو سے ۶۰۰ھ ہجری ہے۔

پھر آگے چل کر حضرت سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

" بہ ایمائے غیبی در سال پانصد و سی و پنج ہجری از ترکستان در ہند تشریف آوردہ در لاہور سکونت فرمود "۔ ؎۲

ترجمہ: اشارہ غیبی پر ۵۳۵ھ میں ترکستان سے ہندوستان میں تشریف لائے اور لاہور میں سکونت اختیار فرمائی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت شیخ حسین زنجانی بھی حضرت سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے ہمراہ ۵۳۵ھ میں تشریف لائے۔ اس حساب سے بھی اگر دیکھا جائے تو حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ستر برس بعد حضرت شیخ حسین زنجانی وارد لاہور ہوئے۔

۷۔ مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شیخ طریقت حضرت الختلی قدس سرہ کے حکم سے لاہور کا سفر کرنا اور لاہور شہر میں رات کو پہنچنا پھر صبح کے وقت حضرت شیخ حسین زنجانی کا جنازہ دیکھنا اور رسم تدفین میں شرکت کرنا۔ یہ معمولی واقعات نہیں ہیں ان سے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے

؎۱ خزینۃ الاصفیاء: ۲: ۲۵۲۔

؎۲ ایضاً۔

پیر طریقت کی قطبیت اور تکوینی امور میں گہری نظر ثابت ہوتی ہے ۔ اگر اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے تھے اور وہ ایسے محیر العقول واقعہ کو کشف المحجوب میں ضرور ذکر فرماتے ۔ آپ کا ذکر نہ فرمانا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ کی لاہور تشریف آوری کے سلسلے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ہوگا اور کسی نے فوائد الفواد میں اسے شامل کر دیا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

ساتویں فصل

حضرتؒ کے زمانے میں غزنی کے سیاسی حالات

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہوئی تھی ۔ ۲۲ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سلطان محمود فوت ہو گیا اور اس کی وفات کے بعد حسب دستور اس کے دو بیٹوں امیر مسعود اور امیر محمد کے مابین تخت حکومت کے لیے جھگڑے شروع ہو گئے جو پانچ ماہ تک جاری رہے ۔ آخر کار امیر مسعود کو غلبہ حاصل ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی امیر محمد کو اندھا کر کے قید میں ڈال دیا ۔ ۴۲۱ھ سے ۴۳۰ھ تک چونکہ حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس لیے دار السلطنت غزنی نسبتاً پرسکون رہا ۔ البتہ سلجوقیوں اور ترکمانوں سے سلطان مسعود کی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہیں ۔ ۴۲۹ھ میں سلطان مسعود جرجان و طبرستان کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان آیا اور ہانسی اور سونی پت کے قلعوں کو فتح کیا اسی دوران میں اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر مملکت میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا ناچار سلطان مسعود کو غزنی جانا پڑا ۔

۴۳۱ھ میں غزنی پر سخت آفت آئی اس لیے کہ رمضان کے مہینے میں

ترکمانوں نے غزنی کا محاصرہ کرلیا اور اس کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اس وقت سخت لڑائی ہوئی اور سلطان کے بڑے بڑے سرداروں نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا مگر سلطان مسعود ہمت نہ ہارا وہ اکیلا ہی دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر وہاں سے سلطان مسعود مرو گیا۔ اس نے اپنے اندھے بھائی امیر محمد کو غزنی روانہ کیا۔ اور وہاں کے قلعہ میں قید کر دیا تلافیٔ مافات کے لیے اس نے امیر محمد کے بیٹوں کو خلعت اور انعام واکرام سے نوازا اور اس کے بڑے بیٹے کے ساتھ اپنی بیٹی حرہ گوہر کو منسوب کر دیا۔ ان انتظامات کے بعد اس نے زر و جواہر لے کر ارادہ کیا کہ ہندوستان جائے اور وہاں سے ایک لشکر جرار تیار کر کے لائے اور اپنے ملک سے سلجوقیوں کو نکال دے امراء اور وزیروں نے اسے منع کیا لیکن وہ نہ مانا آخر کار اپنی بیگمات اور تھوڑے سے لشکر کے ساتھ ہندوستان روانہ ہو گیا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ خزانوں کو پیچھے رکھا چنانچہ سلطان مسعود نے جب دریائے سندھ کو عبور کیا تو جس امیر کے پاس خزانہ تھا اس کی نیت خراب ہو گئی اور پیچھے سے خزانہ لے کر فرار ہو گیا اور افغانستان پہنچ کر اس نے نابینا امیر محمد کو قید سے آزاد کیا اور اس کے انکار کے باوجود اسے تخت پر بٹھا دیا اب سلطان مسعود کا زوال آچکا تھا آخر دریائے سندھ کے پار امیر محمد اور سلطان مسعود کے درمیان مقابلہ ہوا اور سلطان مسعود گرفتار ہو کر اپنے اندھے بھائی کے دربار میں حاضر ہوا امیر محمد نے اپنے بھائی کی جان بخشی کر کے اسے ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا جہاں وہ اپنے داماد اور سلطان محمد کے بیٹے کی سازش سے قتل کر دیا گیا۔ غرضیکہ جب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے غزنی سے روانگی کا ارادہ فرمایا تو غزنی میں خون خرابے کا بازار گرم تھا[1]

---

[1] اکثر تاریخی مواد محمد دین فوق کی کتاب سوانح حیات حضرت علی ہجویری سے اخذ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

آٹھویں فصل

حضرتؒ کی تشریف آوری سے قبل لاہور کے حالات

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر جتنے حملے کیے سب کے سب لاہور ہی کے راستے سے کئے۔ تاہم اس نے کبھی بھی لاہور کو اپنی مملکت محروسہ میں شامل نہیں کیا ۴۱۲ھ میں جبکہ لاہور کا راجہ انند پال تھا سلطان محمود لاہور کے قریب آکر اترا۔ راجہ خوف کے مارے اجمیر کے راجہ کے پاس چلا گیا۔ ملک لاوارث ہو گیا تھا اس لیے سلطان نے اپنے ایک معتمد کو لاہور میں چھوڑا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا یہ پہلا موقع تھا کہ دریائے اٹک کے مشرق میں اسلامی لشکر نے سکونت اختیار کی اور مسلم بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۴۳۲ھ میں سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود کی جانب سے لاہور میں قاضی شیرازی کو لاہور کا حاکم بنایا گیا۔ آخر میں سلطان مسعود نے شہزادہ امیر مجدالدین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کیا۔ [1]

حضرتؒ کی تشریف آوری کے وقت لاہور کے حالات

سرکار حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں لاہور کو "قطب البلاد" فرمایا ہے: یہ اس لیے کہ جو رسم اور طرز لاہور میں جاری ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ پورے برصغیر میں پھیل جاتی ہے۔ قطب لغت میں چکی کی میخ کو کہتے ہیں جس کے گرد چکی کا پتھر پھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے

---

[1] ماخوذ از محمد دین فوق، حیات و تعلیمات داتا گنج بخش: ۴۵، ۴۶۔

Marfat.com

مسلمانوں کا قدم برصغیر میں آیا علماء ۔ اولیاء اور حکمرانوں کی خصوصی توجہ لاہور (قطب البلاد) کی طرف رہی۔

"حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جس وقت لاہور میں تشریف لائے (آمد کی تاریخ کی بحث آگے آرہی ہے) اس وقت غزنی اور لاہور میں سلطان مسعود کی حکومت اپنے آخری لمحے پورے کر رہی تھی کیونکہ اسی سال کے آخر اور اس سے اگلے سال کی ابتدا میں سلطان مسعود اپنے اندھے بھائی سلطان محمد کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈالا گیا جب اصل حکومت یعنی غزنی میں یہ خانہ جنگی برپا تھی تو فرع یعنی لاہور اور ہندوستان کے دیگر راجاؤں پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا لاہور تو ہندوستان کا ہیڈ کوارٹر اور دارالسلطنت تھا۔ یہاں سلطان مسعود کے چھوٹے بیٹے مودود نے قبضہ کر لیا اور ہانسی اور تھانیسر تک اپنا استقلال جمالیا۔" [۱]

فوق صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

"یہ حال دیکھ کر پنجاب اور گردونواح کے راجاؤں نے جو شیران اسلام کے خوف سے لومڑیوں کی طرح چھپے ہوئے تھے سر باہر نکالا اور تین قوی دست راجاؤں نے دس ہزار کا لشکر لے کر لاہور کا محاصرہ کر لیا مسلمانوں پر یہ بڑا نازک وقت تھا اور لاہور کی رعایا نہ دن کو چین سے کاروبار کر سکتی تھی نہ رات کو آرام کی نیند سو سکتی تھی اپنی نااتفاقی پر سب پشیمان تھے آخر سلطان مودود کی اطاعت کی اور

---

[۱] سوانح حیات حضرت علی ہجویری: ۸۰، طبع لاہور ۱۹۸۰ء۔

Marfat.com

اس سے مدد مانگی مگر بیشتر اس کے کہ غزنی سے مدد آئے خدا تعالیٰ کی قدرت نے ہند کے راجاؤں میں پھوٹ ڈال دی اور اس طرح مسلمانوں نے عظیم فتح حاصل کی "۔[1]

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کسی قوم میں پھوٹ پڑ جاتی ہے تو قوم کی وہ قوت جو اپنے دشمنوں کے لیے استعمال ہوتی ہے آپس ہی میں ایک دوسرے پر صرف ہونے لگتی ہے اور قوم ہر اعتبار سے زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ انتشار اور بدامنی کے عالم میں قوم اقتصادی و معاشی ترقی نہیں کر سکتی ہے۔ فواحش و منکرات کو رواج مل جاتا ہے۔ لوگوں کی ذہنیت مادہ پرست اور مفاد پرست ہو جاتی ہے اور خوف خدا دلوں سے رخصت ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر طرف تاریکی انتشار اور فساد کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت میں یہ عادت الٰہیہ ہے کہ جس طرح سخت گرمی کے عالم میں جبکہ زمین کا ذرہ ذرہ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترسنے لگتا ہے۔ چرند پرند وحوش و بہائم زبان حال سے العطش العطش پکارنے لگتے ہیں۔ درخت اپنے حسن و زیبائش سے محروم ہو کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرنے لگتے ہیں انسان امید و بیم کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں تو رحمت خداوندی کو جوش آتا ہے اور ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر کالے کالے بادل آتے اور اللہ کی مخلوق کو سیراب کر جاتے ہیں۔ روح و اخلاق کی دنیا میں بھی یہی عادت الٰہیہ ہے کہ جب اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ کفر و طغیان کی آتشیں صرصر چلنے لگتی ہے اور دنیائے روح میں تاریکی چھا جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا کوئی نہ کوئی مقبول بندہ بھیج کر پیاسی روحوں کو سیراب کرتا اور انسانیت کے گم کردہ راہ کاروانوں

---

[1] سوانح حیات سید علی ہجویری: ص ۴۸، ۴۹

کو اپنے اس مقبول بندے کے ذریعہ نشان منزل دکھاتا ہے۔ اللہ کے یہ کامل بندے کسی سے کچھ لینے کے لیے نہیں آتے بلکہ لوگوں کی جھولیاں حق و معرفت کے جواہر ریزوں سے بھرنے کے لیے آتے ہیں یہ گلیم پوش روحانی تاجور کسی کے آگے سر جھکاتے ہیں نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ تریاق، کلام شفا اور اخلاق پرکشش ہوتا ہے ان کے مسلک میں نفرت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ لوگ مجسم شفقت و رحمت اور از سرتاپا اسوۂ نبویؐ کے مرقع ہوتے ہیں۔ ان کی تبلیغ کا انداز جداگانہ ہوتا ہے۔ بقول خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔

علما اپنی زبان سے تبلیغ کرتے ہیں اور صوفیہ اپنے عمل سے۔ یہ لوگ لمبی لمبی تقریریں نہیں کرتے نہ مجالس وعظ گرم کرتے ہیں۔ یہ صرف اخلاق نبوی کا نمونہ بن کر عوام کے سامنے آتے ہیں اور لوگ ان کے عمل کو دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے زبان معجز بیان سے نکلے ہوئے کلمات دکھی دلوں کے لیے مرہم ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو بھی گلے لگاتے ہیں اور اپنے معاندین کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ہمارے ممدوح حضرت سید علی بن عثمان الجلابی الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان ہی حضرات قدسی نفوس میں ہوتا ہے۔ ابھی تک ہندوستان نے مجاہدین اسلام اور غازیان بت شکن کی تیغ آبدار دیکھی تھی اب ضرورت تھی کہ اہل ہند کو تصویر کا دوسرا رخ یعنی "خلق محمدیؐ کی تیغ آبدار" بھی دکھا دی جائے چنانچہ ہندوستانی عوام کو دین قویم کے اسرار کو سمجھانے اور توحید کی حقیقت سے آشنا بنانے کے لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ معروف قول کے مطابق ۴۳۱ھ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ یہ قول تاریخ لاہور کے مصنف سید محمد لطیف اور فرہنگ

Marfat.com

آصفیہ کا ہے[1] اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت کے دو ہمراہیوں میں ایک حضرت ابوسعید ہجویری (جن کے سوال کے جواب میں حضرتؒ نے کشف المحجوب تصنیف فرمائی) تھے اور دوسرے ہمراہی کا نام شیخ احمد حماد سرخسی تھا۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ سلطان مسعود کے لشکر کے ساتھ تشریف لائے اور ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب[2]" میں یہ لکھ کر تو حد ہی کر دی کہ :

"اس اطلاع میں اس امر کی گنجائش رہے گی کہ وہ شاہ مسعود کے ملازم ہو کر یا کوئی منصب قبول کر کے نہیں آئے تھے بلکہ محض حفظ راہ اور ہمراہی کی خاطر فوج کے ساتھ آئے تھے کیونکہ ان کے بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ دربار سے متعلق علماء کی دنیا داری سے خوش نہیں انہوں نے جا بجا علماء جاہ طلب سے نفرت کا اظہار کیا ہے"۔[3]

دراصل بات یہ ہے کہ المرء یقیس علی نفسہ (انسان دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔) حالانکہ ہر شخصیت کو جانچنے کے لیے اس کی حیثیت اور منصب کے لحاظ سے معیار متعین کیا جاتا ہے۔ ع۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

---

[1] بحوالہ سوانح حضرت علی ہجویری فوق۔ ۳۸۔

[2] ڈاکٹر ظہور الدین احمد : پاکستان میں فارسی ادب : ۱۲۳ : یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور۔

[3] ایضاً

Marfat.com

شیر آں باشد کہ مردم را درد

شیر آں باشد کہ مردم پرورد

ترجمہ: (پاک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیے اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں لیکن شیر وہ ہوتا ہے جو انسان کو پھاڑ کھاتا ہے اور شیر (بمعنی دودھ) وہ ہوتا ہے جو انسان کی پرورش کرتا ہے۔)

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جامع الصفات ولی کامل کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ "محض حفظ راہ اور ہمراہی کی خاطر" فوج کے ساتھ تشریف لائے تھے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و منصب سے بے خبری کی دلیل ہے کیونکہ طریقت کی اولین منزل ہی "ترک اسباب اور توکل علی اللہ" ہے تعجب ہے اگر ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ذات پر یہ گمان کیا جائے کہ وہ راستے کو غیر محفوظ سمجھ کر لشکر شاہی کا سہارا لینے پر مجبور تھے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر شام، عراق، حجاز، ایران، روس وغیرہ کے علاقوں میں حضرتؒ کس لشکر کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے؟ تصوف کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ

اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ [۱]

ترجمہ: (میں اپنے تمام امور اللہ کو سپرد کرتا ہوں بیشک وہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے)

اور پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ وعدہ ہے کہ

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ [۲]

ترجمہ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔ سورۂ عنکبوت میں نیکوکاروں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا مگر ان کی پہچان بتلائی گئی

---

[۱] سورۃ فاطر: ۴۴۔

[۲] سورۃ الطلاق: ۳۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ؎

تو کیا ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے کہنے سے یہ مان لیں کہ ایسا شخص جس نے آغوش ولایت میں آنکھیں کھولی ہوں۔ جس نے الختلی رحمۃ اللہ علیہ جیسے قطب وقت سے تربیت حاصل کی ہو۔ جس نے ابو القاسم القشیری اور ابو القاسم الکرگانی کی صحبت کا فیض پایا ہو اور سینکڑوں سے متجاوز اولیاء کاملین سے روحانی استفادہ کیا ہو ایک سفر کے لیے شاہی لشکر کی ہمراہی اور حفظ راہ کا طالب رہا ہوگا اور توکل کے اس مقام پر بھی پہنچ نہ سکا ہوگا جس مقام پر سالکین ابتدائی مرحلے ہی میں پہنچ جاتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی صبر ایک ہمراہی ہوتی ہے اسے اصطلاح تصوف میں "معیت" کہتے ہیں۔ معیت کا مراقبہ تو مبتدیوں سے کرایا جاتا ہے۔

اللہ حاضری ، اللہ ناظری ، اللہ معی۔

(اللہ میرے سامنے حاضر ہے۔ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اللہ میرے ساتھ ہے)

ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ "معیت الٰہی" کا تصور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔ الحمد للہ یہ تصور تو آج جیسے گئے گزرے دور میں بھی ان کے ادنیٰ ترین غلاموں اور ان کے در کے جاروب کشوں کو حاصل ہے۔

البتہ یہ ماننے کی بات ہے کہ اس اصول کے تحت کہ؛

اطلبوا الجار قبل الدار والرفیق قبل الطریق۔

ترجمہ: (گھر بنانے سے پہلے بہترین پڑوسی تلاش کرو اور سفر سے قبل رفیق سفر کی جستجو کر لو۔)

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی رفیق سفر ساتھ لیا ہوگا۔ (حفظ راہ یا ہمراہی کی خاطر نہیں) بلکہ مذکورہ بالا اصول اور حکم کے تحت۔ اور وہ رفیق سفر

؎ سورۃ العنکبوت : ۵۹۔

Marfat.com

شیخ حماد سرخسی اور ابو سعید ہجویری رحمہما اللہ تھے۔ جو ہم مشرب بھی تھے۔ اور ہم جذبہ بھی۔

غرضیکہ اگرچہ حتماً اور قطعاً کچھ کہنا دشوار ہے تاہم تذکرہ نگاروں کا یہ قول قابل ترجیح ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دو رفقائے سفر کے ہمراہ غزنی سے سفر کرتے ہوئے راستے میں عام مسلمانوں سے ملتے جلتے۔ گم کردہ راہوں کی رہنمائی فرماتے بیماروں کو باذن الٰہی شفا بخشتے اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہوئے سنہ ۴۳۱ھ میں وارد بلدۂ لاہور قطب البلاد ہوئے۔ اور اپنی بقیہ زندگی (باستثنائے چند ایام و شہور) یہیں گزار کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

؎ خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت (اقبالؒ)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بقول علامہ ذہبی جب حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دمشق میں سنہ ۴۶۰ھ میں ہوئی اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ:

"آں روز کہ وے را وفات آمد بہ بیت الجن بود و آں رہے است بر سر عقبہ میان بانیار مرو دمشق سر بر کنار من داشت"۔ [۱]

ترجمہ: جس دن ان کا انتقال ہوا وہ بیت الجن میں تھے یہ ایک گاؤں ہے جو بانیار مرو اور دمشق کے درمیان ایک گھاٹی میں واقع ہے۔ وفات کے وقت ان کا سر میرے زانو پر تھا۔

---

[۱] کشف المحجوب: ۱۷۳۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۴۳۱ھ میں لاہور آئے ہوں ؟ لہٰذا لازماً شیخ کی وفات کے بعد (یعنی ۴۶۰ھ کے بعد) تشریف لائے ہوں گے۔

میرے خیال میں یہ رائے درست نہیں ہے کیونکہ بقول نکلسن اگر یہ مانا جائے کہ آپ کی وفات ۴۶۵ھ سے ۴۶۹ھ کے درمیان میں ہوئی تو کشف المحجوب جیسے شاہکار تصوف کا محض تین چار سالوں میں تیار ہو جانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے البتہ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے ہوں اور یہاں قیام کے دوران میں انہیں کسی ذریعہ سے اطلاع ملی ہو کہ شیخ الختلی سخت بیمار ہیں یا ان کا وقت آخر قریب آن پہنچا ہے اور آپ آخری وقت میں ان کی خدمت کرنے کے لیے دوبارہ تشریف لے گئے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چونکہ حضرت ہجویری کے سوانح پر تذکروں میں مواد بہت کم ملتا ہے اور تذکرہ نگار حضرات نے زیادہ تر کشف المحجوب کے داخلی مندرجات ہی پر تکیہ کیا ہے اس لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحی حالات کے بارے میں یقین سے کوئی بات کہنا دشوار ہے۔

لاہور میں قیام

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں تشریف آوری سے پہلے ہی جو بزرگ لاہور میں تشریف لا چکے تھے ان کا اسم گرامی شیخ اسماعیل لاہوری ہیں شیخ محمد اکرام ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلغ اسلام کا نام آتا ہے

Marfat.com

وہ شیخ اسماعیل لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تھے جو یہاں اس زمانے میں آئے جب ابھی لاہور میں ایک ہندو راجا حکمران تھا وہ شاید سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا لیکن سلطان نے ابھی لاہور میں اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔"

شیخ اسماعیل بخاری سید تھے اور علوم ظاہری و باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے ان کی نسبت لکھا ہے کہ واعظین اسلام میں وہ سب سے پہلے بزرگ تھے جنہوں نے لاہور شہر میں جہاں وہ ۱۰۰۵ء میں آئے تھے وعظ کہا۔ ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔

تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے:

"از عظمائے محدثین و مفسرین بود۔ اول کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ۔ ہزارہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل و ہشت ۴۴۸ھ در لاہور در گذشت۔" [1]

ترجمہ: (اکابر علمائے محدثین و مفسرین میں تھے۔ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو لاہور میں علم تفسیر و حدیث لائے۔ ہزاروں لوگ ان کی مجالس وعظ میں اسلام قبول کرتے تھے ۴۴۸ھ میں لاہور ہی میں ان کی وفات ہوئی۔)

یہی شیخ محمد اکرام آگے چل کر ہمارے ممدوح مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] شیخ محمد اکرام: آب کوثر: ۷۴، ۷۵: طبع لاہور ۱۹۶۵ء۔

"شیخ اسماعیلؒ سے بھی زیادہ جس بزرگ نے نام پیدا کیا وہ غزنی کے شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ تھے جو داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں وہ ۱۰۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک کے سفر کے بعد سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے اخیر عہد حکومت میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ [۱]

قیام گاہ کا انتخاب اکثر صوفیائے کرام کی یہ عادت ہے کہ جس جگہ پر بیٹھ کر وہ اپنا سلسلہ تبلیغ و تزکیہ جاری فرماتے ہیں وہاں ایک مسجد۔ ایک مدرسہ ایک خانقاہ وغیرہ ضرور بناتے ہیں اور پھر آخر وہی جگہ ان کا مدفن بنتی ہے لہٰذا اس سلسلے میں اگر مولوی محمد دین فوق کی یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ:

"قلمی پنجابی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں حوض ہے وہاں حضرت نے قیام کیا۔ اس جگہ ایک بلند ٹیلہ تھا۔ اور اس پر کریر کا ایک درخت بھی تھا۔ اس درخت کی لکڑی اب تک دربار میں موجود ہے [۲]

تعمیر مسجد جس وقت حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے لاہور میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی اور لازماً انہوں نے مساجد بھی تعمیر کرائی ہوں گی لیکن وہ مساجد زیادہ تر سرکاری خرچ سے تعمیر ہوئیں یا ممکن ہے کہ ان کی تعمیر کے اخراجات میں عوام نے بھی حصہ لیا ہو۔ لیکن حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعمیر کردہ مسجد کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے حضرت نے اپنے خرچ

---

[۱] آبِ کوثر: ۷۶ ـ ۷۷

[۲] فوق: سوانح حیات حضرت علی ہجویری: ۴۷

سے تعمیر فرمایا اور اکابر صوفیہ نیز سنت نبوی کی اتباع کے تحت اس کی تعمیر میں خود بھی حصہ لیا۔ مفتی غلام سرور قادری نے مختلف تذکرہ نگاروں کے حوالے سے تعمیر مسجد کے سلسلے میں حضرت کی ایک کرامت بھی نقل کی ہے۔

"مذکور است کہ چوں علی ہجویری در شہر لاہور قیام نمود مسجدے بمقام خانقاہ خود تعمیر کرد و بنیاد و محراب آں مسجدے است بمساجد دیگر قدرے مائل بسمت جنوب داشت علمائے لاہور کہ دراں وقت ثقہ وقت بودند بر شیخ اعتراض کردند شیخ خاموش بود چوں تعمیر شد روزے ہمہ علمائے شہر را جمع نمودہ و خود امام شدہ دراں مسجد نماز کرد بعد از نماز بحاضرین وقت فرمود کہ ببینید کہ کعبۃ اللہ کدام سمت است فی الحال حجابہا از میان برخاست و کعبہ محاذی مسجد نمودار گشت ہمہ حاضرین بچشم ظاہر دیدند" [۱]

ترجمہ: نقل ہے کہ جب حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں قیام فرما لیا تو جہاں ان کی خانقاہ تھی وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس مسجد کی بنیاد اور محراب اس وقت کی دیگر مساجد کے مقابلے میں کسی قدر جنوب کی طرف مائل رکھی۔ لاہور کے علماء نے جو اس وقت ثقہ مانے جاتے تھے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا مگر شیخ خاموش رہے جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ایک دن تمام علمائے شہر کو جمع کیا اور خود امام بن کر اس مسجد میں نماز پڑھائی نماز کے بعد حاضرین سے فرمایا دیکھیں کعبۃ اللہ کس جانب ہے۔ فوراً ہی درمیان کے تمام حجابات

---

[۱] خزینۃ الاصفیا: ۲۳۳

اُٹھ گئے اور مسجد کے ٹھیک سامنے کعبہ نظر آنے لگا تمام حاضرین نے اپنی ظاہری آنکھوں سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔

نویں فصل

تبلیغ دین

جب مسجد تیار ہو گئی اور خانقاہ بھی قائم ہو گئی تو حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ تبلیغ دین اور تدریس کا نظم قائم کیا۔ آپ صوفیائے ماسلف کی طرح دن کا وقت زیادہ تر قرآن و حدیث کے درس میں صرف فرماتے۔ ذاتی مسائل اور پریشانیوں کے حل کے لیے غیر مسلم بھی آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ ان سے کمال شفقت اور دردمندی کا برتاؤ کرتے جس سے غیر مسلم بے حد متاثر ہوتے اور پھر آپ ان پر اسلام کی حقانیت واضح فرمادیتے اور وہ آپ کے اخلاق، شرافت، بے نفسی اور خلوص سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے چلے جاتے اس طرح لاہور شہر میں شیخ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ اسلام کے کام کا جو آغاز کیا تھا وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ آپ کی تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ قلیل ترین مدت میں ہزاروں جاہل عالم بن گئے وہ لوگ جو فسق و فجور اور اخلاقی فساد کی زنجیروں میں عرصۂ دراز سے جکڑے ہوئے تھے اس مسیحا نفس کی چارہ گری سے رذائل اخلاق سے آزاد ہونے لگے۔ آپ کا اصول تعلیم و تبلیغ وہی تھا جو سلف صالحین کا تھا کہ پہلے تزکیہ کرتے پھر تحلیہ۔ یعنی پہلے نفس کے عوارض اور ہوا و ہوس کی گرفت سے لوگوں کو آزاد کراتے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنی کیمیا اثر نگاہ سے قلوب میں راسخ فرمادیتے۔ اس طرح وہ جو کل عوام کالانعام تھے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے ہادی و مقتدی بن گئے۔ رائے راجو جو مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف

Marfat.com

سے لاہور کا گورنر تھا آپ کا زہد و تقویٰ، اخلاقِ حسنہ اور خلوص دیکھ کر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آنجناب کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو کر "شیخ ہندی" کا لقب پایا۔ اور بعد میں تو ساری زندگی آپ ہی کے آستانے پر بسر کر دی بعض تذکرہ نگاروں کی رائے ہے کہ محکمہ اوقاف میں آنے سے پہلے حضرت کی درگاہ کے جو لوگ مجاور تھے وہ اسی شیخ ہندی کی اولاد میں ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) غرضیکہ آپ کی عظمت کا آوازہ لاہور سے نکل کر پنجاب کے طول و عرض میں پھیلنے لگا اور رفتہ رفتہ بھاٹی دروازے کا "داتا دربار" نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان کا روحانی مرکز قرار پایا۔

تدریس سے علیحدگی

ایک عرصہ تک سلسلہ تدریس کے جاری رہنے کے بعد آپ کے فیض یافتہ لوگوں میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو قرآن و حدیث کا درس دے سکتے تھے تو حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے رفتہ رفتہ تدریسی فرائض ان کے سپرد کرنا شروع کر دیئے اور خود کو اس سے زیادہ مفید کام یعنی تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ کر لیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے تدریس سے علیحدگی کے سلسلے میں سینہ بہ سینہ نقل ہونے والی جو روایت بیان کی ہے وہ غیر معتبر ہے۔ مآثر لاہور کے مؤلف چونکہ فنِ تاریخ کے ماہرین میں ہیں اس لیے انہوں نے اس بے سروپا روایت کی خود ہی تردید فرما دی ہے یہ واقعہ خود اتنا مضحکہ خیز ہے کہ اس کی تردید میں دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ [۱]

---

[۱] ہاشمی فرید آبادی، مآثر لاہور ۲۰، ۱۲۱ طبع لاہور۔

Marfat.com

صحیح بات یہی ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اب چونکہ تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے اس لیے آپ نے اپنے تیار کردہ علماء کو یہ فریضہ سپرد فرما دیا ہو گا۔ اور خود مستقلاً تصنیف و تالیف میں مستغرق ہو گئے ہوں گے۔

دسویں فصل

(سلسلہ بیعت و ارشاد)

اگرچہ بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات اسلام قبول کرتے یا آپ سے روحانی معارف کے سلسلے میں اکتساب فیض کرتے وہ آپ کے سلسلۂ طریقت میں داخل بھی ہوتے تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے بعد کے صوفیہ کے انداز میں اپنے طریق کو وسعت دینے یا اپنے مابعد کے ادوار میں سلسلہ کو جاری رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی نہ اس کام کی طرف کوئی خاص توجہ فرمائی شاید اسی لئے آپ کے بعد آپ کا سلسلہ جنید یہ برصغیر میں جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ آپ کی کتاب "کشف المحجوب" میں اس چیز کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ تاہم بظاہر اس کے دو اسباب سمجھ میں آتے ہیں۔

پہلا سبب غالباً یہ ہے کہ آپ اپنے شیخ طریقت کی طرح گمنامی میں اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کشف المحجوب میں آپ نے اپنی ذات کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ اور اگر لکھا بھی ہے تو اپنے فضائل یا محاسن کو بیان کیا ہے نہ ظاہر فرمایا ہے۔ صرف اپنے والد اور دادا کا نام سلسلۂ نسب کو ظاہر کرنے کے لیے ذکر فرمایا حالانکہ آپ کا خانوادہ اولیاء اللہ کا خانوادہ ہے۔ جہاں کہیں اپنے حالات کا جستہ جستہ ذکر فرمایا ہے وہاں یا تو اپنی خامی بیان

فرمائی ہے جیسے شیخ ابوالقاسم گورگانی کے سامنے اپنے احوال کا بیان کرنا اور ان کا نہایت احترام سے سننا پھر حضرت کے دل میں جوش جوانی کے باعث اپنے بارے میں بڑائی کا خیال آنا اور اس پر حضرت گورگانی رحمۃ اللہ علیہ کا مطلع ہو جانا یا شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کراتے وقت یہ خیال آنا کہ طالبین مشائخ کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر شیخ کا اس خیال پر مطلع ہو جانا وغیرہ وغیرہ ان تمام مقامات پر کہیں بھی حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فضل و کمال کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اپنی کمی اور کوتاہی کے اعتراف ہی کے انداز میں یہ باتیں بیان فرمائیں۔ آپ پورے کشف المحجوب کا مطالعہ کر لیں آپ کو کہیں بھی "دعاوی" نہیں ملیں گے۔ نہ اپنے منصب ولایت کا اظہار نظر آئے گا۔ صرف ان راستوں کا تذکرہ ملے گا جن سے نفس و شیطان انسان کو دھوکہ دیتے اور راہ مستقیم سے ہٹا دیتے ہیں۔

یہ انداز ظاہر کر رہا ہے کہ مصنف شہرت سے گریزاں ہے اور اپنی عظیم شخصیت پر خمود و خمول کا پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ کسی عظیم مقصد کو لے کر بتکدۂ ہند میں آیا ہے اور دن رات اس مقصد کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اسی لیے حضرت کے تذکرہ نویسوں کو دشواری ہے اور وہ یقین سے کچھ کہہ نہیں پاتے۔ غالباً سلسلہ طریقت کو جاری نہ کرنے کا یہ بھی ایک سبب ہے۔

میرے خیال میں دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے حضرات صوفیہ شکر اللہ مساعیہم ورحمہم اللہ اجمعین۔

بقول خواجہ میر خورد رحمۃ اللہ تعالیٰ

کانوا الذین اللہ حصنا مؤیدا ولسنۃ من سنن خیر مرسل۔

ترجمہ: وہ خدا کے دین اور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے لیے

Marfat.com

مضبوط قلعہ تھے۔ [1]

ان حضرات کا ہاتھ ملت کی نبض پر اور دماغ تجدید و احیائے دین کی تدبیروں پر غور و فکر کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ ان کی پوری کوشش رہی کہ جس طرح بھی ہو انتہائی دور زوال میں بھی اسلامی تعلیمات اپنی معنویت سے محروم نہ ہونے پائیں اور مادیت پرستی کی آلائشوں میں ملوث نہ ہوں۔ یہ حضرات اپنی ذمے داریوں سے واقف تھے یعنی:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [2]

ترجمہ: اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت (ہمیشہ) رہے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلاتی رہے اور نیکی کا حکم دیتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔

یہ جماعت حضرات صوفیہ ہی کی تھی جو تعیشات دنیوی سے گریزاں، طلب جاہ سے عاری اور شہرت سے متنفر تھی اور دن رات بغیر کسی مادی طمع کے اپنے کام میں مصروف رہتی تھی یہ لوگ وقت کے راکب ہوتے ہیں۔ مرکب نہیں ہوتے۔ لہٰذا جس دور میں انفرادی اصلاح اور تزکیہ نفس کی ضرورت تھی یہ حضرات اس کی طرف متوجہ رہے۔ پھر ایسا دور آیا کہ جماعت اور سلسلہ قائم کرکے اصلاح و تزکیہ کا فریضہ انجام دیا جائے تو یہ حضرات یہ کرنے لگے دسویں اور گیارھویں صدی میں ضرورت پیش آئی کہ مدلل کتابیں تصنیف کی جائیں

---

[1] سیر الاولیاء بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ۱۳۱۔

[2] آل عمران: ۱۰۴۔

Marfat.com

اور اس طرح ان غلط فہمیوں کو رفع کیا جائے جو زنادقہ اور ملاحدہ کے طرز عمل سے علمائے ظاہر کے درمیان پیدا ہو چلی تھیں تو کتاب اللمع، قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، التعرف اور کشف المحجوب جیسے شاہکار سامنے آگئے۔ اس کے بعد حضرات مشائخ چشت کا دور آیا اور اس دور میں وسیع پیمانے پر تبلیغ اسلام اور سلاسل طریقت کے استحکام کی ضرورت پیش آئی تو تصانیف کی طرف سے صرف نظر کر لیا گیا اور اس سلسلے میں حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں موجود ہے کہ "مشائخ چشت تصنیفات کو پسند نہیں کرتے تھے صرف چند ملفوظات آپ کو ملیں گے جو بعض معتقدین نے راحۃ القلوب، فوائد الفواد اور خیر المجالس کی صورت میں جمع کر دیئے ہیں۔ اصول و فروع تصوف کے موضوع پر اس دور میں "کشف المحجوب" کے انداز میں کوئی تصنیف چشتی مشائخ رحمہم اللہ کے ہاں آپ کو نہیں ملے گی۔

اس ساری بحث سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ طریقت کے اجراء اور استحکام پر اس لیے زور نہیں دیا کہ یہ آپ کے دور کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ کی حیثیت برصغیر پاک و ہند میں درحقیقت "مقدمۃ الجیش" (سفر مینا) کی تھی۔ جب فوج کسی علاقے کی طرف حرکت کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو پہلے مقدمۃ الجیش کو بھیجا جاتا ہے جو جا کر علاقے کی آب و ہوا ذرائع حمل و نقل۔ فوج کے قیام کی جگہ۔ سامان رسد کی فراہمی۔ وغیرہ جیسے امور کا جائزہ لیتا اور ضروری تدابیر اختیار کرتا ہے اس کے بعد فوج پہنچتی ہے اور اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ غالباً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر پر مامور کئے گئے تھے کہ برصغیر میں پہلے آ کر "تخم سجدہ" کاشت کر دیں۔ آپ نے یہ کام کمال حسن و خوبی سے انجام

Marfat.com

دیا اور اس کا بین ثبوت "قرطاس وقلم" کی صورت میں "کشف المحجوب" ہے۔ آپ نے تصوف کے اصول و فروع کو کھول کھولکر بیان فرما دیا۔ جن راستوں سے کفرو الحاد اور بدعت وزندقہ داخل ہو سکتا ہے ان کی نشان دہی فرما دی۔ اپنے مساعی سے ایک ایسی جماعت کفرستان ہند میں کھڑی کر دی جو آنے والے مشائخ کی تعلیمات کو قبول کرے۔ اور یہاں کی فضا "تخم شریعت و طریقت" کی آبیاری کے لیے پوری طرح تیار کر دی۔ رہا سوال سلسلہ بیعت و ارشاد کے جاری کرنے کا وہ آپ نے اس آنے والے کے لیے چھوڑ دیا جس کا لقب معین الملت والدین خواجہ اجمیری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اجمیر کے سرور رحمۃ اللہ علیہ سرزمین ہند میں قدم رکھتے ہیں۔ تو قطب البلاد "لاہور" میں تشریف لا کر سب سے پہلے اس کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں جس نے ان کی تشریف آوری کے لیے برصغیر کی زمین ہموار کی تھی اور

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا

کا خطاب دیتے ہیں۔ روحانی اور تکوینی امور پر خالص مادی اور تاریخی عوامل کی روشنی میں غور نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان امور پر کبھی کبھی روحانی اور تکوینی تناظر میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اس موقع پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہندوستان میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے قبل بھی اولیاء اللہ یہاں تشریف لا چکے تھے۔ جن میں سب سے پہلے حضرت شیخ صفی الدین گازرونی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا جاتا ہے آپ کی تاریخ وفات ۳۹۸ھ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اخبار الاخیار"

Marfat.com

یں لکھا ہے کہ "قصبہ اُچہ" کی بنیاد حضرت گازرونی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی [1]

خود لاہور شہر میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے قبل شیخ اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا چکے تھے۔ اور ان کے فیض سے ہزاروں افراد نے یہاں اسلام قبول کیا۔ وہ جامع علوم ظاہری و باطنی اور صاحب کرامت ولی تھے۔ ان کا مزار بھی لاہور میں ہال روڈ نزد گرجا گھر واقع ہے اور محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب سلطان الہند حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت ہجویری ہی کے مزار پر انہوں نے چلہ کیا؟ عقل حیلہ ساز گرفتار اسباب اس کا جواب نہیں دے سکتی کیونکہ ان امور کا تعلق تکوین و روحانیات سے ہے۔ اس دنیا کے حقائق دوسرے ہوتے ہیں۔ جس طرح لوہا تولنے کی ترازو پر سونا نہیں تولا جاتا۔ اسی طرح روحانی امور کا تجزیہ مادی معیار سے نہیں کیا جا سکتا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

والی بات ہے۔

گیارہویں فصل

تزویج

جس طرح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کے اکثر گوشوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور کوئی بات یقین اور کامل وثوق سے نہیں کہی جا سکتی

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، ۲۰۵۔

Marfat.com

اسی طرح آپ کے نکاح کرنے کا مسئلہ بھی کافی حد تک مختلف فیہ ہے۔ کیونکہ آپ کے سوانحی حالات کو معلوم کرنے کا ہمارے پاس سب سے زیادہ مستند ذریعہ کشف المحجوب ہے اس میں اس مسئلہ کے بارے میں آپ نے جو گفتگو فرمائی ہے وہ کسی قدر مبہم ہے اور اس سے دونوں طرح کے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

اس لیئے تذکرہ نگار حضرات کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے قدیم تذکرہ نگار حضرات میں شہزادہ دارا شکوہ (سفینۃ الاولیاء) مولانا جامی (نفحات الانس) اور مولانا سید عبدالحی (نزہتہ الخواطر) اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں۔ صاحبِ خزینۃ الاصفیا نے بھی اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔ البتہ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنی کتاب تصوف اسلام میں لکھا ہے

"قید ازدواج سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے محبت قائم ہو گئی تھی اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان اتنا مجمل ہے کہ تفصیلات کا پتہ نہیں چلتا۔" ؎۱

سید صباح الدین عبدالرحمٰن بزم صوفیہ میں لکھتے ہیں؛

"تعلقات زناشوئی سے پاک رہے کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنے سے ان کو بچا لیا۔ ؎۲

؎۱ تصوف اسلام، ۷۴ طبع اعظم گڑھ بھارت۔
؎۲ بزم صوفیہ، ۷، طبع اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء۔

Marfat.com

ڈاکٹر ظہور الدین احمد لکھتے ہیں :

جناب سید ہجویری نے شادی نہیں کی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری [1]

نکلسن مقدمہ کشف المحجوب میں لکھتا ہے۔

کشف المحجوب کے ایک ٹکڑے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو متاہل زندگی کا مختصر مگر ناشگوار تجربہ ہوا شیخ محمد اکرام "آب کوثر" میں لکھتے ہیں۔

آپ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں واضح واقفیت نہیں ملتی [2]

مذکورہ بالا آراء کے بالکل ہی برخلاف رائے مولوی محمد دین فوق کی ہے فرماتے ہیں۔

حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا" یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی میں میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی میں بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی کیونکہ حضرت نے کشف المحجوب اور

---

[1] پاکستان میں فارسی ادب ۱: ۱۲۴ طبع لاہور۔

[2] آب کوثر ۸۰۱ طبع لاہور۔

کشف الاسرار میں عورتوں سے خدا کی پناہ طلب کی ہے اور ان کی ذات کو فتنہ و فساد کا مخزن قرار دیا ہے [۱]

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اپنے تحقیقی مقدمہ بر ترجمہ کشف المحجوب میں لکھا ہے:

"حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شادی کی تھی اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔ [۲]

قبل اس کے کہ ان تمام آراء پر غور کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کشف المحجوب کے متن پر اچھی طرح غور و فکر کیا جائے اور عبارت کو اس کے سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھا جائے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "باب آدابهم فی التزویج والتجرید" اور اس سلسلے میں اولاً قرآنی آیات اور متعدد احادیث سے استشہاد فرمایا ہے پھر اس موضوع سے متعلق مشائخ صوفیہ کی رائے اور آراء کے اختلاف کا ذکر فرمایا۔ سب کے دلائل بیان کیے۔ اور ہر مکتب فکر سے متعلق آداب ذکر کئے اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"مرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام ازپس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود تقدیر کرد تا بفتنہ در افتادم وظاہر و باطنم اسیر صفتے شد کہ با من کردند بے ازانکہ رویت بودہ بود و یکسال مستغرق آں بودم چنانکہ نزدیک

---

[۱] سوانح حیات علی ہجویری: ۲۴-۲۵

[۲] حکیم موسیٰ امرتسری: مقدمہ ترجمہ کشف المحجوب: ۲۱ طبع لاہور ۱۳۹۶ھ

Marfat.com

بود کہ دین بر من تباہ شدے تاحق تعالیٰ بکمال فضل وتمام لطف خود
عصمت خود باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی
داشت والحمدللہ علیٰ جزیل نعمائیہ [1]

ترجمہ: اور مجھ کو کہ میں علی بن عثمان جلابی ہوں اس کے باوجود کہ گیارہ سال شادی کی آفت سے محفوظ رکھا تھا تقدیر الٰہی سے میں فتنے میں پڑ گیا اور میرا ظاہر و باطن ان اوصاف کا اسیر ہو گیا جو لوگوں نے (اس عورت کے) بیان کئے تھے بغیر اس کے کہ دیدہ ہوئی ہوتی اور ایک سال میں (اس کے خیال میں) غرق رہا یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور تمام مہربانی سے اپنی عصمت میرے بیچارہ دل کے استقبال کے لیے بھیجی اور (اپنی رحمت سے مجھے رہائی عطا فرمائی اللہ کے اس بے حد انعام پر اس کا شکر ہے۔

حکیم موسیٰ امرتسری صاحب نے "از پس آنکہ" کا ترجمہ "اس کے بعد" کیا ہے جس سے فوراً ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ آپ نے شادی کی تھی اور آپ کی اہلیہ وفات پا چکی تھیں یا بقول نکلسن "شادی کا ناخوشگوار تجربہ ہوا تھا جو بہت مختصر تھا۔ لیکن ضروری ہے کہ پورے باب یعنی "باب آدابہم فی التزویج والتجرید" کا بغور مطالعہ کیا جائے اور سیاق و سباق کے تناظر میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا جائزہ لیا جائے اس وقت ممکن ہے کہ ہم کسی صحیح فیصلے پر پہنچ سکیں۔ (واللہ ہو المستعان)۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آداب التزویج والتجرید کے آغاز

---

[1] کشف المحجوب: ۴۷۶ (طبع ایران موسسہ مطبوعاتی امیر کبیر۔)

Marfat.com

میں ایک آیت کریمہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ اور دو احادیث (جو صحاح ستہ کی ہیں) کے ذریعہ نکاح کی فضیلت پر استشہاد کیا ہے۔ اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عام مردوں اور عورتوں کے لیے نکاح مباح ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو حرام سے نہیں بچ سکتے فرض ہے اور ان کے لیے سنت ہے جو اہل وعیال کے حقوق ادا کر سکتے ہوں۔ پھر آگے چل کر ایک حدیث سے (وہ بھی صحاح ستہ کی ہے) یہ واضح فرمایا ہے کہ اگر ایسی مومنہ اور موافق طبع عورت مل جائے جس کی صحبت میں دینی امور کے انجام دہی میں قوت حاصل ہو اور پریشانی کے عالم میں وہ مونس وغم خوار ہو اور تنہائی کا احساس نہ ہونے دے تو وہ لائق ترجیح ہے یہ تو عمومی احکام شریعت آپ نے بیان فرمائے آگے چل کر آپ نے سالکین کے لیے اصول بتلائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ درویش (سالک) کو چاہیئے کہ اپنے احوال پر نظر کرے اور تزویج وتجرید میں جو آفتیں ہیں ان کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرے کہ ان دونوں میں سے کون سی آفت اہون البلیتین ہے تجرید میں دو آفتیں ہیں ایک سنتوں میں سے ایک سنت کا ترک کرنا دوسری دل اور جسم میں شہوت کی پرورش کرنا اور اس بات کا خطرہ کہ کہیں وہ حرام کاری میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی طرح تزویج میں بھی دو آفتیں ہیں ایک تو غیر اللہ کے ساتھ دل کی مشغولی اور دوسری حظ نفس کی خاطر جسم کا مشغول ہونا۔ آگے چل کر فرمایا شادی عزلت گزینی میں مزاحم ہوتی ہے لہٰذا اصول یہ قرار پایا کہ جو لوگ مخلوق کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہیں ان کے لیے شادی کرنا شرط ہے۔ اور جو لوگ عزلت گزین اور گوشہ نشین بن کر رہنا چاہیں ان کے حق میں تجرید ہی بہتر ہے اگر کوئی سالک نکاح

کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھے متبلاً اپنی اہلیہ کے لیے وجہ حلال سے نان و نفقہ کا بندوبست کرے ۔ حلال رقم سے اس کا حق مہر ادا کرے اور جب تک اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کوئی حق اس پر باقی رہے (مثلاً نماز فرض یا واجب یا معمولات اوراد و وظائف) نفسانی لذات میں مشغول نہ ہو ۔ البتہ اپنے ورد و وظائف کی ادائیگی کے بعد وظیفہ زوجیت کو ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ تاہم اس کی ادائیگی سے قبل اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وجہ حلال سے میری خواہش پوری کر دے تاکہ میں حرام سے بچوں اور اس وظیفہ کو اولاد صالح کے حصول کا ذریعہ بنا دے ۔ درویش کو چاہیے کہ اہل و عیال کی وجہ سے دنیا کو حرام ذریعہ سے حاصل نہ کرے ورنہ ناقابل تلافی نقصان اٹھائے گا ۔ ان تمہیدات کے بعد حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں ممکن نہیں کہ (اہل اللہ) کی طبیعت کے موافق عورت ملے اور شاید اسی وجہ سے صوفیائے کرام کی ایک جماعت نے تجرید کو تزویج پر ترجیح دے رکھی ہے اور اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے ۔ آخری زمانے میں خفیف الحال لوگ بہترین مخلوق میں ہونگے صحابہؓ نے دریافت کیا حضور صلی اللہ علیک خفیف الحال لوگوں سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ لوگ جن کے بیوی بچے نہ ہوں" اور اہل طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بہترین اور افضل ترین لوگ وہ ہیں جو مجرد رہتے ہیں ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں ۔ خوشبو ۔ عورت ۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اس اعتبار سے اگر دیکھیں تو تزویج افضل ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو فن مجھے

Marfat.com

پسند ہیں۔ ایک فقر دوسرے جہاد تو اول الذکر حدیث سے دلیل پکڑنے والے ان دو فنون کو کیوں نہیں اختیار کرتے؟ بات اصل میں یہ ہے کہ آدم پر پہلا فتنہ عورت ہی کی وجہ سے آیا۔ ایسے ہی ہابیل و قابیل کے فتنے کا سبب بھی عورت ہی بنی۔ اللہ تعالیٰ نے جب دو فرشتوں کو گرفتار عذاب کرنا چاہا (ہاروت و ماروت) تو اس کا سبب بھی عورت ہی بنی۔ اس وقت سے لے کر ہمارے زمانے تک تمام دینی اور دنیوی فتنے عورت ہی سے پھوٹتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میرے مابعد کے دور میں مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں" (یہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے) پس جب عورتوں میں بظاہر اتنے فتنے ہیں تو باطن میں کتنے فتنے ہوں گے۔

"اور مجھ کو کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں گیارہ سال سے آفت تزویج سے محفوظ رکھا تھا۔[1]

اس عورت کے خیال سے رہائی پانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"مختصر یہ کہ صوفیہ نے اس طریقت کے قواعد کو تجرید پر مبنی کیا ہے جب تزویج آتی ہے تو کاروبار طریقت دگرگوں ہو جاتا ہے۔

الغرض حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت:

و مرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود تقدیر کرد تا بفتنہ افتادم الخ پر:

---

[1] کشف المحجوب: ص ۴۷۶

مندرجہ بالا سیاق و سباق کی روشنی میں غور کرنے کے بعد مذکورہ زیریں نکات مستفاد ہوتے ہیں۔

۱۔ عام مردوں اور عورتوں کے لیے نکاح مباح ہے۔ وہ لوگ جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتے اور اندیشہ ہو کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے ان پر نکاح کرنا فرض ہے اور جو اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے لیے سنّت ہے۔

۲۔ درویش اور سالکین کو چاہیے کہ تجرید و تزویج کے مابین اپنی استطاعت کے مطابق انتخاب کریں اور ان میں سے جو چیز زیادہ آسان نظر آئے اسے اختیار کریں۔

۳۔ وہ سالکین جو فنائے نفس کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد دوسروں کی اصلاح پر مامور ہوں اور انہیں مخلوق کے ساتھ رہنا پڑے ان کے لیے تزویج ضروری ہے (تاکہ ان کا نفس مامون رہے) مگر حلال نان و نفقہ اور مہر کا انتظام انہیں کرنا ہو گا البتہ جو لوگ گمنامی اور گوشہ نشینی میں زندگی گزارنا چاہیں اور وہ اصلاح و ارشاد پر مامور نہ ہوں (جنہیں اولیائے مستورین کہا جاتا ہے) ان کے حق میں تجرید ہی بہتر ہے (یہ حضرتؒ کا مشورہ ہے)۔

۴۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ان کے دور میں ایسی مومنہ عورت کا ملنا جو شریعت و طریقت کے تمام مقتضیات کو پورا کر سکے محال ہے۔ اور اسی لیے صوفیائے کبار نے تجرید کو تزویج پر ترجیح دی ہے۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں جس میں خفیف الحال لوگوں کو افضل قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ

Marfat.com

حدیث بھی تھی جس میں عورتوں کو سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ کہا گیا ہے۔

۶۔ فرماتے ہیں کہ جب عورتوں میں بظاہر اتنے فتنے ہیں تو باطن میں کتنے فتنے ہوں گے۔

۷۔ تجرید میں ترک سنت کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے اس کا آپ نے ایک الزامی جواب دے دیا ہے کہ سنت صرف نکاح ہی تو نہیں ہے جہاد اور فقر بھی تو سنت ہے تو الزام عائد کرنے والے جہاد سے کیوں دست کش ہیں

ان تمام بیانات کے بعد آپ اپنا واقعہ زنا دیدہ عورت کے خیال میں مستغرق ہونے کا بیان فرماتے ہیں)

اور جس جگہ اس واقعہ کا بیان ختم ہوتا ہے اپنے اکابر طریق رحمہم اللہ اجمعین کا مسلک نقل فرماتے ہیں کہ :

درجملہ قاعدۂ ایں طریق بر تجرید نہادہ اند چوں تزویج آمد کار دگر گوں شد[1]

(الغرض اکابر نے اس طریقت کے اصول تجرید پر مبنی کئے ہیں جب تزویج آتی ہے تو کاروبار طریقت دگر گوں ہو جاتا ہے۔

ان نکات کی روشنی میں یہی بات سمجھ آتی ہے کہ آپ نے تجرید اختیار فرمائی اس لیے کہ :

(الف) آپ عام لوگوں میں نہ تھے اور شدید ریاضتوں کے بعد آپ نے نفس کو مغلوب کر لیا تھا۔ اس لیے حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ تھا آپ نے چالیس سال کا عرصہ سفر میں گزارا بھلا آپ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ حقوق زوجیت

---

[1] کشف المحجوب ۴۷۶، (موسسہ مطبوعات امیر کبیر) تہران۔

ادا کرتے جبکہ حقوق نہ ادا کرنے پر آپ کی عند اللہ گرفت ہوسکتی تھی لہٰذا آپ نے تزویج پر تجرید کو ترجیح دی ہوگی۔

(ج) اسی کتاب کے ابتدائی مباحث (سوانحی حصہ میں) عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے شیخ کی طرح آپ بھی پردہ خمول و گمنامی میں رہنا چاہتے تھے اور اسی لیے لاہور میں آپ نے سلسلہ بیعت و ارشاد نہیں پھیلایا لہٰذا غالب گمان یہی ہے کہ آپ نے اپنے لیے تجرید ہی کی راہ پسند فرمائی ہوگی۔

(د) شریک حیات کے لیے آپ نے از روئے حدیث ایک معیار مقرر فرما لیا تھا اور آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ اس معیار کی مومنہ ملنا اس دور میں ناممکن ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ساری زندگی مجرد رہے۔ اگر آپ کے معیار کی مومنہ ملی ہوتی تو آپ اس کا تذکرہ اور کچھ نہیں تو تحدیث نعمت کے طور پر ضرور فرماتے۔

(ہ) بخاری و مسلم کی صحیح روایات کے حوالہ سے آپ نے عورتوں کو مابعد کے زمانے میں سب سے ضرر رساں فتنہ قرار دیا اگر اس کے بعد آپ خود اس فتنے میں گرفتار ہو جاتے تو آپ کے اس قول کی کیا وقعت ہوتی۔ لہٰذا یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ نے اپنی ذات کو اس سب سے ضرر رساں فتنے سے ضرور محفوظ رکھا ہوگا۔

تجرید پر بحوالہ ترک سنت اعتراض کرنے والوں کو جو شخص الزامی جواب دے رہا ہو اس سے یہ امید کرنا کہ اس نے خود تجرید کو ترک کر کے اپنی ذات کو آفت تزویج میں گرفتار کر لیا ہوگا خلاف عقل ہے لہٰذا راقم الحروف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لئے راہ تجرید ہی منتخب فرمائی اور ساری عمر اسی پر کاربند رہے اسی لیے پوری کتاب میں کہیں نہ اہلیہ محترمہ کا کوئی تذکرہ ہے نہ اولاد امجاد کا۔

Marfat.com

مزید برآں یہ کہ آپ نے اس باب میں المفردون (اکیلے رہنے والوں) اور خفیف الحال لوگوں کی تعریف سے متعلق احادیث نقل کی ہیں غالباً ان احادیث کے ذریعہ آپ اپنی تجرید کے لیے جواز ظاہر کرنا چاہتے تھے۔
یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسی باب میں آگے چل کر آپ نے اپنے رفیق (جو ہند میں بھی آپ کے ہمراہی تھے) حضرت احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے کہ:

"ان سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کو شادی کی حاجت نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا "کیوں"؟ فرمایا "میں اپنے احوال میں غائب رہتا ہوں کبھی اپنی ذات سے بھی اور کبھی حاضر ہوتا ہوں۔ جب غائب ہوتا ہوں تو مجھ کو تین میں سے کوئی بھی چیز یاد نہیں رہتی اور اگر حاضر ہوتا ہوں تو میرے نفس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر اسے ایک روٹی مل جائے تو ایسا سمجھتا ہے گویا کہ اسے ہزاروں حوریں مل گئی ہوں" [۱]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ایک رفیق سفر جو آپ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے ساری زندگی مجرد رہے۔ دوسرے رفیق حضرت شیخ ابو سعید ہجویری تھے ان کے بارے میں بھی کوئی ایسی تاریخی روایت نہیں ملتی کہ انہوں نے شادی کی تھی۔
آدمی اپنی طبیعت اور رجحان کے مطابق رفیق اختیار کرتا ہے۔

A man is known by the company he keeps.

(آدمی اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے)

---

[۱] کشف المحجوب: ۷۷،۴ (طبع تہران)

Marfat.com

ایک مشہور انگریزی ضرب المثل ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین رفقاء (۱) حضرت علی ہجویری (۲) حضرت احمد حماد سرخسی (۳) حضرت ابوسعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے درمیان راہ طریقت کے اشتراک کے ساتھ ساتھ قدر مشترک "تجرید" بھی تھی۔ اس گفتگو کی روشنی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قول :

"و مرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود الخ

کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "پہلے ذکر کی ہوئی احادیث دربارۂ فتنہ زنان کی وجہ سے میں گیارہ سال تک آفت تزویج سے محفوظ رہا۔"

اگر یہ معنی مراد لیے جائیں تو کوئی محذور لازم نہ آئے گا، ورنہ خواہ مخواہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت نے پہلے ایک مرتبہ شادی کی تھی اور ان کی بیوی کی وفات ہوگئی۔

ان مباحث اور اس تجزیہ کا مقصود کسی تذکرہ نگار کی رائے کی تغلیط نہیں ہے کیونکہ ہر آدمی اپنے اپنے زاویۂ نظر اور تحقیق کے مطابق رائے قائم کرتا ہے میں ہر محقق اور تذکرہ نگار کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اپنا یہ تجزیہ اس امید میں پیش کر رہا ہوں کہ اصحاب علم و بصیرت دیگر آراء کے ساتھ اس پر بھی غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب" میں "کشف المحجوب" کے بہت سے مندرجات پر نہایت تلخ انداز میں انتقاد کیا ہے۔ مثلاً حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے

Marfat.com

کہ" داتا صاحب نے عمر بھر شادی نہیں کی کیونکہ ان کی نگاہ میں ازدواجی زندگی فقر و درویشی میں حارج ہو سکتی ہے" حالانکہ گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہوگا کہ "تزویج یا تجرید" کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کیا رائے ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ ایک حدیث کو وضعی قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ اگر روایت مذکورہ وضعی تھی تو ڈاکٹر صاحب کو چاہیئے تھا کہ اسناد و رجال کے حوالہ سے اس کا وضعی ہونا ثابت کرتے۔

موصوف آگے لکھتے ہیں:

"یعنی آخری زمانے میں سب سے اچھا وہ شخص ہوگا جو خفیف الحال ہو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ خفیف الحال کون ہے فرمایا وہ شخص جس کے اہل و اولاد نہ ہو۔ یہ حدیث بھی وضعی معلوم ہوتی ہے۔"

حالانکہ کتب احادیث میں متعدد مقامات پر یہ حدیث مذکور ہے۔ ایک مقام پر ہے۔

فقد قال صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس بعد المأتین خفیف الحال الذی لا اھل لہ ولا ولد۔

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو صدیوں بعد بہترین لوگ وہ ہونگے جو خفیف الحال ہوں یعنی ان کے بیوی بچے نہ ہوں)

اس روایت کو ابو یعلی نے حضرت حذیفہؓ کے حوالہ سے خطابی نے عزلت کے بیان میں حضرت ابو امامہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ [1]

---

[1] الغزالی: احیاء علوم الدین: ۲: ۳۰: طبع مصر ۱۳۸۷ھ

Marfat.com

اور ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کو وضعی فرمادیا۔ اور کوئی حوالہ بھی نہیں دیا۔ ماشاء اللہ۔

ایک صحاح ستہ کی روایت پر جسے امام ابوداؤد اور نسائی نے اپنے سنن میں نقل کیا ہے اور اسناد پر کوئی جرح بھی نہیں کی ہے ڈاکٹر صاحب موصوف نے بے بنیاد اعتراض کر دیا ہے۔

جب کہ حضور کا ارشاد ہے:

تنکحوا وتکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط۔

ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں:

"دوسری حدیث اس حد تک تو درست ہے کہ مردوں پر فرض ہے کہ نکاح کریں تاکہ عورتیں حفاظت میں آجائیں لیکن دوسرا حصہ یعنی امت میں اندھا دھند اضافہ ہو کر رسول خدا اپنی امت کی کثرت پر فخر کریں مشتبہ ہے پیغمبر صرف تعداد پر فخر نہیں کر سکتے"۔ [۱]

گویا فخر کرنے کے لیے (نعوذ باللہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاکٹر صاحب موصوف سے مشورہ کرنا چاہیے تھا کہ کس پر فخر کریں اور کس پر نہ کریں چونکہ انہوں نے مشورہ نہیں کیا اس لیے صحاح کی اس روایت کو اس بندۂ خدا نے مشتبہ قرار دے دیا۔ بعض ماڈرن لوگ دراصل قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے خیال و نظریات کو نہیں تولتے بلکہ "تعلیم افرنگی" کے تحت خود ایک نظریہ یورپ سے مستعار لیتے ہیں (جیسے برتھ کنٹرول کا نظریہ) اور اس پر قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تولتے ہیں اور جب وہ قول استادانِ فرنگ کے نظریہ پر پورا نہیں اترتا تو جھٹ اسے "مشتبہ"

---

[۱] [illegible] ۱۴۲۰

Marfat.com

قرار دیتے ہیں۔ یہاں تفصیل سے بحث کی گنجائش نہیں ہے صرف یہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن معقل بن یسار قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اصبت امرأۃ ذات جمال وحسب وانہا لا تلد افاتزوجہا قال لا ثم اتاہ الثانیۃ فنہاہ ثم اتاہ الثالثۃ فقال تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم [1]

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک عورت مجھے مل رہی ہے جو حسن وحسب والی ہے لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس عورت سے شادی کرلوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں پھر وہ دوسری مرتبہ آیا پھر آپ نے اسے منع فرمایا پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ نے فرمایا "محبت کرنے والی اور اولاد کو جنم دینے والی عورتوں سے شادی کیا کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعہ کثرت امت چاہتا ہوں"۔

صحاح ستہ کی یہ روایت ہمارے ڈاکٹر صاحب کے خیال پر پوری نہیں اترتی اس لیے حضرت نے اسے مشتبہ قرار دے دیا اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر بزعم خود تنقید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] ابو داؤد: ۱: ۲۸۰ طبع کانپور
سنن نسائی: ۲: ۵۸ طبع نور محمد کراچی

Marfat.com

"اپنے اس آخری خیال کی تائید میں رسول خدا کی حدیث پیش کی ہے۔ ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء صفحہ ۴۷۵ یعنی میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر زیادہ ضرر رساں فتنہ نہیں چھوڑا یہ تو عورت کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی ہے کہ اس کو اس قدر محقر اور ذلیل بنایا جائے۔" [1]

ذرا اس تنقید کی زبان ملاحظہ کیجیے کہ ایک قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرماتے ہیں اور نہایت بے باکی اور بے ادبی سے فرما دیتے ہیں کہ:

"یہ تو عورت کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی ہے۔"

یعنی (العیاذ باللہ) اس ظلم اور ناانصافی کا مرتکب اس ذات والاصفات کو قرار دیا جا رہا ہے جس کا وجود مبارک و مسعود قیامت تک کے لیے "منارہ عدل و انصاف" ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مورد الزام حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھہراتے ہیں۔ اس حدیث کی بھی حیثیت دیکھ لیجیے۔

عن اسامۃ بن زید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء [2]

ترجمہ: حضرت اسامہ رضؓ بن زید سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں سے بڑھ کر مردوں کے لیے کوئی زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

---

[1] پاکستان میں فارسی ادب ۲: ۱۴۲، ۱۴۳۔

[2] صحیح بخاری شریف ۲: ۷۶۳ (کتاب النکاح) طبع کرزن پریس دہلی۔

Marfat.com

صفحہ ۱۴۵ پر اسی کتاب میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"فتنہ فساد کے معنوں میں نہیں بلکہ آزمائش کے معنوں میں ہے۔

اگر ڈاکٹر صاحب ہی کی بات مان لی جائے تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت انسان کے لیے ہر حال میں بڑی آزمائش کی چیز ہے ؟ یا آج کے دور ہی میں دیکھ لیں کہ کس طرح ہمارے بازار ہماری تقریبات اور ہماری مجالس میں میک اپ کر کے عورتیں خود کو نمایاں کر رہی ہیں ایسے مواقع پر کیا وہ لوگ جو پاکبازی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں آزمائش میں گرفتار نہیں ہوتے ؟ کیا عورتوں کی اس روش نے آج دنیا کو انواع و اقسام کے فتنوں سے بھر نہیں دیا ہے ؟ پھر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارشاد فرمادیا اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپ کے ایک مستند قول کو نقل فرمادیا تو عورتوں پر کون سا بڑا ظلم ہوگیا ؟ ظاہر ہے کہ یہ جملہ مطلق نہیں ہے نہ یہ حکم ہر عورت پر لگایا جارہا ہے۔ استثناء تو اس طرح کی عبارتوں میں محذوف ہوتا ہی ہے۔

رہا سوال ہبوط آدم میں عورت کا حصہ یا ہابیل وقابیل اور ہاروت ماروت کے واقعات میں عورت کا کردار تو یہ باتیں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے نہیں لکھی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور تفسیر وحدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں تفصیل کا موقع نہیں ہے اس لئے حوالے درج کر رہا ہوں۔ امام فخرالدین رازی کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۹ ، اور صفحہ ۲ سے صفحہ ۱۱ تک ملاحظہ فرمائیں یہ تفسیر مصر میں چھپی ہے۔

Marfat.com

بارھویں فصل

حضرت ہجویریؒ کا مسلک

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت والجماعت کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے اس بات کا آپ نے کشف المحجوب میں متعدد مقامات پر تذکرہ فرمایا ہے:

فقہی مسالک میں آپ حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بڑی عقیدت و محبت سے تذکرہ فرمایا ہے:

"ومنہم امام جہان و مقتدائے خلقان، شرف فقہا و عز علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزازؓ ویرا اندر عبادت و مجاہدت قدمے درست بودست واندر اصول ایں طریقت شانے عظیم داشت لہ

ترجمہ: اور انہیں میں امام جہان، مخلوق کے مقتدا، شرف فقہا اور عز علما حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ عبادت و ریاضت میں صحیح راستے پر تھے اور طریقت کے میدان میں بھی ان کی عظیم شان تھی۔

ایک مقام پر لکھا ہے۔

"وے استاد بسیار کس بود از شائخ چوں ابراہیم ادہم و فضیل بن عیاض و داؤد طائی و بشر حافی و بجز ایشاں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۲ہ

ترجمہ: وہ (امام ابوحنیفہ) مشائخ میں سے بہت سے حضرات کے استاد اور پیشوا تھے مثلاً ابراہیم ادہم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی و بشر حافی رحمہم اللہ اجمعین

لہ کشف ۱۱۳۶ طبع تہران

۲ہ ایضاً """"

Marfat.com

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"منکہ علی بن عثمان الجلابی ام وفقنی اللہ بشام بودم بر سر خاک بلال رضؓ موذن رسول علیہ السلام خفتہ خود را بمکہ اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدے و پیرے را اندر کنار گرفتہ چنانکہ اطفال را گیرند بشفقت من بیش ودیدم و بر دست و پایش بوسہ دادم و اندر تعجب آں بودم تا آں کیست و اندر آں حالت چیست وے بحکم اعجاز بر باطن و اندیشہ من مشرف شد گفت ایں امام تو و اہل دیار تست و مرا بداں خواب امیدے بنزرگشت با اہل شہر خود درست گشت ازیں خواب کہ وے یکے از آنہا بود ست کہ از اوصاف۔ طبع فانی بودند و باحکام شرح باقی و بداں قائم چنانکہ برندہ وے پیغمبر بود علیہ السلام اگر او خود رفتے باقی الصفتہ بودے و باقی الصفت یا مخطی بود یا مصیب و چوں برندہ وے پیغمبر بود علیہ السلام فانی الصفت باشد ببقاء صفت پیغمبر علیہ السلام و چوں بر پیغمبر علیہ السلام خطا صورت نگیرد بر آنکہ بدو قائم بود نیز صورت نگیرد و ایں رمزے لطیف است [1]

ترجمہ: میں کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں اللہ مجھے نیک توفیق دے حضرت بلالؓ کے مزار پر شام میں میں رات کے وقت سو رہا تھا کہ میں نے خود کو خواب میں مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ باب بنی شیبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور ایک بوڑھے کو شفقت سے اس طرح گود میں لیے ہوئے ہیں جیسے کہ بچوں

---

[1] کشف المحجوب: ۱۱۷ طبع تہران

Marfat.com

کو لیا جاتا ہے۔ میں دوڑا ہوا آگے بڑھا اور آپ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا لیکن میں سخت تعجب میں تھا کہ یہ کون آدمی ہے اور اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کیوں لیے ہوئے ہیں۔ بطور معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے باطن اور میرے خیال پر مطلع ہو گئے آپ نے ارشاد فرمایا "یہ تیرا اور تیرے علاقہ کے لوگوں کا امام ہے" مجھے اس خواب سے اہل علاقے کے لوگوں کے بارے میں اچھی امیدیں ہو گئی ہیں (کہ وہ لوگ راہ راست پر ہیں) اور اس خواب سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں ہیں جو اپنے ذاتی اوصاف سے فانی ہو جاتے ہیں اور شرع کے احکام کے ساتھ باقی رہتے ہیں اس طرح کہ ان کے اٹھانے والے حضرت پیغمبر علیہ السلام تھے اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود چلتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ باقی ہیں اور جو شخص اپنی صفات کے ساتھ باقی ہوتا ہے وہ یا غلطی کرتا ہے یا پھر صحیح فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ ان کے لیجانے والے پیغمبر علیہ السلام تھے اس لیے یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فانی الصفت ہیں اور صفت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ باقی ہیں اور چونکہ پیغمبر علیہ السلام سے خطا کا صدور نہیں ہو سکتا تو امام صاحب جو پیغمبر علیہ السلام کی صفت کے ساتھ باقی ہیں ان سے بھی (استنباط مسائل میں) خطا صادر نہیں ہو سکتی یہ بڑا لطیف اشارہ ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ عظیم ہے۔ اور آپ نے دین اسلام کی اپنے اجتہاد کے ذریعہ جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں تاریخ اسلام میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے اسی لیے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی

Marfat.com

سیرت اور مناقب پر گراں قدر کتابیں تصنیف کی گئیں اور عرصہ سے مسلم امہ کا ایک بہت بڑا طبقہ ان کا مقلد ہے۔ مگر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خواب کی توجیہ بیان فرماتے ہوئے ایک عجیب و لطیف نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا فانی الصفت باقی بصفت پیغمبر علیہ السلام ہونا ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی اتباع میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر مستغرق ہوئے کہ انہوں نے اپنی صفات کو صفات رسالت میں فنا کر دیا جو شے اپنے وجود کو کسی دوسرے وجود میں فنا کرتی ہے اسی وجود کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک قطرہ جب تک دریا سے الگ ہے ایک حقیر قطرہ ہے لیکن جب وہی قطرہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے اور اپنا وجود سمندر کے وجود میں فنا کر دیتا ہے تو وہ سمندر کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ غالب نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

ے عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

یا کہا:

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے   کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے

اسی سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی اقوال و آراء کی ثقاہت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کے بموجب وہ تو اپنے قدموں پر چل ہی نہیں رہے ہیں نبوت ان کو اٹھائے ہوئے طی منازل کرا رہی ہے طی منازل سے مراد اس مقام پر مادی سفر طے کرنا نہیں ہے بلکہ مراد علمی و فقہی سفر بصورت اجتہاد و استنباط مسائل ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خواب جہاں ان کے لیے باعث طمانیت

Marfat.com

تھا وہاں ان لوگوں کے لیے بھی باعث صد طمانیت ہے جو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔

تیرھویں فصل

وفات

دیگر سوانحی حالات کی طرح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے بارے میں بھی تذکرہ نگار حضرات کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

قدیم ترین ماخذ نفحات الانس اور سفینۃ الاولیاء میں واضح بات نہیں ہے نفحات الانس میں تو جامی نے تاریخ وفات ذکر ہی نہیں کی ہے۔

سفینۃ الاولیاء کا جو ترجمہ کراچی سے شائع ہوا ہے اس میں ہے کہ:[1]

"آپ کی وفات سنہ ۴۵۶ھ یا سنہ ۴۵۴ھ کو ہوئی" سید عبدالحی حسنی نے نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے:

مات لعشر بقین من ربیع الثانی سنۃ خمس وستین واربع مأۃ بمدینۃ لاھور فدفن بھا وقبرہ ظاھر مشھور یزار ویتبرک بہ[1]

ترجمہ: ربیع الثانی کی ۲۰ تاریخ کو سنہ ۴۶۵ھ میں لاہور میں ان کی وفات ہوئی۔ اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ ان کی قبر معروف ہے اس کی زیارت کی جاتی اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے

---

[1] سفینۃ الاولیا مترجم: ۲۱۰ طبع کراچی

[2] نزہۃ الخواطر ۱: ۶۷

Marfat.com

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں:

"وفات آں جامع الکمالات بقول صاحب سفینۃ الاولیاء در سال چار صد وچار یا شصت وشش است وصاحب نفحات الانس واخبار الاصفیا باقوال معتبر سال وفات وے سن چار صد وشصت وپنج تحریر می فرمایند واندرون چار دیواری مزار پر انوار ہم بر دروازہ اندرونی قطعۂ تاریخ کہ حاصل آں چار صد وشصت وپنج است تحریر است۔[1]

ترجمہ: اور آنجناب جامع الکمالات کی وفات بقول صاحب سفینۃ الاولیاء سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۶ھ اور صاحب نفحات الانس واخبار الاصفیا معتبر اقوال کے حوالہ سے آپ کی وفات کا سال ۴۶۵ھ یا ۴۶۶ھ تحریر کرتے ہیں۔ اور حضرت کے مزار مبارک کی چہار دیواری کے دروازے پر جو قطعۂ تاریخ وفات درج ہے اس سے بھی ۴۶۵ھ نکلتا ہے۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء کے اس قول پر ملک کے مشہور محقق اور عالم ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کی رائے کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں

افسوس ہے کہ جناب شیخ کے شخصی حالات بہت کم محفوظ رہے ہیں آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں اور تاریخ وفات جو مشہور ہے وہ بھی یقینی نہیں ان کے لاہور آنے کا زمانہ، ان کے قیام لاہور کی مدت ان میں سے کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ بعض باتیں جو انہوں

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، ص ۲۳۴

نے اپنے متعلق کشف المحجوب میں لکھ دی ہیں۔ صرف انہیں پر اعتماد ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ان کی تاریخ وفات کے سلسلے میں بھی اسی کتاب سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ سفینۃ الاولیا مطبوعہ میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ ان کی وفات کی تاریخ ۴۵۶ھ ہے اور ایک روایت کی رو سے ۴۶۴ھ ہے (مگر خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ سفینہ میں ۴۶۴ھ اور ۴۶۶ھ دیا ہے) اسی طرح خزینۃ الاصفیا ہی میں ہے کہ نفحات الانس میں آپ کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ دی ہے۔ مگر نفحات کے مطبوعہ اور قدیم قلمی نسخوں میں جو میں نے دیکھے ہیں کہیں آپ کی تاریخ وفات درج نہیں ہے۔ بہرحال آپ کے احاطہ مزار میں دو جگہ جامی لاہوری کے دو قطعات تاریخ میں ۴۶۵ھ ہی تاریخ دی ہے اور یہی تاریخ مآثر الکرام، حدائق الحنفیہ اور نزہتہ الخواطر میں اختیار کی گئی ہے مگر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ اس سے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔" [1]

مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں۔

"سال وفات میں اختلاف ہے مزار پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے اس میں ۴۶۵ھ درج ہے اور دوسرے قرینے بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ [2]

شیخ محمد اکرام نے تاریخ وفات کے بارے میں لکھا ہے:

---

[1] مقالات دینی و علمی، ۱: ۲۳۰۔

[2] تصوف اسلام، ۹۱۔

Marfat.com

"آپ کی وفات ۴۶۵ھ میں یعنی ۱۰۷۲ء کے قریب ہوئی" [1]

غرضکہ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اکثر تذکرہ نگار حضرات نے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی مانی ہے۔ مثلاً حکیم سید امین الدین۔ استاد نفیسی [2] ہدایت حسین ربو۔ رحمان علی۔ ملک الشعراء بہار۔ اسماعیل پاشا بغدادی سید صباح الدین۔ وغیرہم۔ پروفیسر نکلسن نے قیاساً ۴۶۵ھ ۴۶۹ھ دیا ہے۔

معروف تاریخ وفات سے عدول کرنے والوں میں سب سے پہلے ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کا نام آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"مفصل بحث کا یہ مقام نہیں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں متعدد معاصر شیوخ کا ذکر بصیغہ ماضی کیا ہے مثلاً کہا ہے کہ فلاں بزرگ زہد و تقویٰ اور صلاحیت میں ایسے ایسے تھے اب ان بزرگوں کی وفات کی تاریخیں دیکھیں تو وہ ۴۷۹ھ تک پہنچتی ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ حضرت شیخ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب ہجویری کی وفات ۴۷۹ھ یا اس کے بعد ہوئی ہوگی [3]

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سن وفات کے مسئلہ پر سب سے زیادہ مضبوط اور تحقیقی رائے عبدالحی حبیبی کی ہے۔ [4]

---

[1] بحوالہ تذکرہ علی بن عثمان! نسیم چودھری ۸۸۔

[2] آب کوثر: ۷۷۔

[3] مقالات دینی و علمی: ۲۳۰۔

[4] حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۶۰ء

Marfat.com

حبیبی کا موقف یہ ہے :

"علی ہجویری غزنوی علیہ الرحمۃ نے لازمی طور پر ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی" [۱]

اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے حبیبی نے بہت سے استدلال کئے ہیں ان میں قوی ترین استدلال استاد قشیری کے حوالے سے ہے لکھتے ہیں :

"کشف المحجوب میں آپ نے متعدد مقامات پر استاد موصوف کے ارشادِ گرامی کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے" از استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ شنیدم (صفحہ ۲۰ و ۲۰۵ و ۳۶۸ طبع سمرقند) اب چونکہ استاد قشیری کا سال وفات عام مورخین کے صحیح قول کے مطابق ۴۶۵ھ ہے (وفیات الاعیان ابن خلکان جلد ۲ - ۳۷۵ ببعد) اس لیے ماننا پڑے گا کہ ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب کو ۴۶۵ھ کے بعد تک لکھتے رہے ہیں"

علامہ عبدالحی بن العماد الحنبلی نے بھی شذرات الذہب میں حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات وہی دیا ہے جو حبیبی صاحب ابن خلکان کے حوالے سے بتلا رہے ہیں۔ ۴۶۵ھ میں وفات پانے والے معروف حضرات کے باب میں ابن العماد لکھتے ہیں۔

وفیها ابوالقاسم القشیری عبد الکریم بن هوازن النیشابوری الصوفی الزاهد شیخ خراسان واستاذ الجماعة ومصنف الرسالة توفی فی ربیع الآخر وله تسعون سنة روی

---

[۱] اورینٹیل کالج میگزین محولہ بالا : ۱۴

عن ابی الحسین الخفاف و ابی نعیم و طائفۃ قال ابوسعد السمعانی لم یر ابوالقاسم مثل نفسہ ولد سنۃ ست وسبعین وثلثمائۃ فی ربیع الاول وتوفی فی صبیحۃ یوم الاحد قبل طلوع الشمس سادس عشر ربیع الآخر[1]

ترجمہ: اور اسی ۴۶۵ھ میں ابوالقاسم قشیری عبدالکریم بن ہوازن نیشاپوری صوفی زاہد شیخ خراسان علماء کی ایک جماعت کے استاد رسالہ (قشیریہ) کے مصنف کی ربیع الثانی میں وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر نوے برس تھی۔ انہوں نے حدیث کی روایت ابوالحسین الخفاف ابونعیم اور محدثین کی ایک جماعت سے کی ہے۔ ابوسعد سمعانی نے کہا ہے کہ ابوالقاسم نے اپنے جیسا آدمی اپنے دور میں نہیں دیکھا۔ ان کی ولادت ۳۷۵ھ ربیع الاول میں ہوئی اور وفات اتوار کی صبح سورج طلوع ہونے سے قبل ربیع الآخر کی ۱۶ رتاریخ کو ہوئی۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ کے دور میں رسل ورسائل کی وہ آسانیاں موجود نہیں تھیں جو آج کل ہیں لہٰذا ظاہر ہے کہ حضرت استاد قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع پہنچتے پہنچتے کم از کم ایک سال تو لگا ہی ہوگا۔ اس لئے جیبی کا یہ استدلال درست معلوم ہوتا ہے کہ

"ہجویریؒ نے کشف المحجوب کو قشیری کے سال وفات ۴۶۵ھ (جس کو اکثر مؤرخین نے ہجویریؒ کا سال وفات لکھا ہے) کے بعد مکمل کیا ہے اور اس سال کے بعد لاہور میں بقید حیات

---

[1] عبدالحی بن العماد الحنبلی: شذرات الذھب: ۳: ۳۱۹ و بعد طبع مصر ۱۳۵۰ھ

Marfat.com

تھے"۔ [1]

جیبی کی ایک دوسری دلیل بھی کافی وقیع ہے - وہ یہ کہ ہجویریؒ نے (ابوالحسن سالبہ ابراہیم) کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے :

"شیخ الشیوخ ابوالفتح (الحسن) سالبہ افصح اللسان بود و شیخ ابوالفتح سالبہ مر پدر را خلفے نیکو و امید وار است۔"

ترجمہ : پدر اور پسر کے اس ذکر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جب کشف المجوب کا یہ حصہ زیر تحریر تھا شیخ ابوالفتح کے والد فوت ہو چکے تھے لیکن خود ابوالفتح بقید حیات تھے۔

المنتظم میں ابن جوزی اور نفحات میں مولانا جامی کی توضیح کے مطابق ابوالحسن سالبہ نے سال ۴۶۳ھ میں وفات پائی پس اس سے بات ثابت ہوتی ہے کہ کشف المجوب ۴۶۳ھ کے بعد ختم ہوئی [2]

جیبی کی یہ دلیل بھی لائق اعتناء ہے کہ

"شیخ ہجویریؒ اپنے زمانے کے بزرگان صوفیہ میں سے ایک بزرگ ابوعلی فضل بن محمد فارمدی کا ذکر ابقاہ اللہ کے دعائیہ جملہ کے ساتھ فرماتے ہیں (ص ۲۱۱) اور فارمدی موصوف نے ۴۷۷ھ میں انتقال فرمایا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ ۴۷۷ھ کے بعد بھی زندہ رہے اور آپ نے کشف المجوب کی تکمیل ۴۷۷ھ کے بعد کی ہے" [3]

---

[1] جیبی : ۳۴-۳۵

[2] ایضاً

[3] جیبی : ۳۵ اورنٹیل کالج میگزین : فروری ۱۹۶۰ء : ص ۴۱

Marfat.com

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ بھی عبدالحی حبیبی نے متعدد وزنی دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۴۶۵ھ میں نہیں ہوئی بلکہ بقول ان کے حضرت کا وصال ۴۸۱ھ سے ۵۰۰ھ کے عرصے میں ہوا۔

چونکہ قدیم زمانے میں سن اور تاریخ کو محفوظ رکھنے کا زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا تھا اور زیادہ تر سنی سنائی روایات ہی پر اعتماد کر لیا جاتا تھا اس لیے راقم الحروف کے خیال میں ۴۶۵ھ والی روایت کمزور ہے اور کشف المحجوب کی داخلی شہادت سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی کہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۵ھ کے بعد تک زندہ رہے غالب گمان ہے کہ آپ کی وفات ۴۸۵ھ میں ہوئی۔

چودھویں فصل

مدفن و مزار حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

تقریباً سبھی تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات لاہور میں ہوئی اور آپ اسی جگہ آسودۂ لحد ہیں

"آئین اکبری میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ" آپ نے لاہور میں انتقال فرمایا اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے جہاں آپ کے مرقد پر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔" [۱]

---

[۱] بحوالہ تذکرہ علی بن عثمان : ۱۰۴

Marfat.com

سید عبدالحی لکھتے ہیں:

مات — بمدینۃ لاھور فدفن بھا و قبرہ ظاھر
مشھور یزار و یتبرک بہ [1]

ترجمہ: آپ نے شہر لاہور میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن کئے گئے۔ اور آپ کی قبر ظاہر و مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے:

"آپ کی وفات ۴۵۶ھ یا ۴۵۴ھ کو ہوئی قبر مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔ [2]

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

و قبر مبارک شیخ ہم موافق مسجدوے است۔ [3]

ترجمہ: اور شیخ کی قبر مبارک ان کی مسجد کے متصل ہے۔

چشتی صاحب نے لکھا ہے:

"بیچ میں مزار پر انوار حضرت کی ہے اور دو قبریں دوسری ایک تو شیخ احمد حماد سرخسی اور دوسری شیخ ابو سعید ہجویری کی کہ یہ دونوں حضرت کے پیر بھائی آپ کے ہمراہ تشریف

---

[1] نزہتہ الخواطر ۱: ۶۷

[2] سفینۃ الاولیاء مترجم ۲۱۰ (طبع کراچی)

[3] خزینۃ الاصفیاء ۲۳۳

Marfat.com

لائے تھے پہلے یہ مزار سلطان محمود غزنوی کے برادر زادہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوائی اور چبوترہ اور نواح مزار اسی کا تعمیر کردہ ہے[1]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

اور اب بارہ سو اٹھتر میں مسمی نور محمد سادھو نے ایک گنبد بالائے پنجرہ چوبی تعمیر کرایا ہے اور پنجرہ سے لے کر تا عمارت گنبد ڈاکٹر محمد حسین متعینہ میڈیکل کالج نے آئینے چاروں طرف لگوائے ہیں۔"[2]

اسی سے ملتی جلتی باتیں غالباً اسی کی بنیاد پر خزینۃ الاصفیاء میں بھی ہیں[3]

مزار مبارک کی ڈیوڑھی سے اندر داخل ہوتے ہی صحن مزار اور مسجد کا جو دروازہ ہے اس پر جامی لاہوری کا یہ قطعہ تاریخ وفات درج ہے:-

خانقاہ علی ہجویری است
خاک جاروب از درش بردار

---

[1] تحقیقات چشتی: ۱۰۸۰ء

[2] ایضاً۔

[3] صفحہ ۲۳۳۔

طوطیا کن بدیدۂ حق بیں
تاشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود
سال وصلش برآید از سردار

(۴۶۵ھ)

اس وقت تو روضۂ مبارک میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور حضرت کی مسجد کی توسیع کے لیے ایک ماسٹر پلان تیار ہو کر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب سے منظور بھی ہو چکا ہے الحمدللہ مسجد کا کام نہایت تیزی سے جاری ہے امید ہے کہ انشاءاللہ العزیز بہت جلد یہ کام تکمیل پذیر ہو جائے گا۔

مدفن کے بارے میں ایک نظریہ

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بارے میں داراشکوہ کے اس جملے سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ

"قبر مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے"[1]

اس غلط فہمی اور ابہام کو ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نے یوں رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔

"داراشکوہ نے کہا ہے کہ قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے یہ کچھ عجیب سا بیان ہے اس لیے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ

---

[1] سفینہ ۲۱۰۔

کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانے میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحبؒ کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نالی نے جو ۱۶۱۱ء میں یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد ۱/۲ ۶ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا اسی ترتیب سے ان مواضع کا ذکر کیا ہے گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے"[1]

الغرض صحیح بات یہی ہے کہ جہاں اس وقت حضرت کا مزار ہے یہی مرکز تجلیات و مصدر انوار و فیوض ہے۔ داراشکوہ کے بیان کی مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اب کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریبی عہد میں لاہور کے ایک صاحب کشف بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار قلعہ میں ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ صاحب کشف کا کشف (اگر وہ قرآن و سنت متواترہ سے متصادم نہ ہو تو) اس کے لیے حجت ہو سکتا ہے دوسروں کے لیے حجت نہیں۔ دوسرا یہ کہ جہاں حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ابوالمعالی قادری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر کا کشف صریح ہو اور ان حضرات کے چلہ گاہ محسوس شکل میں موجود

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب بحوالہ مقدمہ حکیم موسیٰ امرتسری ۱۲ ؛

ہوں۔ جس مزار کی تعمیر سلطان ابراہیم بن مسعود کے ہاتھوں ہوئی ہو اور سلطان محمد غوری سلطان شمس الدین التمش، بلبن، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور شہزادہ دارا شکوہ جیسے حکمرانوں نے جہاں حاضری دی ہو اور اس وقت سے لے کر آج تک روزانہ ہزاروں آدمی مسلسل و متواتر بغرض زیارت حاضری دیتے ہوں اس مقام کے بارے میں یہ شک کرنا کہ لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدفن کو بھول گئے ہوں گے نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ بہت بڑی زیادتی ہے

راقم الحروف خود ایسے اکابر کو جانتا ہے جو کشف القبور کا ملکہ رکھتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔

پندرھویں فصل

حضرت ہجویریؒ کی کرامات

کرامت کے موضوع پر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تفصیلی بحث کشف المحجوب میں کی ہے انشاء اللہ وقت آنے پر اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ ہوگا۔ یہاں مقصود صرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کا مختصراً جائزہ لینا ہے تاہم ضروری ہے کہ بالاختصار اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کرامت کے بارے میں بیان کر دیا جائے، تاکہ کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

جملہ علمائے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ:

کرامات الاولیاء حق والولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب مایمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشہوات [1]

---

[1] النسفی عبیداللہ بن احمد بن محمود والتفتازانی الشارح: شرح العقائد: ص ۱۰۱ طبع کراچی

ترجمہ: اولیاء کی کرامات برحق ہیں اور ولی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات کی ممکن حد تک معرفت رکھنے والا، پابندی سے عبادات ادا کرنے والا، معاصی سے پرہیز کرنے والا اور لذتوں اور شہوات سے گریز کرنے والا ہو۔[1]

شرح عقائد میں "ولی اللہ" کی جو تعریف بیان کی گئی ہے ہمارے ممدوح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف صادق آتی ہے اس لئے آپ سے بے شمار کرامات کا صدور ہوا۔

ایک تو آپ کی تیار کردہ مسجد اور خانہ کعبہ کے درمیان کے حجابات کا اُٹھ جانا اور سینکڑوں حاضرین کا بچشم سر بحالت بیداری "کعبہ مکرمہ" کو دیکھ لینا ہے۔

"بعض تذکروں میں ایک جوگی کا بھی واقعہ درج ہے جو شہر کے گوالوں سے دودھ لیتا اور جو دودھ نہ دیتا اس کے جانور کے تھن سے دودھ کے بجائے خون آنے لگتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے گوالوں کو منع فرمایا اور خود ان سے دودھ خریدتے تھوڑا سا پی لیتے اور باقی دریا میں ڈال دیتے اس سے بڑی برکت ہوتی اس جوگی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مقابلہ کرنا چاہا اور ہوا میں اڑنے لگا پھر حضرتؒ نے اپنا جوتا اچھالا اور وہ اس کے سر پر برسنے لگا۔ آخر وہ تائب ہو کر مسلمان ہوا حضرت نے اسکی روحانی تربیت فرمائی[2]

---

[1] النسفی عبید اللہ بن احمد بن محمود والتفتازانی الشارح: شرح العقائد: ۱۰۱ طبع کراچی
[2] تذکرہ علی بن عثمان ہجویری: ۷۵: ۱۱۱

Marfat.com

کرامت عقلی

ولایت چونکہ نبوت سے مستفاد ہوتی ہے اس لیے ولی کی کرامت بھی نبی کے معجزے کا ظل ہوتی ہے اور جس طرح معجزے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک حسّی اور دوسرے عقلی۔ حسی وہ جو انسان کو فوراً محسوس ہو جاتے ہیں مثلاً عصا کا سانپ بن جانا۔ لوہے کا ہاتھ میں لیتے ہی موم ہو جانا۔ مردے کا جی اٹھنا۔ یا چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور عقلی مثلاً قرآن کریم کہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا زندۂ جاوید معجزہ ہے۔ اسی طرح کرامت بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک حسی اور دوسری عقلی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے بعض اولیاء کو دونوں قسم کی کرامتیں (حسی اور عقلی) عطا فرماتا ہے۔ ان کے ذریعہ لاکھوں گم کردہ راہ ہدایت پاتے کافر مسلمان ہوتے اور فاسق و فاجر گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسان تقویٰ اور پارسائی کی اعلیٰ منزلیں طے کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو یہ کرامتیں نظر نہیں آتیں۔ لیکن دلوں کو پھیر دینا اور ان کی تاریکی کو دور کرکے انہیں صداقت و معرفت کے انوار سے منور کر دینا ایسی کرامت ہے جس کا فیضان صدیوں جاری رہتا ہے۔

ہمارے ممدوح و مخدوم حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار چونکہ اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور مشیئت ایزدی کو منظور تھا کہ آپ کے وجود مسعود کے ذریعہ کفرستان ہند میں پرچم اسلام بلند ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں طرح کی کرامتوں سے نوازا تھا۔ آپ کی مجلس گہر بار کچھ ایسی وجد آفریں اور کیف آگیں تھی کہ ناممکن تھا کہ کوئی جائے اور خالی ہاتھ واپس چلا آئے۔ اس طرح قیام لاہور کے زمانے میں ہزاروں ہی افراد آپ کے فیضان صحبت سے مستفیض اور انوار ہدایت سے مستنیر ہوئے۔ اسے آپ کی کرامت عقلی کا نام دیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ آپ کی تصنیف "کشف المحجوب" آپ کی زندۂ جاوید کرامت ہے۔ کیونکہ اس کتاب نے فارسی بولنے اور سمجھنے والے علاقہ کے بسنے والوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔

Marfat.com

باب چہارم

تصانیف

پہلی فصل

روسی مستشرق ژوکوفسکی نے مقدمہ کشف المحجوب میں کشف المحجوب ہی کے حوالے سے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی نو تصنیفات گنوائی ہیں جن میں آخری تصنیف دراصل کشف المحجوب ہی کا ایک باب ہے۔ اس نے کشف الاسرار کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی متنازعہ فیہ ہے۔ مستشرق مذکور کشف المحجوب کو "شاہکار رجلابی" کہتا ہے۔ ژوکوفسکی کے حوالے سے حضرت کی تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ دیوان شعر اس کے بارے میں حضرت علیہ الرحمۃ نے خود فرمایا ہے کہ ایک شخص مجھ سے مانگ کر لے گیا اور ہر جگہ سے میرا نام مٹا کر اپنا نام لکھ کر شائع کر دیا۔ اس طرح میری محنت رائیگاں گئی۔[۱]

۲۔ کتاب فنا و بقا جسے حضرت نے نوجوانی کے زمانے میں تالیف فرمایا تھا۔[۲]

۳۔ اسرار الخرق والمؤنات خرق عادات کے بارے میں حضرت کی یہ اہم تصنیف تھی۔[۳]

---

[۱] کشف المحجوب ۲، طبع تہران۔

[۲] ″ ″ ۶۷۔

[۳] ″ ″ ۶۳۱۔

Marfat.com

۴ - الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ | توحید کے موضوع پر یہ ایک مفصل تصنیف تھی۔[1]

۵ - کتاب البیان لاہل العیان | ابتدائی حالات میں جمع و تفرقہ کی کیفیت سے جب آدمی گزرتا ہے اس زمانے کے معاملات و مسائل سے متعلق یہ کتاب تھی۔[2]

۶ - نحو القلوب | جمع کے موضوع پر سیر حاصل مباحث کا مجموعہ تھا[3]

۷ - منہاج الدین | طریق تصوف پر ایک مبسوط کتاب تھی۔[4]

۸ - ایمان | اسمیں مشائخ رحمہم اللہ کے عقیدے اور ایمان سے متعلق مباحث تھے[5]

۹ - فرق فرق | ملاحدہ نے حضرت حلاج کی محبت و اتباع کا دعویٰ کیا اور ان کے کلام سے اپنی زندقیت کو سہارا دینے کی کوشش کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تردید میں یہ لکھا اور بعد میں بقول حکیم موسیٰ امرتسری یہ باب کشف المحجوب میں شامل کر دیا گیا۔

---

[1] کشف المحجوب: ص ۳۶۰

[2] ایضاً: ۳۳۳

[3] ایضاً

[4] ایضاً ص ۹۶، ۹۷

[5] ایضاً: ص ۳۶۸

Marfat.com

۱۰۔ کشف الاسرار: یہ ایک مختصر سا فارسی متنازعہ فیہ رسالہ ہے اس سے متعلق مباحث انشاءاللہ العزیز آگے آئیں گے۔ سوائے عنا اور کشف المحجوب کے حضرت کی مذکورہ بالا تمام تالیفات امتداد زمانہ کے باعث ضائع ہو گئیں۔

کشف الاسرار ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور حکیم موسیٰ امرتسری نے اس رسالہ کو جعلی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"کشف الاسرار کو ایک رسالہ سمجھنا چاہیئے جو خاص موضوع سامنے رکھ کر مرتب نہیں کیا گیا اور نہ اسے ابواب و فصول میں تقسیم کیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیر ہیں جو اپنے مرید کو مخاطب کر کے وعظ کہہ رہے ہیں[1]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"مذکورہ بالا باتیں ایسی ہیں جن سے یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سید علی ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) نے ہی لکھا ہو گا لیکن زبان و بیان کی خامیاں اور تاریخی غلطیاں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم اس رسالے کو داتا صاحب کی تالیف نہ سمجھیں۔[2]

ڈاکٹر صاحب کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت نے "سخنان بسیار برائے طالبان خود دارم" فرمایا ہے ایک صوفی پاکباز اور عالم اپنے مریدوں کو کبھی طالبان خود کے لقب سے

---

[1] پاکستان میں فارسی ادب: ۱۵۴۔

[2] ایضاً صفحہ ۱۵۵۔

Marfat.com

نہیں پکارتے اسی طرح سید صاحب نے مشائخاں استعمال کیا ہے
کشف المحجوب میں جب مشائخ استعمال کیا ہے تو یہاں مشائخاں کیوں
استعمال کرتے ؟

۲۔ کشف المحجوب کی تکمیل کے بارے میں اس رسالے میں حضرت نے فرمایا:
"کشف المحجوب را بمحبت قلبی درمیان اندک مدت تمام کردہ
بودم۔"
حالانکہ اتنی عظیم کتاب "اندک مدت" میں تمام نہیں ہو سکتی۔

۳۔ کشف الاسرار کی زبان کے متعدد نمونے پیش کر کے ڈاکٹر صاحب
نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ غزنوی عہد کی زبان نہیں ہو سکتی۔

۴۔ "اے علی! ترا خلق میگوید گنج بخش" گنج بخش لقب سے حضرت اپنی
زندگی میں مشہور نہیں ہوئے تھے۔

۵۔ "اے علی! تو یوسف کنعانی" اس سے تکبر کی بو آتی ہے۔

۶۔ رسالے کی زبان دیسی فارسی ہے۔ جو حضرت کی زبان نہیں ہو سکتی۔

انہیں سے ملتے جلتے دلائل حکیم موسیٰ امرتسری نے بھی دیئے ہیں جن کا
خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ کشف الاسرار سبک ہندی میں ہے جبکہ کشف المحجوب کی نثر دور سامانیاں
کی ہے۔

۲۔ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے مگر
کشف الاسرار کا واضع لکھتا ہے:
"بفہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مشت گرد ہستی۔"
ترجمہ: بالفرض اگر تو ہفت ہزاری بھی ہو گیا تو کیا ہوا۔ ایک مٹھی خاک کے

Marfat.com

سوا تو کیا ہے۔

۳۔ آخر میں سعدی کا مصرع لکھا ہے:

؎ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ترجمہ: پیغمبروں کے ذمہ صرف بات پہنچا دینا ہے۔

۴۔ کشف الاسرار اور کشف المحجوب کے بیانات میں تضاد ہے۔ مثلاً کشف المحجوب میں ولادت جلاب ہے اور کشف الاسرار میں ہجویر۔ اس لیے کہ آپ نے کشف المحجوب میں "علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری" لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ پہلے جلاب میں تھے پھر ہجویر تشریف لے گئے۔

۵۔ کشف المحجوب میں آپ نے عشق مجازی سے نجات پر اللہ کا شکریہ ادا کیا ہے جبکہ کشف الاسرار میں معشوق پر فدا ہونے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

۶۔ کشف المحجوب میں آپ نے ظاہر کیا ہے کہ میں لہانور میں ناجنسوں میں قید ہوں جبکہ کشف الاسرار میں لاہور کے ماحول کو "جنت نشان" بتلا رہے ہیں۔[1]

راقم الحروف نے زیر تالیف کتاب کی گنجائش کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہاں اس لیے ذکر کر دیا ہے تاکہ رسالہ مذکور کی حیثیت کو متعین کرتے وقت یہ باتیں بھی پیش نظر رہیں۔

تذکرہ علی بن عثمان ہجویری از نسیم چودھری کے مقدمہ میں پروفیسر شریف کنجاہی نے چند ایسی باتیں لکھی ہیں جن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے فرماتے ہیں:

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب ترجمہ مولانا ابوالحسنات ۲۱، ۲۲، ۳۷۔

Marfat.com

"لیکن ان تمام شواہد کو وقتی طور پر تسلیم کر لینے کے باوجود جو حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب نے کشف الاسرار کے جعلی ہونے کی دلیل میں پیش کئے ہیں بعض شواہد ایسے بھی ہیں جن کی بنا پر خود ڈاکٹر صاحب کو بھی کشف الاسرار پر حضرت مخدومؒ کی تصنیف کا گمان ہوتا ہے اور چونکہ ان سے منسوب اس نام کی تصنیف کا ذکر تذکروں میں آرہا ہے اس لیے اسے داتا صاحب ہی کی تصنیف یا فوائد الفواد کے انداز میں تحدیث مان لینا نامناسب نہیں ہے۔

۲۔ کشف الاسرار پر کئے گئے اعتراضات میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے —— مثلاً جہاں تک راقم الحروف سمجھ سکا ہے کشف الاسرار کی اس عبارت سے معشوق حقیقی مراد ہے۔

۳۔ ڈاکٹر صاحب نے کشف الاسرار میں حضرت مخدوم کے اپنے آپ کو یوسف کنعانی کہنے پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے غرور کی بو آتی ہے۔ حالانکہ یہاں یوسف کنعاں میں غریب الوطنی اور "درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم" والی کیفیت کی طرف لطیف اشارہ ہے۔

۴۔ کشف الاسرار میں "نواحی لاہور را جنت مثال یافتم" کو حکیم صاحب نے "من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم" کے الٹ جانتے ہوئے لکھا ہے کہ داتا صاحب لاہور کو "جنت مثال" کیونکر لکھ سکتے تھے۔ لیکن جب تک یہ عقدہ کھل نہیں جاتا کہ داتا صاحب لاہور ایک بار آئے یا دو بار اس وقت تک کسی ایک رائے کے حق میں دوسری رائے کا در بند

Marfat.com

نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی بار وہ اس لہانور میں آئے ہوں جسے بشیر احمد سعدی نے ملتان کے قریب ایک گاؤں بتلایا ہے اور کہا ہے کہ گاؤں کا نام بہنور ہے جسے کاتبوں نے لہنورا اور پھر لہانور لکھا اور زاں بعد اسے لاہور ہی سمجھ لیا گیا۔ اور اگر سعدی صاحب کی بات مان لی جائے تو ممکن ہے دوبارہ جب حضرت مخدوم پنجاب میں آئے اور لاہور میں قیام پذیر ہوئے تو اپنے پہلے تجربے کی روشنی میں اسے جنت مثال ہی پایا ہو۔ [1]

رسالہ کشف الاسرار کے سلسلے میں دونوں قسم کے آراء اور دلائل کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام کو کسی قدر دلائل کی حیثیت کا اندازہ ہو جائے۔ ویسے اس طرح کے معاملات پر رائے دینے سے قبل یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ محقق کو چاہیے کہ ابتداءً وہ خالی الذہن ہو اور اپنے نظریہ کو تحقیق کے پیچھے پیچھے چلائے۔ اگر غلطی ہو جائے تو رجوع کرنے میں عار نہ محسوس کرے۔

ڈاکٹر ظہور الدین صاحب کے انداز تحقیق سے تو ہمیں یہی اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اپنا سارا زور قلم "کشف الاسرار" کو جعلی ثابت کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ "طالبان خود" کہنا حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شان سے بعید ہے، حالانکہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر صاحب فرمائیں کہ "فلاں شخص میرا اسٹوڈنٹ ہے" یا میرا طالب علم ہے۔ یوں بھی عموماً خانقاہوں میں آج تک یہ لفظ بولا جاتا ہے کہ "فلاں شخص طالب (بمعنی سالک)

---

[1] مقدمہ: ۱۰، ۱۴ پروفیسر شریف کنجاہی۔

بنا ہے" اس مقام پر یہ ہرگز مراد نہیں ہوتی کہ "پیر صاحب کا طالب بنا ہے بلکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا طالب بنا ہے۔ لہٰذا اگر کہا جائے کہ زید میرا طالب ہے اور مقتضائے حال سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ زید طالب علم یا سالک ہے تو مراد یہی ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا طالب میرے ذریعہ بنا ہے۔ تفاخر نہیں ڈاکٹر صاحب کے یوسف کنعانی والے اعتراض کا پروفیسر شریف کنجاہی نے معقول جواب دیدیا ہے۔

۲۔ اسی طرح اندک مدت والا اعتراض ہے یعنی وقت اور فاصلہ اعتباری چیزیں ہیں کسی کے اعتبار سے کچھ اور کسی کے اعتبار سے کچھ مثلاً دو آدمی کراچی جا رہے ہیں ایک شخص ہوائی جہاز سے اور دوسرا بیل گاڑی سے دونوں نے ایک گھنٹہ سفر کیا ایک گھنٹے کے بعد ہوائی جہاز کا مسافر اگر اپنے ساتھی سے دریافت کرے کہ کراچی کتنی دور رہ ہے؟ تو اس کا ساتھی تبلائے گا کہ بس اب آیا ہی چاہتا ہے اور اگر بیل گاڑی والے سے ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد اس کا ساتھی دریافت کرے کہ کراچی کتنی دور ہے تو اس کا ساتھی جواب دے گا کہ ابھی کراچی کا مذکور ہی کیا ہے! ابھی تو کراچی کا نام بھی نہ لو۔ معلوم ہوا کہ وسائل۔ اور فاصلے کے اعتبارات مختلف ہوتے ہیں ممکن ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اندک مدت دس برس ہوا اور ہمارے نزدیک دس دن۔ لہٰذا اس لفظ کو بنیاد بنا کر اعتراض کرنا شاید مناسب نہ ہو۔

۳۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ممکن ہے کشف الاسرار میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہوں جسے جامع نے اپنے الفاظ میں جمع کر دیا ہو اور ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب کو زبان میں نقص نظر

Marfat.com

آ رہا ہو۔

۳۔ مناصب کے بارے میں ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب نے جو اعتراض وارد کئے ہیں اس کا جواب نسیم چودھری نے درست دیا ہے کہ "مناصب تو امیر تیمور صاحب قران کے زمانے میں بھی موجود تھے"۔ [1]

۴۔ حکیم صاحب موصوف نے کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے مابین جن تضادات کی نشان دہی فرمائی ہے ان میں سے بعض کا جواب کنجاہی صاحب نے دیدیا ہے۔ رہا تضاد "جلابی اور ہجویری" کا یہ ایسا تضاد نہیں جو لائق اعتنا ہو۔ کیونکہ ہزار سال کے لگ بھگ کا عرصہ گزرا ہے بہت سے واقعات میں تقدم تاخر کا امکان ہے اس لیے حتماً یہ کہنا کہ حضرت ہجویری کی ولادت جلاب ہی میں ہوئی درست نہیں ممکن ہے کہ ولادت ہجویر میں ہوئی ہو اور ان کی والدہ انہیں انہی ایام میں لے کر جلاب چلی گئی ہوں۔ اس لئے اس طرح کا تضاد دکھلانا مفید مطلب نہیں۔

۵۔ اس موقع پر یہ عرض کر دینا ضروری تصور کرتا ہوں کہ کسی تصنیف کو عجلت سے "جعلی اور وضعی" قرار دیدینا یہ مغربی محققین کا وطیرہ ہے مغرب میں تو عرصہ تک یہ بات زیر بحث رہی کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام" کا وجود بھی تھا یا نہیں؟ اور محققین کا ایک اچھا خاصا طبقہ برسوں یہ ثابت کرتا رہا کہ ان کا وجود فرضی ہے۔ اس نام کا کوئی آدمی گزرا ہی نہیں۔ [2]

۶۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اگر "کشف الاسرار نام کی حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] تذکرہ علی بن عثمان: ۱۳۳۔

[2] حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو خطبات مدراس سید سلیمان ندوی۔

Marfat.com

کی کوئی تصنیف یا ملفوظات نہیں ہیں تو ثقہ تذکرہ نگاروں نے جن میں یورپ کے بھی ایک محقق یعنی نکلسن شامل ہیں اس کتاب کا تذکرہ کیوں کیا ہے؟ الغرض پروفیسر شریف کنجاہی نے اپنے مقدمہ میں جو انداز اختیار فرمایا ہے وہ بہت دھیما اور گہرے غور و فکر پر مبنی ہے ریسرچ ہو رہی ہے۔ ہونے دیجئے بہت ممکن ہے کہ آئندہ کوئی نئی تحقیق سامنے آجائے اگر اسی سٹیج میں کسی کتاب کو جعلی قرار دے دیا گیا تو تحقیق و جستجو کا یہ عمل مفلوج ہو جائے گا۔

اگر کوئی چیز زبان کے معیار پر نہیں ہے یا سعدی شیرازی کا کوئی مصرع درج ہو گیا ہے تو اسے الحاقی کہیئے یا کاتب صاحب کی کرم فرمائی قرار دیجئے فوراً جعلی اور وضعی ہونے کا یک طرفہ فیصلہ صادر نہ فرمائیے۔

دوسری فصل

کشف المحجوب — حضرت علی ہجویریؒ کی زندۂ جاوید کرامت

گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ دسویں اور گیارہویں صدی میں صوفیائے کرام نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تاکہ ملاحدہ اور حلولیوں نے تصوف کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلا دی تھیں اور جن کے نتیجے میں علمائے ظاہریہ سمجھنے لگے تھے کہ تصوف اسلامی شریعت سے کوئی متصادم اور متضاد نظریہ و طریق ہے ان کا ازالہ ہو سکے۔ یہ شیخ ابو النصر السراج کی کتاب اللمع اور شیخ ابوبکر کی کتاب التعرف یا رسالہ قشیریہ وغیرہ اسی سلسلے کی کوششیں ہیں۔ مگر یہ ساری کتابیں عربی میں تھیں جن سے فارسی بولنے والے علاقے کے عوام مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ فارسی میں سب سے پہلی کتاب اس موضوع پر کشف المحجوب ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف المحجوب" میں اپنی تقریباً نو دس تالیفات کا تذکرہ

Marfat.com

فرمایا ہے لیکن دستبرد زمانہ سے وہ سارہی کی ساری تالیفات ضائع ہوگئیں۔ "کشف المحجوب" کا محفوظ رہ جانا شاید حضرت کی کوئی کرامت ہی ہے ورنہ یہ کتاب بھی معرض تلف میں تھی۔

محققین وصوفیہ کی رائے

تمام اکابر صوفیہ، تذکرہ نگار اور محققین بالاتفاق کشف المحجوب کی عظمت کو تسلیم کرتے اور اس کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔ مثلاً خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

می فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی
ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز
اگر کسے را پیرے نہ باشد چوں ایں کتاب را
مطالعہ کند او را پیدا شود من ایں کتاب را
بہ تمام مطالعہ کردم [۱]

ترجمہ: حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشف المحجوب حضرت شیخ علی ہجویری قدس اللہ روحہ العزیز کی تصنیف ہے اگر کسی کا پیر نہ ہو جب وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اسے پیر مل جائے گا میں نے اس کتاب کا بتمام وکمال مطالعہ کیا ہے

مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے۔

کنیت وے ابوالحسن است عالم و عارف بودہ مرید شیخ ابوالفضل
بن حسن ختلی است و بصحبت بسیارے از مشائخ رسیدہ است

---

[۱] درر نظامی بحوالہ تصوف اسلام ۵۲

Marfat.com

وصاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ
دریں فن است از وے کہ لطائف وحقائق بسیار دراں کتاب جمع کردہ
است [1]

ترجمہ: آپ کی کنیت ابوالحسن ہے عالم وعارف تھے شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے ہیں آپ کشف المحجوب کے مصنف ہیں جو اس فن میں معتبر ومشہور کتابوں میں ہے انہوں نے اس کتاب میں بہت سے لطائف وحقائق کو جمع کیا ہے۔

داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے۔

آپ کا تمام خاندان زہد وتقویٰ کے لیے مشہور تھا آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ کشف المحجوب زیادہ مشہور ہے اور کسی کو اس کتاب (کے مندرجات) پر کوئی اعتراض نہیں یہ کتاب درحقیقت ایک کامل رہنما ہے اور کتب تصوف میں ایک مرشد کامل فارسی زبان میں ایسی کامل کتاب تصنیف نہیں ہوئی آپ کے خوارق وکرامات بیشمار ہیں بارہا آپ نے تجرید وتوکل پر سفر کیا ہے۔ [2]

روسی مستشرق ژوکوفسکی نے اپنے مقدمے میں کشف المحجوب کو حضرت جلابی کا شاہکار قرار دیا ہے [3]۔ کشف المحجوب کے بارے میں نکلسن لکھتا ہے [4]:

It's object is to set forth a complete system of Sufism, not to put together a great number of Sayings by different Shaykhs, but to discuss and explained the doctrines and practices of the Sufis.[1]

---

[1] نفحات الانس: ۲۱۸۔ طبع لاہور سٹیم پریس۔ [2] سفینۃ الاولیاء (مترجم): ۲۱۰۔
[3] مقدمہ مصحح: ۴۹۔
[4] [1] Preface: XX Translation of Kashful-Mahjoob by Nicholson

ترجمہ: اس کا (کشف المحجوب کا) مقصود یہ ہے کہ تصوف کو بطور ایک نظام کے مدون کر دیا جائے اور مختلف شیوخ کے اقوال جمع کرنے کے بجائے صوفیہ کی تعلیمات اور اشغال کی تشریح و توضیح کی جائے

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں۔

اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالہ "القشیریہ" ہے موضوع اس کا بھی تصوف ہے دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے برخلاف اس کے مخدوم ہجویریؒ ایک محققانہ و مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر ردو قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے اس لیے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔ [1]

سید صباح الدین عبدالرحمٰن حضرت ہجویری کی دیگر تصانیف کے نام گنوانے کے بعد لکھتے ہیں؛

> لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے ——
>
> کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابوسعید ہجویری کا ایک استفسار ہے جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) سے سمجھنا چاہتے ہیں اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی

---

[1] تصوف اسلام: ص ۵۳-۵۴

Marfat.com

ہے اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے۔" ؎۱

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"کتاب میں اسلامی تصوف کا بہت بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اولیائے عظام کی کرامات اور خوارق کا بھی ذکر ہے نیز ان کے بیسیوں اقوال اور نصائح کے ساتھ اوصاف حسنہ صبر و قناعت، ایثار و سخاوت، ہمت و استغنا، صداقت و اخلاص کی وہ سچی تابناک مثالیں پیش کی ہیں جو ان بزرگوں کے فضل و شرف کی اصلی برہان اور اسلامی تہذیب و اخلاق کی عظمت کی دلیل ہیں۔ مزید برآں مصنف تحقیق پسند تھے اور تحقیق کا بھی بہت بلند پایہ مجتہدانہ معیار ان کے پیش نظر تھا ___ تمثیلات میں اخلاق و الہیات کے معارف بکھرے پڑے ہیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں اسی طرح جگہ جگہ نفس انسانی کی وہ کوتاہیاں بھی منظر عام پر لائے ہیں جن تک بزرگان باعمل ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہے ؎۲

لوئی عباسی نے "کشف المحجوب" کے دیباچے میں زیر عنوان "تجلیات تصوف ایرانی" "ملک الشعراء بہار" کا یہ قول کشف المحجوب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ

"کتاب نفیسے است کہ در ادبیات فارسی بے نظیر است بزبان

؎۱ بزم صوفیہ: ۹-۱۰

؎۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) ۹: ۹۳-۹۴

فارسی بسیار سادہ و بسبک قدیم تالیف شدہ است ؎۱

ترجمہ: یہ کتاب (کشف المحجوب) ایک نفیس کتاب ہے اور فارسی ادبیات میں بے نظیر، نہایت سادہ سبک قدیم فارسی میں تالیف کی گئی ہے۔

ایم۔ اے مجید یزدانی کشف المحجوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کشف المحجوب میں سادگی و بلاغت کا بڑا حسین امتزاج نظر آتا ہے اس سے درمیانہ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں اور علماء و صوفیاء بھی۔ اسلامی تڑپ دل میں رکھنے والے اس سے فیض یاب ہو سکتے ہیں تو ظاہر پرستوں کی قلعی بھی اس سے کھل جاتی ہے یہ کتاب اپنے وقت کی پکار ہے ؎۲

ایک مقام پر یزدانی صاحب لکھتے ہیں:

"اعلائے کلمۃ اللہ کے ایسے ہی مخلص و مقتدر داعی علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جنہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کی سادہ و سہل تعلیمات اور غیر پیچیدہ و واضح اصول و عقائد شرک و توہمات میں گھر گئے ہیں لہٰذا پرستاران توحید کو اس سے خبردار کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے آٹھ مختلف کتابیں وضاحت مقصد کے لئے لکھیں (جو افسوس کہ آج ناپید ہیں) اور بالآخر ایک رفیق عقیدت مند کے چند استفسارات کے جواب میں ایک عظیم تصنیف کی تخلیق کی اور اسے کشف المحجوب سے موسوم کیا یہی ان کی واحد کتاب ہے جو آج

؎۱ دیباچہ کشف المحجوب بہ تصحیح ژوکوفسکی: ۱۸

؎۲ گنج بخش بحیثیت عالم: ۶۷: طبع لاہور

Marfat.com

دستیاب ہے لیکن یہ ایک ہی کتاب اس پایہ کی ہے جس نے مصنف کو شہرت عام و بقائے دوام کے دربار میں وہ ممتاز حیثیت دلوادی ہے کہ سینکڑوں تصانیف کے مالک بھی جسے آسانی سے حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک صوفی کو اس سے منزل سلوک کا سراغ مل سکتا ہے، ایک عالم اس سے مستفید ہو سکتا ہے اور ایک طالب علم اس سے اپنے علم و دانش میں بے پناہ اضافہ کر سکتا ہے خواص اس سے بدرجۂ خواص اور عوام اس سے حسب توفیق و جذبہ فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ مصنف نے جہاں جاہل صوفیوں کی پھیلائی ہوئی بدعتوں کی نشاندھی کر دی ہے وہاں نام نہاد علماء کی قلعی بھی کھول کر رکھ دی ہے [۱]

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے مقدمہ کشف المحجوب میں لکھا ہے:

"ان کے ارشادات گرامی و افاضات عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں" [۱]

ڈاکٹر ظہور الدین نے لکھا ہے:

"اہل علم اور اہل باطن نے اس کتاب کی اہمیت اور فضیلت کو تسلیم کیا ہے [۲]

اس کے اسلوب پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

---

[۱] مقدمہ ترجمہ کشف المحجوب مولانا ابوالحسنات ؒ : ۷ ۔

[۲] پاکستان میں فارسی ادب : ۱۲۷ ۔

Marfat.com

"کشف المحجوب کا انداز بیان سادہ اور دقیق ہے اور سبک خراسانی کی خوبیوں کا حامل ہے چھوٹے چھوٹے جچے تلے جملے پے در پے چلے آتے ہیں — جن مسائل پر مصنف کو عبور ہے وہاں اسلوب بڑا صریح ہے جن عبارتوں میں واعظانہ رنگ ہے وہاں جوش و اخلاص زیادہ ہے جو کلام کو بارعب اور وزن دار بناتا ہے کہیں سے کتاب کھولئے علم و حکمت سے لدی عبارتیں سامنے آتی ہیں[1]

کہا جاتا ہے کہ کتاب کشف المحجوب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام علمی کارناموں میں "شاہکار" کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بہت سارے اسباب ہیں۔

۱۔ جیسا کہ کشف الاسرار کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے بچپن ہی سے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اپنے خاندانی ماحول کے باعث تقویٰ اور پرہیزگاری کی طرف تھا اور اگر کشف الاسرار کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو حضرت نے ایک بزرگ کے کہنے پر بارہ سال کی عمر میں ایک کتاب لکھی تھی اور انہوں نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہو کر ولی کامل بنیں گے اس پر اعلیٰ تعلیم اور تعلیم بھی عام پیشہ ور اساتذہ سے نہیں بلکہ ان اساتذہ سے جن کی رگ و ریشے میں شریعت کے علوم اور طریقت کے انوار رچے بسے ہوئے تھے اس چیز نے حضرت کی خداداد فطری صلاحیتوں کو مزید ابھارا رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جب طریقت کے کوچے میں قدم رکھا

---

[1] ایضاً، ۱: ۱۳۰۔

Marfat.com

تو اس دور کے سب سے محترم اور جامع شریعت و طریقت پیر صاحب الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے سایہ رحمت میں منازل سلوک طے کئے۔ جنہوں نے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت فرمائی دنیا اور حیات دنیا کی حقیقت کو کھول کھول کر آپ پر واضح فرمایا اور مرید کو اپنی نگاہ کیمیا اثر سے پارس بنا دیا۔

۲۔ اس کے بعد حضرت کو حضرت ابو القاسم گورگانی۔ حضرت ابو سعید ابوالخیر حضرت ابو القاسم قشیری۔ حضرت ابو العباس احمد بن محمد اشقانی حضرت ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان اور دیگر اکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ اجمعین کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ سیر و سیاحت کے دوران ہزاروں مشاہدات اور تجربات سے گزرے۔ نفس انسانی کن حیلوں اور بہانوں سے رہزنی کرتا ہے ان تمام باتوں کا تجربہ ہوا ان چیزوں نے خیالات میں پختگی پیدا کی اور سلوک کے وہ منازل جن میں آدمی برسوں الجھا رہتا ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے دیکھتے میں طے کر لیے۔ مثل مشہور ہے "صاحب البیت ادریٰ بما فیہ" (گھر والا بہتر جانتا ہے کہ گھر میں کیا کیا چیزیں ہیں) تو ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت خانہ تصوف میں کسی ناخواندہ مہمان کی سی ہے نہ کسی ایسے اجنبی کی سی جو صرف گھر کا خارجی نقشہ دیکھ کر آگے بڑھ گیا ہو۔ حضرت ہجویری اس گھر کے ایک ایک گوشے سے واقف ہیں

۳۔ اگرچہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اکابر تصوف موجود تھے حتیٰ کہ بقول حضرت کے صرف خراسان میں تین سو کے قریب صاحب نسبت و منصب اولیاء تھے تاہم فتنے اور فتنوں کے قائدین بھی سرگرم عمل تھے۔ ایک فتنہ تو عقلیت پسندوں کا تھا جو ایمانیات کی بنیادوں

Marfat.com

کو متزلزل کرنے میں لگا ہوا تھا دوسرا ان ملاحدہ اور زندیقوں کا فتنہ تھا جو حلولیت اور ملامت و سکر کے پردے میں شریعت سے آزاد ہونا چاہتے تھے۔ غرضیکہ قلعہ اسلام پر دو طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ اور ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشائخ اسلام اور اسلامی روایات کے تحفظ کے لیے ہر محاذ پر سینہ سپر تھے۔ ادھر علمائے ظاہر تھے جو یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ تصوف اسلام سے الگ کوئی چیز ہے۔

ایسے دور میں ایسے صوفیہ کی ضرورت تھی جو روایتی علوم میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ منازل طریقت و سلوک کے بھی رہ نورد ہوں اور پھر عمل کے میدان میں انہیں ایسا رسوخ اور ایسی استقامت حاصل ہو کہ ایک قدم بھی جادۂ شریعت سے منحرف نہ ہو پائے۔

سید ہجویر مخدوم امم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جامع الکمالات ہے قرآن و حدیث پر کتنا عبور ہے اور نظر کتنی وسیع ہے اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں "کشف المحجوب" کا ہر صفحہ گواہ ہے۔ عملاً شریعت سے کتنی وابستگی تھی اس کے لیے صرف الختلی رحمۃ اللہ علیہ (جو سلسلہ جنیدیہ کے گل سر سبد تھے) کا فیض صحبت ہی ضمانت ہے۔ کیونکہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عرصہ قبل اس منزل کی راہ و رسم کا ان الفاظ میں اعلان فرما دیا تھا کہ:

"ایں راہ کسے یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم بر دست چپ و در روشنائی ایں دو شمع می
رود تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت"۔[1]

ترجمہ: یہ راہ تو صرف وہی شخص پا سکتا ہے جس کے داہنے ہاتھ میں کلام اللہ اور

---

[1] تذکرۃ الاولیاء: ۸۔

Marfat.com

بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں راہ طریقت طے کرے تاکہ نہ تو شبہات کے گڑھے میں گرے نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔

غرضیکہ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا خمیر ولایت و تقویٰ کے موروثی نظریات و ماحول، دینی علوم میں مہارت تامہ، تکمیل سلوک، مشاہدات و ذاتی تجربات اور سخت مجاہدات و ریاضیات سے اٹھا تھا۔ اس لیے جب ہم کشف المحجوب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک ایسا جہان معنی ہوتا ہے جس میں کسی کمی یا کوتاہی کا احساس نہیں ہوتا۔ صاحب کشف المحجوب جس موضوع پر کلام شروع فرماتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ سمندر کی متلاطم موجوں سے نبرد آزما ہیں چاہتے ہیں کہ سب کچھ کہہ ڈالیں مگر کتاب کے ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اشد ضروری حقائق کے بیان پر اکتفا فرماتے ہیں۔ نگاہ میں ایسی گہرائی اور گیرائی ہے کہ معمولی معمولی جزئیات بھی چھوٹنے نہیں پاتیں سکے اور تصویر کے دونوں رخ سامنے ہیں۔ شرعی احکام بتلا رہے ہیں تو اس جذبے کے بیان سے غافل نہیں ہیں جو ان احکام میں پوشیدہ ہے اور فقر و مرقعہ کے موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ مصنف کے سامنے بخاری و مسلم کی جلدیں کھلی ہوئی ہیں۔ کبھی قرآن کریم سے استشہاد کرتے ہیں، کبھی حدیث اور آثار صحابہ سے اور پھر اپنے اکابر طریق کے اقوال سے کشف المحجوب میں ہمیں کوئی ایک ایسا مقام بھی نہیں ملتا جہاں شریعت و طریقت اور علم و عشق دست بدست اور قدم بقدم نہ چل رہے ہوں یہی وجہ ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے یہ کتاب علماء اور صوفیاء کے درمیان متداول ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ حضرت جہانگیر اشرف سمنانی خواجہ فرید الدین عطارؒ۔ حضرت یحییٰ منیریؒ اور

Marfat.com

مابعد کے کثیر علماء اور فضلاء نے اس کا بغور اور بتمام وکمال مطالعہ کیا اور فائدہ اٹھایا لیکن بقول داراشکوہ

ہیچ کس را بر اں سخن نیست

(کسی کو اس کے مندرجات پر اعتراض نہیں ہے۔)

البتہ ہمارے دور میں ایک محقق صاحب نے اس کے مندرجات پر "شوق شخصیت شکنی" میں (جو آج کل یورپ میں بطور ایک رسم کے چل نکلی ہے کوئی غالب شکنی میں معروف ہے تو کوئی میر شکنی اور اقبال شکنی میں مصروف ہے) چند اعتراضات وارد کیئے ہیں انہوں نے تو خیر سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض فرمائے ہیں۔ ان کے چند اعتراضات کا جواب دیا جا چکا ہے اور انشاء اللہ العزیز جہاں جہاں متعلقہ ابواب میں ضرورت محسوس ہو گی جواب دیا جائے گا۔ الغرض حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" واقعتہً ایک مرشد کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا علمی وفکری اثاثہ ہے جس کا فیض انشاء اللہ العزیز علی مرالدھور والایام تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

کشف المحجوب کا اجمالی تعارف[1]

کتاب "کشف المحجوب" کا آغاز خطبۂ مسنونہ کے بعد ایک مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں سب سے پہلے حضرت مصنف نے اپنی کتابوں کی چوری کی شکایت کی ہے اور اول کتاب میں اپنا نام درج کرکے مصلحت بیان فرمائی ہے شیخ کو اس تلخ تجربے سے دو مرتبہ گزرنا پڑا ایک مرتبہ تو ایک شخص آپ کا دیوان (جس کا

---

[1] اس کتاب کا اجمالی تعارف پیش کرتے وقت ہم نے اپنے سامنے کشف المحجوب کا وہ نسخہ ایران رکھا ہے جو علی قویم کے حاشیہ کے ساتھ اسلامک بک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام لاہور سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔

Marfat.com

ایک ہی نسخہ آپ کے پاس تھا) مانگ کر لے گیا اور حضرت کا نام مٹا کر اپنا نام لکھ کر اسے اپنی جانب سے شائع کر دیا۔ دوسری بار ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت نے "فن تصوف" میں ایک کتاب تالیف فرمائی تھی اور اس کا نام "منہاج الدین" رکھا تھا ایک متصوف مطالعہ کی غرض سے آپ سے مانگ کر لے گیا اور اسے اپنے نام سے شائع کر دیا۔ اس لیئے احتیاطاً نہ صرف یہ کہ آپ نے آغاز کتاب میں اپنا نام لکھا ہے بلکہ کتاب میں متعدد مقامات پر اپنا نام درج کر لیا ہے تاکہ اس طرح کا کوئی شخص دوبارہ اس کی جرأت نہ کر سکے۔

"کتاب کشف المحجوب" درحقیقت آپ کے ایک رفیق حضرت ابو سعید ہجویری کے چند سوالوں کے جواب میں مرتب کی گئی ہے۔ انہوں نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ:

مجھ سے بیان فرمائیے:

(الف) طریق تصوف کی حقیقت

(ب) مقامات صوفیہ کی کیفیت

(ج) صوفیہ کے عقائد و مقالات کی تشریح

(د) ان کے رموز و اشارات

(ہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی محبت کی نوعیت اور دلوں میں اس کے ظہور کی کیفیت و ماہیت۔

(و) محبت الٰہی کی ماہیت کی معرفت میں حائل ہونے والے حجابات عقل و نفس۔

(ز) پھر کشف حجابات کے طریقے نفس کی حجابات سے بیزاری اور روح کی تسکین حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب ابو سعیدؒ

کے مذکورہ بالا سوالوں کے جواب دیئے اور یہ کتاب مرتب ہوگئی۔

باب اوّل

حضرت نے اپنی کتاب کا پہلا باب "اثبات العلم" سے شروع کیا ہے۔ اور سب سے پہلے قرآن کی آیت پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے علم حاصل کرنے کی اہمیت و فرضیت کو واضح فرمایا ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ علم کے لیے عمل ضروری ہے۔ اس باب میں آپ نے علم کی قسموں کو بھی بیان فرمایا ہے؛

شریعت و طریقت کے درمیان جن لوگوں نے ثنویت اور بعض نے تضاد بنا رکھا تھا اس کی تردید فرماتے ہوئے آپ نے بتلایا کہ علم صحیح کے لیے "ظاہر شریعت" کے علم کے ساتھ ساتھ "باطن شریعت" یعنی طریقت کا علم بھی ضروری ہے کیونکہ علم ظاہر بغیر امتزاج علوم باطنی کے منافقت ہے اور علم باطن بغیر امتزاج علوم ظاہری کے زندقہ۔

علم حقیقت | آپ نے علم حقیقت کے تین رکن بتلائے ہیں۔

۱۔ ایک ذات خداوندی، اس کی توحید اور نفی تشبیہ کا علم
۲۔ دوسرے احکام و صفات خداوندی کا علم
۳۔ تیسرے افعال خداوندی اور اس کی حکمتوں کا علم

علم شریعت | علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ

Marfat.com

۲ - سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۳ - اجماع امت

غرض اس باب میں آپ نے علم نافع کو حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔

۲ باب الفقر

اس باب میں آپ نے قرآن وحدیث کے حوالوں سے فقر و مسکنت کے فضائل بیان فرماتے ہیں اور فقر کے آداب اور اس کی حقیقت پر نہایت عالمانہ انداز میں بحث فرمائی ہے۔

فقرائے مہاجرین واصحاب صفہ کے قرآن کریم میں جو فضائل وارد ہیں۔ آپ نے بالاستیعاب ان کا احاطہ فرمانے کی کوشش کی ہے۔

۳ التصوّف

اس باب میں آپ نے قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ماہیت تصوف سے متعلق مباحث پیش کئے ہیں اور "لفظ تصوف" کے اشتقاق سے بحث کی ہے اور اس سے متعلق اکابر علمائے دین وصوفیہ کے اقوال جمع کر دیئے ہیں آپ نے اہل تصوف کے تین طبقے تبلائے ہیں اور پھر تینوں کی تعریف بیان کی ہے۔

(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستوصف۔

آپ نے خصوصیت کے ساتھ اس بات پر زور دیا ہے کہ اہل تصوف (حقیقی) اپنے معاملات واعمال میں انبیاء علیہم السلام کے صحیح متبع ہوتے ہیں۔

Marfat.com

یہ مباحث درصل ملاحدہ زنادقہ اور ہمارے دور کے مستشرقین اوران کے اندھے مقلدین کی جڑ کاٹنے کے لیے کافی ہیں۔ کیونکہ ان متعصبین کو اسلامی تصوف میں کبھی ایران کے مانی کا رنگ نظر آتا ہے۔ کبھی ویدانت کا اور کبھی بدھ مت کا اگر رنگ نظر نہیں آتا تو "صبغتہ اللہ" کا۔

۴ مرقعہ داشتن

اس باب میں "خرقہ" اور گدڑی پہننے کے فضائل واسرار کا بیان ہے۔ حضرت ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے اس باب میں ثابت کیا ہے کہ پیوند زدہ کپڑے پہننا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہے۔

۵ باب اختلافھم فی الفقر والصفوۃ

فقر وصفوت میں کونسی صفت افضل ہے؟ دونوں میں فرق کیا ہے؟ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے دونوں طبقات کے نظریات ودلائل کو بیان فرما کر محاکمہ کیا ہے اس باب میں آپ کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ فقر کو صفوت پر یا صفوت کو فقر پر اپنے اپنے حالات کے تحت بعض اوقات فضیلت ہوا کرتی ہے۔ اس بارے میں کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ کرنا درست نہ ہو گا۔ اور یہ اختلاف تو حضرت شیخ ابوالحسن سمنونی رحمتہ اللہ علیہ کے وقت سے چلا آرہا ہے اس لیے کہ وہ کبھی بحالت کشف فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے تھے اور کبھی صفوت کو فقر پر۔

Marfat.com

۶ باب بیان الملامۃ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے طریق ملامت (اگر محمود ہو) کی بھی قرآن حکیم سے ستائش ثابت کی ہے۔ تاہم ہر قسم کے ملامتیوں کی نہیں بلکہ آپ نے حصول ملامت کی تین قسمیں اور صورتیں بیان فرمائی ہیں؛

۱۔ اول راہ راست پر چلنا بغیر خوف لومۃ لائم کیونکہ اگر کوئی آدمی صراط مستقیم پر راہ پیما ہے اور لوگ اس کے اس عمل کو اپنی طبیعت کے رجحان کے برخلاف سمجھ کر اس کی ملامت کر رہے ہیں تو لائمین مورد الزام ہیں نہ کہ وہ شخص۔

۲۔ دوم بالقصد ایسے امور کا ارتکاب کرنا جس سے حب جاہ کو نقصان پہنچے اور لوگ اس شخص کو مطعون کرنے لگیں۔ بشرطیکہ ایسا امر خلاف شریعت نہ ہو اگر علاجاً ایسا کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

۳۔ سوم وہ طریق حصول ملامت جس میں قصداً خلاف شرع کسی عمل کا ارتکاب کیا جائے حضرت کے نزدیک یہ طریقہ سراسر مردود ہے اور بعض اوقات شرع کی بے حرمتی کے باعث کفر و ضلالت تک لے جانے والا ہے۔ اس لئے اس طریق کو اختیار کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں؛

"اگر کوئی شخص کسی خلاف شریعت عمل کو کر کے یہ کہتا ہے کہ میں تو ملامتیوں کے طریق کی پیروی کر رہا ہوں تو اس کا یہ فعل واضح ضلالت۔ معصیت اور نفسانیت پر مبنی ہوگا۔

Marfat.com

۷۔ باب ذکر ائمتہم من الصحابۃ

کشف المحجوب میں ایک مقام پر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ " قرونِ اولی (صحابہ کرامؓ کے دور میں) تصوف کی حقیقت موجود تھی مگر اس کا نام نہیں تھا ہمارے دور میں نام موجود ہے اور حقیقت نہیں ہے" اس باب میں حضرت نے اس بات کو ثابت کیا ہے اور صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے بارے میں تبلایا ہے کہ یہ سارے کے سارے حضرات اپنی اپنی حیثیت اور اپنے اپنے عہد میں ائمہ تصوف بھی تھے خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما۔ آپ نے نہایت شاندار الفاظ میں خلفائے اربعہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۸ باب فی ذکر ائمتہم من اھل البیت

اس باب میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خانوادۂ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مشائخ طریقت مثلاً حضرت امام حسن حضرت امام حسین، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۹ باب ذکر اھل الصفۃ

عربی زبان میں صفہ کے معنی چبوترہ کے آئے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنوایا تھا جس پر کھجور کے پتوں سے سایہ کیا گیا تھا اس پر فقرائے صحابہ قیام فرماتے تھے۔ ان کا کام تھا قرآن و حدیث

Marfat.com

کے علوم سیکھنا یہ متوکلین کا گروہ تھا۔ ان میں کا ہر فرد امام طریقت تھا۔ یہ لوگ آغوش نبوت کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں صرف اصحاب صفہ کے نام ذکر کرنے پر اکتفا کی ہے

۱۰ باب ذکر ائمتهم من التابعین

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ان تابعین رحمہم اللہ کا ذکر فرمایا ہے جو سرخیل طریقت تھے اور جنہوں نے علوم تصوف حضرات صحابہ وائمہ اہل بیت سے سیکھے اور پھر انہیں امت کی طرف انتہائی حزم و احتیاط سے منتقل فرما دیا۔ اس باب میں خصوصیت کے ساتھ آپ نے حضرت اویس قرنی، ہرم بن حیان حسن بصری سعید بن مسیب، حبیب فارسی رحمہم اللہ کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں۔

۱۱ باب فی ذکر ائمتهم من اتباع التابعین

اس باب کے ذیلی عنوانات ۶۳ کے قریب ہیں اور ہر عنوان کے تحت ایک تبع تابعی کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے یہ سارے حضرات صوفی تھے ان میں سے مشہور امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ ذوالنون مصری۔ معروف کرخی۔ حبیب عجمی۔ داؤد طائی۔ سری سقطی۔ جنید بغدادی۔ ابوبکر شبلی رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔

۱۲ باب فی ذکر ائمتهم من المتأخرین

اس باب میں متاخرین ائمہ تصوف مثلاً احمد بن محمد القصاب۔ ابوالحسن خرقانی

Marfat.com

ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی، عبدالکریم بن الہوازن القشیری۔ ابوالقاسم علی بن ابی القاسم گرگانی ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی رحمہم اللہ اجمعین کا تفصیلی تذکرہ ہے

۱۳ باب فی ذکر رجال الصوفیۃ من المتاخرین علی الاختصار

اس باب میں معاصر صوفیہ کا تذکرہ ہے اور حضرتؒ نے ان کے طبقات وطن کی بنیاد پر قائم فرمائے ہیں مثلاً صوفیائے شام و عراق۔ صوفیائے فارس۔ صوفیائے قہستان، آذربائیجان۔ طبرستان وکمش و کرمان، خراسان، ماوراءالنہر، غزنیں وغیرہ۔

۱۴ باب فی فرق فرقہم ومذاہبہم و آیاتہم وحکایاتہم

اس باب میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیہ کے مختلف سلاسل، ان کے بنیادی اصول اور باہمی اختلافات کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ یہ باب تمام ابواب سے زیادہ طویل اور مفصل ہے۔ اس باب میں حضرتؒ نے کل بارہ سلسلوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے دو کو مردود اور باقی دس کو مقبول قرار دیا ہے۔ اس باب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ سلاسل تصوف اور ان کے بانیان کے تذکرے کے ضمن میں مہمات مسائل تصوف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مثلاً حقیقت رضا۔ مقام وحال کے درمیان فرق۔ سکر وصحو۔ حقیقت ایثار۔ حقیقت نفس وہوٰی۔ مجاہدات نفس اثبات ولایت۔ اثبات کرامت۔ فرق درمیان معجزہ وکرامت۔ تفضیل انبیاء علی الاولیاء، تفضیل انبیاء والاولیاء علی الملائکہ فنا و بقا۔ غیبت حضور۔ جمع وتفرقہ۔ کلام فی الروح وغیرہا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جن دس مقبول سلاسل کا ذکر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

نام سلسلہ		نام بانی
۱	محاسبیہ	عبداللہ بن حارث محاسبیؒ
۲	قصاریہ	ابو حمدان القصارؒ
۳	طیفوریہ	سلطان بایزید بسطامیؒ
۴	جنیدیہ	حضرت جنید بغدادیؒ
۵	نوریہ	ابوالحسن نوریؒ
۶	سہیلیہ	سہل تستریؒ
۷	حکیمیہ	حکیم ترمذیؒ
۸	خرازیہ	ابوسعید خرازؒ
۹	خفیفیہ	ابو عبداللہ خفیفؒ
۱۰	سیاریہ	ابوالعباس سیاریؒ

باقی دو فرقوں کو حضرتؒ نے مردود قرار دیا ہے۔

۱۱	حلولیہ	ابو حلمان دمشقی
۱۲	حلاجیہ	فاسی

دو مردود سلسلوں کے ابطال اور حقیقت روح کو بیان کرنے کے بعد حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اکنوں من کشف حجب ابواب معاملات وحقائق اہل تصوف با براہین ظاہر اندریں کتاب بیان کنم تا طریق دانستن مقصود برتو آسان گردد واز منکراں آنرا کہ بصیرتے بود براہ باز آید ومرا بداں دعائے وثوابے باشد" [1]

---

[1] کشف المحجوب: ۲۳۵ طبع لاہور۔

ترجمہ: اب میں کشف حجاب اور اہل تصوف کے حقائق و معاملات دلائل کے ساتھ اس کتاب میں بیان کروں گا تاکہ تجھے مقصود کے سمجھنے میں آسانی ہو اور منکروں میں سے وہ لوگ جو بصیرت رکھتے ہیں (اور راہ سے بھٹک گئے ہیں) راستہ پر آجائیں اور مجھے اس کا اجر و ثواب ملے۔

اس کے بعد کشف المحجوب میں حجابات کا کشف شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ نے گیارہ حجابات قرار دئے ہیں۔ اور ہر باب میں ایک ایک حجاب اٹھایا ہے۔ اور جہاں مناسب خیال فرمایا ہے کشف حجاب کے سلسلے میں اہم معاملات تصوف پر ایک مستقل باب قائم فرما دیا ہے۔ ہم پہلے کشف حجابات کا تذکرہ کریں گے اور ضمنی ابواب کا تعارف اس کے بعد پیش کریں گے۔

۱ کشف الحجاب الاوّل فی معرفۃ اللہ تعالیٰ

اس کشف میں حضرتؒ نے معرفت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک معرفت علمی اور دوسری معرفت حالی اور پھر ان کے اثرات کا جائزہ لیا ہے اور پھر اس راہ کے حجابات اور رفع حجابات کے طریقوں پر بحث کی ہے۔

۲ کشف الحجاب الثانی فی التوحید

حقیقت توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر یقین کیا جائے اور توحید کا علم صحیح حاصل ہو، حضرتؒ نے توحید کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں: (ا) توحید حق مر حق را (ب) توحید حق مر خلق را (ج) توحید خلق مر حق را۔

Marfat.com

۳ کشف الحجاب الثالث فی الایمان

ایمان کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان جوہری اختلافات، معتزلہ کے عقائد کا ابطال اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کا اثبات، ایمان وعمل کے درمیان روابط کی نوعیت ضمناً مسئلہ جبر وقدر کا تذکرہ۔ یہ ہیں اس کشف کے مباحث

۴ کشف الحجاب الرابع فی الطھارۃ

ایمان کے بعد بندے پر اہم ترین فریضہ صلوٰۃ ہے جو طہارت کے ساتھ مشروط ہے۔ اہل تصوف طہارت ظاہری کے ساتھ طہارت باطنی از خیال ماسوئی اللہ پر بھی زور دیتے ہیں۔ ورنہ قلب میں نفاق پیدا ہو جائے گا۔ یہ ہے اس کشف کا موضوع

۵ کشف الحجاب الخامس فی الصلوٰۃ

صلوٰۃ حقیقی کے لیے ضروری ہے کہ ظاہر نجاسات ظاہری سے اور باطن شہوات سے پاک ہو۔ قبلہ ظاہر کعبہ ہے اور قبلۂ باطن عرش۔ نماز میں قیام ظاہر اندر حال قدرت واجب ہے لیکن ضروری ہے کہ قیام باطن اندر روضۂ قربت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اس لیے کہ اہل استقامت کا مشرب نماز میں ہے۔ غرضکہ نماز مقامات محبت میں ایک مقام ہے۔

Marfat.com

۶ کشف الحجاب السادس فی الزکوٰۃ

اموال پر تو زکوٰۃ فرض ہی ہے۔ جاہ پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ کی حقیقت دراصل شکریہ ادا کرنا ہے۔ اس حساب سے صحت ایک نعمت ہے اور جسم کی زکوٰۃ اعضاء اور جوارح کو طاعت الٰہی میں مصروف رکھنا ہے۔

۷ کشف الحجاب السابع فی الصوم

روزہ عبادت سرّی ہے درمیان عبد و معبود، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الصوم نصف الطریقۃ (روزہ نصف طریقت ہے) میں نے اکثر مشائخ کو کثرت سے نفل روزے رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ حقیقت روزہ امساک ہے۔ اور تمام کی تمام طریقت اس میں پوشیدہ ہے۔

۸ کشف الحجاب الثامن فی الحج

اصل حج یہ ہے کہ حج کا ارادہ کرتے ہی دل کو تمام شہوات و لذات سے خالی کر لیا جائے۔ احرام پہنتے وقت سمجھے کہ کفن پہن رہا ہے۔ حج مقام مشاہدہ ہے۔ اور مشاہدہ کی قیمت رضا ہے حج کی دو قسمیں ہیں۔ ایک غیبت میں اور دوسرا حضور میں۔ اصل چیز تو کیفیت حضور کا حاصل ہونا ہے اگر وہ کیفیت حاصل نہیں تو حرم میں رہتے ہوئے بھی حاجی غائب ہے اور اگر وہ کیفیت حاصل ہے۔ تو اپنے گھر میں ہونے کے باوجود حرم میں ہے

Marfat.com

۹ کشف الحجاب التاسع فی الصحبۃ مع آدابہا واحکامہا

طریقت و سلوک کا اہم ترین رکن صحبت ہے۔ بشرطیکہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اولیاء اللہ کسی حال میں بھی ادب صحبت سے غافل نہیں رہتے حالت صحو میں وہ خود مؤدب رہتے ہیں اور حالت سکر میں اللہ تعالیٰ ان کی نگہداشت فرماتا ہے۔

۱۰ کشف الحجاب العاشر فی بیان منطقہم وحدود الفاظہم

ہر فن اور صفت کے حاملین کے درمیان اسرار ہوتے ہیں۔ کلام میں دو چیزیں خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسا کلام کیا جائے کہ مرید اسے بہ آسانی سمجھ لے دوسرے یہ کہ طریقت کے وہ اسرار جن کو جہلاء سے چھپانا ضروری ہوتا ہے ان پر ظاہر نہ کیے جائیں۔

۱۱ کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع وبیان انواعہ

سماع کی تمام اقسام میں افضل ترین سماع قرآن کی تلاوت کو سننا ہے مشائخ صوفیہ کو سماع کی اباحت کے احکام معلوم کرنے کی تلاش نہیں رہتی اس لیے کہ کسی عمل کو اس کی اباحت کی بنا پر نہیں اس کے فوائد کی بنا پر اختیار کرنا چاہیے تلاش اباحت میں صرف عوام رہتے ہیں سند جواز چوپایوں کے لیے کافی ہو سکتی ہے انسان کے لیے تکلیف شرعی رکھی گئی ہے۔

۱۵ باب التوبۃ وما یتعلق بہا

اس باب میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی اہمیت و حقیقت

کو واضح فرمایا ہے۔ پہلے قرآن کریم کی آیات سے اور اس کے بعد احادیث نبوی سے استشہاد کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا ہے کہ "توبہ سالکان راہ طریقت کا اولین اقدام ہے" توبہ کے تین مقام ہیں۔

(۱) اول توبہ (۲) دوم انابت (۳) سوم اوبت اوبت مقام انبیاؑ و مرسلاں علیہم السلام ہے۔

۱۶ باب المحبۃ ومایتعلق بہا

حسب اسلوب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے آغاز میں بھی آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے محبت الٰہی کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ اور اس مسئلہ پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ محبت کو محبت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ قلب سے ماسوا کی یاد کو محو کر دیتی ہے۔ اللہ کی محبت بندے کے ساتھ یہ ہے کہ وہ بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے اور اس پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے۔ بندہ کی محبت اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ محبوب کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

۱۷ باب الجود والسخاوۃ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جود و سخا دونوں ہم معنی الفاظ ہیں مگر بعض حضرات ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سخی وہ ہے جو سخاوت کے وقت تمیز کرے اور جواد وہ ہے جو تمیز نہ کرے اور بے غرض و سبب سخاوت کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں چیزیں موجود تھیں۔

۱۸ باب الجوع وما یتعلق بھا

اس باب میں بھوک کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ بھوک نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے تمام مذاہب میں قابل تعریف چیز مانی گئی ہے۔ بھوکے آدمی کا ذہن تیز۔ طبع مہذب اور جسم تندرست رہتا ہے۔ اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت لطیف سجع استعمال فرمایا ہے۔

"اگر تن را از گرسنگی بلا بود دل را بداں ضیا بود و جاں را صفاء
دسر را لقاء وچوں سر لقاء یابد و جاں صفاء یابد و دل ضیا یابد چہ
زیاں اگر تن بلاء یابد"

بھوک مشاہدے کا دروازہ کھولتی ہے اور سیری کسل پیدا کرتی ہے۔

۱۹ باب المشاهدات

حدیث جبریل میں ہے کہ احسان یہ ہے کہ "تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم تجھے یہ یقین کامل حاصل ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے" صوفیہ کے نزدیک یہ مشاہدہ دل کی آنکھ سے ہوتا ہے۔ مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک صحت یقین (۲) اور دوسرا غلبہ محبت۔ غلبہ محبت کے مشاہدے کے وقت غیر اللہ نظر ہی نہیں آتا۔

۲۰ باب الصحبة وما یتعلق بھا

اس باب میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے صحبت کی اہمیت اور اس کے فوائد کو اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ انسانی

Marfat.com

کردار کی تعمیر تنظیم اور تزئین میں سب سے مؤثر عنصر صحبت ہے بشرطیکہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔

۲۱ باب آدابہم فی الصحبۃ

صحبت کے حقوق کی رعایت ہی صحبت کا ادب ہے۔ اور اس کا اہم ترین اصول یہ ہے کہ جس کے ساتھ صحبت اختیار کی جائے اس سے اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق برتاؤ کیا جائے اور سب سے زیادہ ایذا رسانی سے پرہیز کیا جائے۔ حضرت نے اس باب میں حضرت ابونصر السراج رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اہل دنیا۔ اہل دین اور اہل خصوص کے الگ الگ آداب صحبت بتلائے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیئے کتاب اللمع۔

۲۲ باب آداب الاقامۃ فی الصحبۃ

اگر کوئی مسافر درویش کسی کے پاس مقیم ہو تو میزبان کو چاہیئے کہ وہی رویہ اختیار کرے جو فرشتوں کے بصورت مہمان آنے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا کہ جو کچھ گھر میں موجود تھا بلا تکلف حاضر کر دیا اور مہمان کے حالات کو جاننے کے لیے کرید نہیں کیا۔ کہ کون ہو؟ کیا نام ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟ وغیرہ وغیرہ

۲۳ باب الصحبۃ فی السفر و آدابہ

یہ کہ سفر اللہ کے لیے کیا جائے نہ کہ متابعت ہوا میں۔ ہر وقت طاہر اور باوضو رہنے کی کوشش کرے۔

۲۴ باب آدابھم فی الاکل

کھانے پینے کے بغیر چارہ نہیں البتہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور نہ اسے مقصد زیست قرار دے۔

۲۵ باب آدابھم فی المشی

زمین میں چلنے پھرنے کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ اکڑ کر نہ چلے۔

۲۶ باب آداب نومھم فی السفر والحضر

صرف اس وقت سوئے جب نیند سے مغلوب ہونے لگے۔ کیونکہ حدیث میں ہے النوم اخ الموت (نیند اور موت بمنزلہ بھائیوں کے ہیں۔

۲۷ باب آدابھم فی الکلام والسکوت

نطق اللہ کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے۔ بشرطیکہ کلام حق ہو اور اپنی زبان سے دل آزاری نہ کرے۔

۲۸ باب آدابھم فی السؤال وترکہ

لپٹ کر نہ مانگے۔ جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے۔ کیونکہ غیر اللہ سے سوال کرنا حق سے اعراض کرنے کے مترادف ہے۔

۲۹ باب آدابھم فی التزویج والتجرید

نکاح مردوں اور عورتوں کے لیے مباح ہے۔ اور بعض صورتوں میں فرض

اور جو اہل وعیال کے حقوق کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے لیے سنت

۳۰ باب سماع القرآن ومایتعلق بہا

ہر قسم کے سماع سے افضل آیات کلام اللہ کا سماع ہے۔ اس کا معجزہ یہ ہے کہ طبیعت اس کے بار بار سننے سے اکتاتی نہیں ہے۔ اس کے اثرات کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض عرب شاعر بلکہ خود حضرت عمرؓ اس کی تلاوت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

۳۱ باب سماع الشعر ومایتعلق بہا

شعر کا سننا مباح ہے۔ کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے۔

۳۲ باب سماع الاصوات والالحان

اچھی آواز بھی نعمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ قرآن کو اپنی آواز سے سجایا کرو۔ یعنی خوش الحانی سے اس کی تلاوت کیا کرو۔ اچھی آواز سے انسان تو انسان حیوان تک متاثر ہوتے ہیں۔

۳۳ باب احکام السماع

سماع کے احکام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کوئی ایک قطعی یا حتمی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ افراد و احوال کے مطابق حکم بھی تبدیل ہو گا۔

۳۴ باب اختلافہم فی السماع

سماع آلہ غیبت ہے یا ذریعہ مشاہدت۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ

Marfat.com

ہے کہ:

آنکہ از قاری شنود آلت غیبت باشد
آنکہ از باری شنود آلت حضور

۳۵ باب مراتبھم فی حقیقۃ السماع

مشرب اور ذوق کے مطابق ہر شخص کا سماع میں ایک مرتبہ ہے اور اس کے لیے مخصوص شرائط۔ اگر شرائط کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو سماع بجائے فائدہ پہنچانے کے تباہ کن ثابت ہوگا۔

۳۶ باب الوجد والوجود والتواجد و مراتبہ

وجد یافتن کو کہتے ہیں۔ سماع میں جو احوال پیدا ہوتے ہیں اسے صوفیہ وجد سے تعبیر کرتے ہیں۔ تواجد میں تکلف ہوتا ہے۔

۳۷ باب الرقص

شریعت اور طریقت میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیونکہ تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں کہ رقص ایک قسم کا لہو ہے۔ اس لیے رقص شرعاً اور عقلاً ہر دو اعتبار سے بری چیز ہے۔

۳۸ باب الخرق

کپڑے پھاڑ ڈالنا حالت وجد میں اگر بے اختیارانہ ہو تو گوارا ہو سکتا ہے اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے بعض مشائخ کو یہ کرتے دیکھا

Marfat.com

ہے تاہم اس کی طریقت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ ہوش کی حالت میں ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ اسراف ہے۔

۳۹ باب آداب السماع

حضرت نے اس باب میں تفصیل سے سماع کے آداب تبلائے ہیں۔

علی قویم کے حاشیہ کے ساتھ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کا ترتیب دیا ہوا جو نسخہ اسلامک بک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ۱۹۷۸ء میں لاہور سے شائع ہوا اس کے حوالے سے کشف المحجوب کا اجمالی تعارف اور خاکہ اس لیے پیش کیا گیا کہ قارئین کرام کے ذہن میں "کشف المحجوب" کے مندرجات کا ایک دھندلا سا نقشہ آجائے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے ضمن میں یہ مباحث انشاء اللہ العزیز بالتفصیل آئیں گے۔

تیسری فصل

کشف المحجوب کے مآخذ و مراجع

منابع درجہ اوّل

روسی مستشرق ژوکوفیسکی نے "کشف المحجوب" کا بسیط مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت مندرجہ ذیل کتب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نظر اول درجہ پر رہی ہیں۔

۱۔ تاریخ اہل الصفتہ، تالیف ابو عبدالرحمٰن سلمی، متوفی ۴۱۲ھ صفحہ ۹۹ طبع تہران

۲۔ کتاب سلمی المعروف طبقات الصوفیہ، تالیف ابو عبدالرحمٰن سلمی، صفحہ ۱۴۱

Marfat.com

طبع تہران مقدمہ ژوکوفسکی بحوالہ کشف المحجوب صفحہ ۱۴۱۔

۳۔ الرسالۃ القشیریہ، تالیف ابوالقاسم القشیری، متوفی ۴۶۵ھ صفحہ ۱۴۱ بحوالہ کشف المحجوب۔

۴۔ کتاب محبت، تالیف عمرو بن عثمان مکی متوفی ۲۹۷ھ صفحہ ۳۹۹

۵۔ کتاب اللمع، تالیف ابونصر سراج متوفی ۳۷۸ھ

۶۔ تاریخ المشائخ، تالیف محمد بن علی الترمذی صفحہ ۵۰

۷۔ کتاب مقدسی، ابوسلیمان البستی المقدسی

۸۔ حکایات عراقیان شیوخ صوفیہ عراق صفحہ ۵۶

۹۔ حکایات ہجویری الجلابی، خود حضرت کی تصنیف

منابع درجہ دوم

۱۔ تصانیف پنجاہ گانہ حسین بن منصور حلاج صفحہ ۱۹۱

۲۔ تالیف ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی، صفحہ ۲۱۴۔

۳۔ رسائل ابوالعباس سیاری، صفحہ ۳۲۳۔

۴۔ آثار حکیم ترمذی، صفحہ ۱۷۸۔

۵۔ کتاب سماع، ابوعبدالرحمٰن سلمی، صفحہ ۵۲۳

۶۔ روایات لابی الفضل الختلی، صفحہ ۱۱۰ بحوالہ کشف المحجوب

۷۔ غلط الواجدین، ابومحمد ردیمی، صفحہ ۱۷۰

منابع درجہ سوم

۱۔ تصحیح الارادہ، جنید بغدادی، صفحہ ۴۳۹۔

Marfat.com

۲- الرعایۃ بحقوق اللہ، احمد بن خضرویہ، صفحہ ۳۹۴-

۳- کتاب اندر اباحت سماع، مؤلف نامعلوم، صفحہ ۵۲۴-

۴- کتاب اندر مرقعہ، ابو معمار اصفہانی صفحہ ۶۲-

۵- کتاب رعایت، ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی صفحہ ۱۴۴

۶- مرأۃ الحکماء، شاہ شجاع کرمانی صفحہ ۱۷۴-

مذکورہ بالا منابع اور ماخذ کے علاوہ بھی حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کی تصنیف میں بہت سے علماء کی تصانیف سے استفادہ فرمایا ہے مگر ان کی تصانیف کے نام نہیں لکھے ہیں بلکہ صرف مصنفین کے ناموں پر اکتفا کی ہے۔ وہ تالیفات و مصنفین مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یحییٰ رازی، صفحہ ۱۵۳ بحوالہ کشف المحجوب،

۲- ابوبکر وراق، صفحہ ۱۷۹

۳- آثار بن سہل بن عبداللہ، صفحہ ۳۹۴

۴- کتب مشائخ، صفحہ ۴۳۳-

۵- اخبار صحاح، صفحہ ۷۹-

ان کے علاوہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں ۲۳۶ آیات ۱۳۴ احادیث اور ۳۰۰ سو سے زائد اشعار و اقوال مشائخ سے استفادہ کیا ہے۔ اندازہ ہے کہ کم و بیش آپ نے کشف المحجوب میں ایک لاکھ الفاظ استعمال فرمائے ہیں [1] ایک ایسے دور میں جبکہ رسل و رسائل میں ان گنت دشواریاں تھیں کتابیں طبع نہیں ہوتی تھیں اور حضرتؒ کی بہت سی کتب حوالہ غزنی میں رہ گئی تھیں اتنا بسیط، جامع، مدلل اور عظیم علمی شاہکار کا مکمل ہو جانا کرامت سے کم نہیں ہے۔

---

[1] اردو دائرۃ المعارف، ۱۴، ۲، دانش گاہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

پانچویں فصل

کشف المحجوب اور متقدم و معاصر ادبیات تصوف

کتاب اللمع اور کشف المحجوب

گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ گوناگوں وجوہات و اسباب کی وجہ سے دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں حضرات صوفیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے خیالات و عقائد کے اظہار و ابلاغ کے لیے کتابیں تصنیف کریں تاکہ ان کے بارے میں جو غلط فہمیاں عوام اور علمائے ظاہر کے درمیان پیدا ہو چلی تھیں ان کا ازالہ ہو سکے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ عربی میں سب سے پہلے مربوط و مدوّن کتاب حضرت ابو نصر السّراج رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اللمع فی التصوف تصنیف فرمائی عرصۂ دراز تک موجودہ دنیا اس کتاب سے ناواقف رہی ۱۹۰۹ء میں ڈاکٹر نکلسن نے اس کے دو قلمی نسخے کھوج نکالے اور دونوں کا مقابلہ کر کے ۱۹۱۴ء میں اسے شائع کر دیا۔

کتاب اللمع کے مصنف شیخ ابو النصر سرّاج کا پورا نام عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابو نصر السّراج تھا۔ لقب طاؤس الفقراء اور وطن طوس تھا مرقد بھی یہیں ہے آباء و اجداء زہد میں شہرت رکھتے تھے۔ کان ابو نصر اولاد الزھاد۔ (تاریخ الصوفیہ للسلمی) [1]

---

[1] تصوف اسلام - ۱۵۔

ماہ رجب ۳۷۸ھ میں حالت نماز میں وفات پائی۔[1]
خواجہ فرید الدین عطارؒ نے آپ کے بارے میں لکھا ہے
"آپ بہت بڑے عالم و عارف اور ظاہری و باطنی علوم پر مکمل دسترس رکھتے تھے اور خاتم فقراء کے نگینے تھے لیکن آپ کے مکمل حالات و اوصاف کو احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں آپ کی ایک تصنیف "کتاب اللمع" بہت مشہور ہے۔ آپ نے حضرت سری سقطی اور حضرت سہیل تستری کو بھی دیکھا تھا۔"[2]

آپ کے اساتذہ میں جعفر خلدیؒ (متوفی ۳۴۸ھ) محمد بن داؤد الدقی (متوفی ۳۶۰ھ) اور احمد بن محمد سائحؒ کے نام لیئے گئے ہیں۔ بیعت کی روایت ابو محمد مرتعش نیشاپوری سے کی گئی ہے ان کا سال وفات ۳۲۸ھ ہے — تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں — لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی بظاہر موجود نہیں۔[3] حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کشف المحجوب کی تصنیف میں کتاب اللمع سے استفادہ اور آپ کے اقوال سے استناد کیا ہے۔ کتاب اللمع کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف بھی بالواسطہ سلسلہ جنیدیہ سے منسلک ہے اور اس کا مقصود بھی وہی ہے جو اس سلسلے کے مصنفین نے اپنے سامنے رکھا ہے یعنی طریقت و شریعت میں کامل ہم آہنگی کا اظہار۔ البتہ السراج کو شرف اولیت حاصل ہے۔ چونکہ حضرت ہجویریؒ اور حضرت سراج کا موضوع اور مقصد ایک

---

[1] تصوف اسلام: ۱۵۰۔
[2] تذکرۃ الاولیاء مترجم، ۳۴۲، طبع لاہور۔
[3] تصوف اسلام: ۱۶۰۔

Marfat.com

ہے اس لیے دونوں کتابوں کی ترتیب میں بھی کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔

کتاب اللمع فی التصوف کی ضخامت ۴۳۶ صفحہ کی ہے۔ اور ایک مقدمہ ہے جو سترہ حصوں میں منقسم ہے۔ اور صفحہ ۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۰ پر منتہی ہوتا ہے مقدمہ کے مندرجہ ذیل ابواب ہیں؛

۱۔ البیان عن علم التصوف و مذاہب الصوفیہ
۲۔ طبقات اصحاب الحدیث
۳۔ فی ذکر طبقات الفقہاء
۴۔ ذکر صوفیہ اور ان کے طبقات
۵۔ صوفیہ کے آداب و احوال
۶۔ اہل علم میں صوفیہ کا مقام
۷۔ صوفیہ پر جہل کے الزام کی تردید
۸۔ فقہاء پر صوفیہ کے اعتراضات
۹۔ علوم دینیہ میں تخصص کی نوعیت اور اس کا جواز
۱۰۔ صوفیہ کا نام کیوں استعمال کیا گیا
۱۱۔ اسم صوفیہ کے منکرین کی تردید
۱۲۔ علم باطن کا اثبات
۱۳۔ تصوف کی تعریف و ماہیت
۱۴۔ صوفی کی تعریف
۱۵۔ توحید اور موحد کی صفات
۱۶۔ معرفت اور عارف کی صفات
۱۷۔ مومن و عارف کے درمیان فرق

۲۔ اس کے بعد اصل کتاب "کتاب الاحوال والمقامات" سے شروع ہوتی ہے اور اس میں توبہ۔ ورع۔ زہد۔ فقر۔ صبر۔ توکل۔ رضا۔ قرب محبت۔ خوف۔ رجا۔ شوق۔ انس۔ طمانیت۔ مشاہدہ۔ یقین جیسے مقامات واحوال پر مستقل ابواب ہیں۔

۳۔ دوسرا باب اہل الصفوۃ کی خصوصیات اور کتاب اللہ کی اتباع سے متعلق ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرات صوفیہ کتاب اللہ کے کامل تتبع اور اس کے مفاہیم کو سمجھنے والے ہیں۔ بلکہ محققین صوفیہ تو اس سے استنباط کرنے کی صلاحیتوں سے مالامال ہیں۔

۴۔ تیسرے باب میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرات صوفیہ سنت کو سمجھنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے ہیں۔

۵۔ چوتھے باب میں بتایا گیا ہے کہ حضرات صوفیہ کا قرآن وسنت سے استنباط کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اور انہوں نے کس انداز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے معانی کا استنباط کیا ہے۔

۶۔ پانچواں باب صحابہ کرام سے متعلق ہے اس میں حقیقت تصوف (احسان) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرات خلفائے راشدین تک اور ان سے لے کر دیگر صحابہ کرام تک تواتر دکھلایا گیا ہے۔ یعنی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تصوف بدعت نہیں ہے بلکہ عین سنت ہے اور قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

۷۔ چھٹا باب آداب سے متعلق ہے۔ وضوء وطہارت کے آداب۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ فقر۔ صحبت۔ طعام۔ اجتماع۔ سماع۔ وجد۔ لباس۔ سفر۔ فتوحات۔ کسب۔ اخذ وعطا۔ مجلس۔ بھوک۔ مرید۔ محبت اور موت تک آداب بتلائے گئے ہیں۔

Marfat.com

ساتویں باب میں صوفیہ کے خطوط اور اشعار اور ان کی دعاؤں کا تذکرہ ہے۔

آٹھواں باب سماع اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہے

نواں باب وجد و تواجد سے متعلق ہے۔

دسواں باب کرامات کی حقیقت اور ان کے اثبات سے متعلق ہے۔

گیارہواں اور بارہواں باب صوفیہ کی شطحیات اور ان کی تاویلات سے متعلق ہے

یہ اس کتاب کا اہم ترین باب ہے۔

۱۔ کشف المحجوب اور کتاب اللمع فی التصوف کے مندرجات کے بارے میں گفتگو کرنے کا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دی جائے البتہ دونوں مصنفین کے درمیان تقریباً ایک صدی کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ السراج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے مسائل کو سامنے رکھ کر کتاب اللمع کو مرتب کیا ہوگا۔ کتاب کے مندرجات سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ السراج رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں علمائے ظاہر و علمائے باطن کے درمیان شدید آویزش شروع ہو چکی ہے لہٰذا السراجؒ نے صوفیہ اور علمائے ظاہر کے درمیان "نقطہ ہائے اشتراک تلاش کرنے کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جس کے نتیجے میں وہ اپنی کتاب میں تصوف کے ان فنی مسائل کی طرف اتنی توجہ نہ فرما سکے جتنی کہ ہمارے ممدوح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔

۲۔ چونکہ حضرت السراج کے دور میں آویزش میں کافی شدت تھی اس لیے کہیں کہیں ان کا انداز جارحانہ ہو جاتا ہے جبکہ ہجویری کا انداز کافی حد تک مصالحانہ ہے۔

مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ثم انهم من بعد ذٰلك ارتقوا الى درجات عالية و تعلقوا

Marfat.com

باحوال شریفة و منازل رفیعة من انواع العبادات و حقائق الطاعات و الاخلاق الجمیلة و لھم فی معانی ذٰلك تخصیص [1]

ترجمہ: اس مشارکت کے باوجود عبادات، حقائق طاعات، اخلاق جمیلہ احوال شریفہ اور بلند منازل کو صوفیہ طے کرنے لگتے ہیں اور انہیں اس معاملے میں خصوصیت حاصل ہے۔

۳۔ اگرچہ حضرت السراج نے احوال و مقامات کا بالتفصیل تذکرہ فرمایا ہے اور اسی انداز میں (چند اضافوں کے ساتھ) حضرت ہجویریؒ نے بھی احوال و مقامات کا بیان فرمایا ہے لیکن ذاتی واردات اور آپ بیتی کی جو کیفیت کشف المحجوب کے اندر پائی جاتی ہے وہ اللمع میں نہیں پائی جاتی۔

۴۔ احوال و مقامات تصوف میں اتنی بلند چیزیں ہیں کہ عام لوگ تو ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے (اور نہ حضرات صوفیہ) عام لوگوں کو سمجھانا چاہتے ہیں لیکن حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ چونکہ احوال و مقامات کو بیان کرتے وقت اپنی تحریر کو اقوال مشائخؒ اور ان کی حکایات سے مزین کرتے چلے جاتے ہیں اس لیے وہ قریب الفہم بھی بن جاتے ہیں اور دلچسپ بھی۔

۵۔ حضرت سراج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سری سقطی اور حضرت تستری رحمہا اللہ کی صحبت اٹھائی اور طریقت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے تاہم یہ وہ دور تھا جب تصوف کی تدوین ہو رہی تھی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا دور آتے آتے تصوف کافی حد تک مدون ہو چکا اس لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] کتاب اللمع ۱۰۱، ۱۱، طبع لائڈن ۱۹۱۴ء۔

Marfat.com

کو اضافے کرنے اور صوفیانہ حقائق کو حضرت سراج سے زیادہ وضاحت اور تفصیل سے پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کشف المحجوب کا کینوس "کتاب اللمع" کے کینوس سے زیادہ وسیع ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضرت سراج جن بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے ان کے اقوال روایتہً حضرت ہجویری تک پہنچے۔ اور وہ ان کے علاوہ بھی سینکڑوں مشائخ سے ملے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ہجویری کے علم اور مشاہدے میں زیادہ وسعت پیدا ہوگئی۔ مثال کے طور پر ایک "مقام فقر" ہی کو لے لیجیے۔ حضرت سراج نے اس مقام پر بحث کرتے وقت ایک آیت لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور ایک حدیث اَلْفَقْرُ اَزْیَنُ بالعبد المؤمن سے استدلال کیا ہے اور صوفیہ میں سے حضرت ابراہیم بن احمد الخواص، سہل بن علی اصفہانی ابوعبداللہ بن الجلاء، ابوعلی الروذباری، نصر بن الحمامی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ، الجریری اور رویم رحمہم اللہ کے اقوال نقل کئے ہیں اس طرح یہ مضمون دو صفحات میں مکمل ہوگیا۔[1]

اس کے برخلاف حضرت ہجویری نے باب اثبات الفقر میں نو آیتیں تین حدیثیں اور مشائخ رحمہم اللہ کے ۱۳ اقوال پیش کئے ہیں۔ اور آٹھ صفحات میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ آیات درج ذیل ہیں :

۱۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ[2]

---

[1] حوالہ کے لیے دیکھئے "اللمع" صفحہ ۷،۴

[2] القرآن : سورہ بقرہ : ۲۷۳۔

Marfat.com

۲۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ الخ [1]

۳۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ الخ [2]

۴۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الخ [3]

۵۔ وَلَا تَعْدُ عَیْنَاكَ عَنْهُمْ الخ [4]

۶۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ الخ [5]

۷۔ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ الخ [6]

۸۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ الخ [7]

۹۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ الخ [8]

مندرجہ ذیل حدیثیں استناداً پیش کی گئی ہیں:

۱۔ اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین

۲۔ ادنوا منی احبائی فیقول الملئکۃ من احباءك فیقول اللہ عزّوجل الفقرآء والمساکین۔

۳۔ الفقر عزّ لاھلہ۔

مندرجہ ذیل مشائخ رحمہم اللہ کے اقوال پیش کئے گئے ہیں۔

---

[1] سورہ النحل: ۷۵

[2] سورہ السجدہ: ۱۶

[3] سورہ الانعام: ۵۲

[4] سورہ الکھف: ۲۸

[5] سورہ فاطر: ۱۵

[6] سورہ محمدؐ: ۳۸

[7] سورہ البقرہ: ۱۵۳

[8] سورہ ابراھیم: ۷

Marfat.com

یحییٰ بن معاذ رازی (۲) احمد بن خوارزمی (۳) حارث محاسبی (۴) ابوالعباس بن عطا (۵) رویم بن محمد (۶) ابوالحسن بن شمعون (۷) شیخ ابوسعید (۸) جنید بغدادی (۹) ابوالقاسم قشیری (۱۰) بشر حافی (۱۱) شبلی (۱۲) ابوالحسن نوری (۱۳) بعض متاخرین صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین:

حضرت سراج نے صرف فقر کی تعریف پر اکتفا کی ہے جبکہ حضرت ہجویریؒ نے فقر کی تعریف۔ فقر کے فضائل۔ فقیر کی خصوصیات۔ فقر و غنا کا موازنہ اور ایک کی وجہ ترجیح۔ فقر و غنا کے درمیان فضیلت کے باب میں مشائخ کے درمیان اختلاف رائے۔ حضرت رحمۃ اللہ کا محاکمہ۔ فقیر کی سیرت کے لوازمات۔ فقر و صفوت کے درمیان فرق۔ دونوں میں سے مرجح کون ہے۔ اس ضمن میں صوفیہ کے مسالک۔

ان تمام باتوں پر بحث کی ہے۔

یہ ایک مختصر سے باب کے بارے میں دونوں کتابوں کے مندرجات سے تعرض کیا گیا ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ قارئین کرام اسی سے اندازہ لگالیں کہ مندرجات و معلومات کے اعتبار سے کتاب اللمع اور کشف المحجوب میں کیا فرق ہے۔

ان معروضات کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ میں کشف المحجوب کے مقابلے میں کتاب اللمع کا مقام گھٹانا چاہتا ہوں حاشا وکلا یہ مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حضرت سراج کے دور میں چونکہ مختلف صوفیانہ مکاتب فکر کا وجود ہی نہیں ہوا تھا نہ یہ مباحث اٹھے تھے اس لیے حضرت سراجؒ کو اپنی تصنیف میں وہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی جو حضرت ہجویریؒ نے اختیار فرمایا:

یہ بات بھی لائق اعتناء ہے کہ حضرت سراجؒ کے مخاطبین اجلاء صوفیہ اور اکابر علماء ہیں اس لیے ان کے کلام میں ایجاز و اختصار ہے کیونکہ علماء کے لیے اشارے کافی ہوتے ہیں لیکن ہمارے ممدوح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مخاطبین زیادہ تر عوام ہیں

Marfat.com

یا نومسلم لوگ۔ جن کے لیے ضروری تھا کہ جو گفتگو کی جائے تفصیل سے کی جائے اور اسلوب بیان ایسا اختیار کیا جائے کہ قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہے۔ اسلیے کتاب اللمع ایک فنی (TECHNICAL) کتاب معلوم ہوتی ہے اور کشف المحجوب فنی ہونے کے ساتھ ساتھ مصلحانہ اور واعظانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جس طرح یہ عوام کے لیے مفید ہے کہ (جس کا کوئی پیر نہ ہو کشف المحجوب اس کا پیر ہے) بالکل اسی طرح اور اسی حیثیت میں علماء کے لیے مفید ہے۔ البتہ کتاب اللمع کو شرف تقدم حاصل ہے کہ یہ تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔

چھٹی فصل

قوت القلوب اور کشف المحجوب

قوت القلوب کے مصنف ابو طالبؒ مکی کا پورا نام محمد بن علی بن عطیہ الحارثی اور کنیت ابوطالب ہے۔ ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ شیخ ابو الحسن محمد بن ابی عبداللہ احمد بن سالم البصری کے مرید تھے۔ آپ کی وفات ۳۸۶ھ میں ہوئی[1] مولانا جامی نے لکھا ہے کہ دو واسطوں سے ان کی نسبت طریقت حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے ہے۔ یعنی ابوطالب مکی مرید شیخ ابوالحسن بصری کے وہ مرید اپنے والد ابوعبداللہ احمد بن سالم کے اور وہ مرید اپنے والد سہل بن عبداللہ تستری کے۔

مولانا جامی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب مکی کی کتاب "قوت القلوب" اسرار طریقت کی جامع ہے کہتے ہیں کہ دقائق طریقت میں اس جیسی کوئی کتاب اسلام

---

[1] سفینۃ الاولیاء مترجم، ۲۰۳۔

Marfat.com

میں نہیں لکھی گئی۔ [1]

عربی ٹائپ میں دو مجلدات میں ۱۱۰۴ صفحات پر مشتمل یہ عظیم کتاب ۱۹۶۱ء میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کا پہلا ایڈیشن کب اور کہاں سے شائع ہوا۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے دسویں صدی عیسوی میں اس خیال کو کہ طریقت اور شریعت باہم متصادم ہیں دفع کرنے کی صوفیہ (بالخصوص حلقۂ جنیدیہ) کی طرف سے تحریری صورت میں جو کوششیں شروع کی گئی تھیں یہ تصنیف انہیں کی ایک اہم کڑی ہے۔ مصنف اس کتاب میں ایک صوفی سے زیادہ فقیہ نظر آتا ہے کتاب کی ترتیب میں بھی فقہاء کا سا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ بات کتاب کے نام سے مترشح نہیں ہوتی۔ کتاب کا پورا نام "قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف المرید الیٰ مقام التوحید" ہے۔ شیخ ابو النصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف کتاب اللمع اور قوت القلوب دونوں چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئیں۔ کتاب اللمع پر تصوف کا غلبہ ہے جبکہ قوت القلوب پر فقہ کا۔

قوت القلوب ۴۸ فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہر فصل کے تحت نہایت اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً

فصل نمبر ۱ میں غایت تخلیق سے متعلق مباحث ہیں اور صرف قرآنی آیات سے اس کا تعین کیا گیا ہے۔

فصل نمبر ۲ میں اذکار و اوراد بیان کئے گئے ہیں۔

---

[1] نفحات الانس مترجم ملخصاً، ۲۳۶، ۲۳۷ طبع صادق آباد۔

فصل نمبر ۳ میں	دن رات کے اعمال کا تذکرہ ہے۔
فصل نمبر ۴ میں	مستحبات ذکر
فصل نمبر ۵ میں	فجر کی نماز کے بعد کی دعائیں
فصل نمبر ۶ میں	فجر کی نماز کے بعد کے اعمال
فصل نمبر ۷ میں	اوراد النہار
فصل نمبر ۸ میں	اوراد اللیل
فصل نمبر ۹ میں	فجر کے وقت کے اذکار
فصل نمبر ۱۰ میں	زوال کے وقت کی شناخت
فصل نمبر ۱۱ میں	نماز کے فضائل دن اور رات میں
فصل نمبر ۱۲ میں	وتر کا بیان
فصل نمبر ۱۳ میں	نیند سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا
فصل نمبر ۱۴ میں	قیام اللیل کے فضائل
فصل نمبر ۱۵ میں	تسبیحات و اوراد
فصل نمبر ۱۶ میں	تلاوت اور اس کے حقوق
فصل نمبر ۱۷ میں	مدح العاملین وذم الغافلین
فصل نمبر ۱۸ میں	غافلوں کے مکروہ حالات
فصل نمبر ۱۹ میں	بہ آواز بلند تلاوت قرآن
فصل نمبر ۲۰ میں	ان راتوں کا بیان جن میں بیداری افضل ہے۔
فصل نمبر ۲۱ میں	جمعہ اور اس کے آداب
فصل نمبر ۲۲ میں	فضائل صوم

Marfat.com

فصل نمبر ۲۳ میں — محاسبہ نفس

فصل نمبر ۲۴ میں — حقیقت ورد

فصل نمبر ۲۵ میں — حقیقت نفس اور حقیقت مواجید

فصل نمبر ۲۶ میں — اہل مراقبہ کے مشاہدات

فصل نمبر ۲۷ میں — مریدی کی اساس

فصل نمبر ۲۸ میں — مقربین کا مراقبہ

فصل نمبر ۲۹ میں — مقربین میں اہل مقامات کے اوصاف

فصل نمبر ۳۰ میں — خواطر کی بحث

فصل نمبر ۳۱ میں — علم و معرفت۔ علماء اور عارفین کے فضائل

فصل نمبر ۳۲ میں — شرح مقامات

فصل نمبر ۳۳ میں — ارکان اسلام

فصل نمبر ۳۴ میں — ایمان۔ سنت۔ اعتقاد القلب کی تفصیلات

فصل نمبر ۳۵ میں — عقائد اسلام

فصل نمبر ۳۶ میں — محاسن اسلام و بدعات

فصل نمبر ۳۷ میں — کبائر کی تفصیلات

فصل نمبر ۳۸ میں — اخلاص

فصل نمبر ۳۹ میں — غذا کے اصول

فصل نمبر ۴۰ میں — کھانے کے آداب

فصل نمبر ۴۱ میں — فرائض فقر و فضائل

فصل نمبر ۴۲ میں — مسافر کے احکام

Marfat.com

فصل نمبر ۴۳ میں — امامت کے احکام
فصل نمبر ۴۴ میں — الحب فی اللہ و آداب محبت
فصل نمبر ۴۵ میں — تزویج و تجرید
فصل نمبر ۴۶ میں — حمام میں داخل ہونے کے آداب
فصل نمبر ۴۷ میں — صنائع۔ معیشت۔ تجارت اور ان کے آداب و اصول
فصل نمبر ۴۸ میں — حلال و حرام کا بیان

کتاب کے مضامین کی مختصر فہرست اس لیے دی گئی ہے کہ قارئین کو اس کے مشمولات کا اندازہ ہو سکے ساتھ ہی یہ بھی پتہ چل سکے کہ چوتھی صدی ہجری میں حضرت ابوطالب مکی نے یہ کتنا بڑا علمی کام انجام دیدیا تھا۔ اس کا مقصود جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے طریقت و شریعت کے مابین ہم آہنگی کا اظہار ہی نظر آتا ہے۔

اس کتاب کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مصنف جس موضوع پر بحث کرنا چاہتے ہیں اس سے متعلق پہلے آیات قرآنی لاتے ہیں اور اگر ممکن ہوتا ہے تو احادیث نبوی اور اس کے بعد بزرگان دین کے اقوال سے استشہاد کرتے ہیں۔

بیان کردہ سابقہ تفصیلات سے قارئین کرام کو کتاب "قوت القلوب" کی وسعت اور جامعیت کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت و طریقت کے تمام مہمات مسائل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور مولانا جامی نے غلط نہیں کہا ہے کہ،

"دقائق طریقت میں اس جیسی کوئی کتاب اسلام میں نہیں لکھی گئی"۔

تاہم جب ہم "قوت القلوب" کو "کشف المحجوب" کے مقابلے میں رکھتے ہیں تو مندرجہ ذیل باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں،

۱۔ قوت القلوب کی بنیاد صرف روایت پر ہے جبکہ کشف المحجوب کا بیان روایت کے ساتھ ساتھ درایت اور منطقی استدلال سے بھی کافی حد تک مزین ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ صرف بزرگان دین کے اقوال کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جبکہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کے مختلف اقوال و آراء کو ذکر کرنے کے بعد "محاکمہ" بھی کرتے جاتے ہیں اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری کا ذہن مشوش نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے کہ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قاری کی انگلی تھامے اسے نظریات و آراء کے ایک گھنے جنگل سے گزارتے چلے جارہے ہیں اور اسے سود و زیاں اور زشت و خوب سے آشنا کرتے جارہے ہیں۔ ہدایت کے دو طریقے ہیں ایک اہداء السبیل (راستہ بتادینا) اور دوسرا ایصال الی المطلوب (منزل تک پہنچا دینا۔) قوت القلوب میں اہداء السبیل کا انداز ہے جبکہ کشف المحجوب میں ایصال الی المطلوب کا۔

۳۔ حضرت ابوطالب مکی اور حضرت سید علی ہجویری رحمہما اللہ دونوں آشنائے راہ ہیں۔ اور دونوں نے سلوک کے ابتدائی منازل سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور پھر اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے اس راستے کی مشکلات سے دونوں حضرات بخوبی آشنا ہیں لیکن اول الذکر کے یہاں حد درجہ ایجاز ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ابوطالب رح مکی ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر وعظ فرما رہے ہیں جبکہ کشف المحجوب کا مطالعہ کرتے وقت یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مصنف اپنے قاری کا دوست اور ساتھی ہے۔ اس میں جو اپنائیت اور یگانگت کا احساس ہے وہ قوت القلوب میں نہیں ہے۔

Marfat.com

مثال کے طور پر قوت القلوب میں حقیقت نفس کی بحث ہے[1] یہ بحث آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مصنف نے بحث کا آغاز کرتے ہی فرمایا:

اعلم ان النقصان یبدو من الغفلۃ والغفلۃ تنشأ من آفات النفس والنفس مجبولۃ علی الحرکۃ وقد امرت بالسکون وھو ابتلاؤھا لتفتقر الیٰ مولاھا وتبرأ من حولھا وقواھا ومثل ذٰلک قولہٗ تعالیٰ ولا تموتن الا وانتم مسلمون[1]

ترجمہ: جان لو کہ نقصان غفلت سے پیدا ہوتا ہے اور غفلت نفس کی آفتوں کے باعث جنم لیتی ہے نفس کی جبلت میں حرکت ہے اور اسے سکون اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سکون کا ذریعہ اس کا (تکالیف میں) مبتلا ہونا ہے تاکہ وہ اپنے مولا کا محتاج ہو اور اپنے حول وقوت سے نکل جائے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول ہے (ترجمہ) اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان رہو۔

آگے چل کر مصنف بعض اکابر کا قول نقل فرماتے ہیں:

لان ابتلی بدخول النار احب الی من ان ابتلی بمعصیۃ قیل ولم؟ قال لان فی المعصیۃ خلاف ربی تعالےٰ وسخطہٗ وفی النار اظہار قدرتہٖ وانتقامہٗ لنفسہ قال فسخطہٗ اعز علی واعظم من تعذیب نفسی[2]

ترجمہ: معصیت میں مبتلا ہونے سے زیادہ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ مجھے آگ میں

---

[1] ملاحظہ فرمائیں قوت القلوب: جلد اول ص ۴۷ ا طبع مصر ۱۹۶۱ء

[2] ایضاً ، ، ، ،

Marfat.com

ڈال دیا جائے سوال کیا گیا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ معصیت میں اپنے رب کی مخالفت اور اس کی ناراضگی ہے اور آگ میں اس کی قدرت کا اظہار اور انتقام ہے لہذا اپنے نفس کے عذاب سے زیادہ میرے نزدیک اہمیت اپنے رب کی ناراضگی کو ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت ابو طالبؒ نے حقیقت نفس پر بحث اس انداز میں شروع فرمائی ہے گویا کہ ان کا قاری نفس انسانی کی تمام پیچیدگیوں اور اس کے فسادات سے واقف ہے چنانچہ انہوں نے تفصیلات میں جانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی۔

اب ذرا کشف المحجوب کی طرف آئیے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جان لو کہ از روئے لغت نفس "کسی شے کے وجود" کو کہتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت ذات ہے۔ لیکن عوام میں اس کے بہت سے معانی لیے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس لفظ کا استعمال بعض اوقات نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے برخلاف معنوں میں ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو متضاد معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے پس عرف و عادت کے اعتبار سے ایک گروہ اس لفظ کو روح کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک مروت کے معنی میں، ایک گروہ اس کو جسم و جسد کے معنی میں استعمال کرتا ہے اور ایک گروہ خون کے معنی میں، لیکن محققین صوفیہ کے نزدیک ان معنوں میں سے کوئی معنیٰ صحیح نہیں ہے بلکہ نفس کے متعلق ان کی تحقیق یہ ہے کہ نفس نام ہے منبع شر اور رہنمائے سوء کا۔ (صوفیہ کی) ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک حقیقت ہے جو دل میں رکھی گئی ہے اور وہ روح کی طرح انسان کے وجود کے ساتھ لگی ہوئی ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی صفت کا نام ہے جو قالب انسانی میں مثل حیات

Marfat.com

کے موجود ہے۔ تاہم تمام محققین صوفیہ اس امر پر متفق ہیں کہ نفس ہی کے ذریعہ اخلاق رذیلہ اور افعال خبیثہ کے ارادے جنم لیتے ہیں اور یہی تمام افعال خبیثہ کا سبب ہے۔ افعال خبیثہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک معاصی دوسرے اخلاق رذیلہ جیسے تکبر حسد۔ بخل۔ غصہ وغیرہ اور ان کے مثل دیگر ناستودہ صفات۔

ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ صوفی ان اوصاف رذیلہ کو اپنے آپ سے دفع کرتا ہے۔ جیسے توبہ اور اجتناب از معصیت وغیرہ ؎۱

آگے چل کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے :

چنانچہ نفس کی مخالفت میں تمام عبادات کا راز مضمر ہے اور شدید مجاہدہ بھی اسی مخالفت نفس کے لیے ہے اور بندہ بغیر مخالفت نفس کے واصل بحق نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نفس کی موافقت میں ہلاکت اور اس کی مخالفت میں نجات ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی تعریف فرمائی ہے جو اس کی مخالفت کی راہ پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى

ترجمہ: (جنہوں نے نفس کو غلط خواہشات سے روکا جنت ان کا ٹھکانا ہے) ؎۲

ایک ہی موضوع پر حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز بیان اور ہمارے ممدوح سیدنا ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب نگارش ملاحظہ کرنے کے بعد ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اول الذکر علماء کو مخاطب فرما رہے ہیں اور

؎۱ کشف المحجوب: ۱۷۵ طبع لاہور

؎۲ ایضاً، ۱۷۶

ثانی الذکر کا اسلوب بیان بقول نکلسن ایسا ہے گویا کہ کوئی استاد اپنے شاگرد کو سبق پڑھا رہا ہو۔ ان تمام خصوصیات کے باوجود قوت القلوب کو جو شرف تقدم حاصل ہے اور صاحب قوت القلوب نے فن تصوف وفقہ کا جو حسین امتزاج پیش کیا ہے اس کا اقرار واعتراف نہ کرنا سخت ناانصافی ہے۔

ساتویں فصل

التعرف لمذہب اہل التصوف اور کشف المحجوب

کتاب التعرف کے بارے میں سہروردی مقتول کا قول اتنا معروف ہوا کہ اب اس کی حیثیت ضرب المثل کی سی ہوگئی ہے۔ التعرف کا جو نسخہ میرے سامنے ہے یہ ۱۹۶۹ء میں مصر میں طبع ہوا۔ اس کے نام کے نیچے لوح پیشانی پر یہی جملہ لکھا ہوا ہے۔

لولا التعرف لما عرف التصوف

(اگر کتاب تعرف نہ ہوتی تو لوگ تصوف کو ہی نہ پہچانتے۔)

یہ کتاب دراصل علماء اور صوفیہ کے درمیان صلح کرانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اے۔ جے آربری (   ) نے التعرف کے ترجمہ پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں بتلایا ہے کہ:

"خاص طور پر ۹۲۲ء میں حلاج کی پھانسی کے بعد تصوف نہایت خطرناک دور سے گزر رہا تھا اور اندیشہ تھا کہ اسے مردود قرار دیدیا جائیگا ہوسکتا ہے کہ یہ صورتحال کلاباذی کے بچپن ہی میں پیدا ہوگئی ہو اسی لیے ہمارا مصنف کلاباذی اپنی تمام قوت اس بات پر صرف کر رہا ہے کہ یہ

Marfat.com

ثابت کرے کہ تصوف کڑے شرعی معیار کے مطابق ہے۔ [1]

حضرت کلاباذی نے خود کتاب کے مقدمہ میں کتاب کی غایت تصنیف بیان کرتے ہوئے پہلے توصوفیہ کرام کے فضائل بتلائے پھر تصوف جس زوال سے دوچار ہوا اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

الی ان ذهب المعنی وبقی الاسم وغابت الحقیقة و حصل الرسم فصار التحقیق حلیة والتصدیق زینة وادعاہ من لم یعرفه وتحلی به من لم یصفه وانکرہ بفعله من اقربه بلسانه وکتمه بصدقه من اظهرہ ببیانه وادخل فیه ما لیس فیه فجعل حقه باطلا وسمی عالمه جاهلا۔ فنفرت القلوب منه وانصرفت النفس عنه فذهب العلم واهله والبیان وفعله فصار الجهال علماء والعلماء اذلاء۔ [2]

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا کہ معنی غائب ہوگیا اور نام باقی رہ گیا۔ رسم رہ گئی اور حقیقت غائب ہوگئی اب تحقیق و تصدیق محض ایک زینت کی چیزیں بن گئیں (ورنہ ان کا وجود نہ تھا) تصوف کے وہ مدعی پیدا ہوگئے جو جانتے بھی نہیں تھے کہ تصوف کیا چیز ہے اور اسے ان لوگوں نے اختیار کرلیا جو کسی کو بتا بھی نہیں سکتے تھے کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے۔ تصوف کے (جھوٹے) مدعی زبان سے جو کہتے ان کا عمل اس کے خلاف ہوتا۔ انہوں نے تصوف کی حقانیت کو چھپا لیا اور اس میں وہ چیزیں داخل کردیں جو تصوف

---

[1] A.J. Arberry, I... ...oduction XIV.

[2] الکلاباذی ابوبکر محمد: التعرف لمذہب اہل التصوف: ۲۷، طبع مصر ۱۹۶۹ء

نہ تھیں انہوں نے حق کو باطل اور عالم کو جاہل ٹھہرانا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں لوگوں کے دل تصوف سے متنفر ہو گئے اور انکے نفوس اسے قبول کرنے سے منحرف ہو گئے علم اور اہل علم اور قول وعمل رخصت ہو گئے ایسے وقت میں جاہل تو عالم بن بیٹھے اور عالم ذلیل ورسوا ہو گئے۔

آگے چل کر مصنف لکھتے ہیں:

فدعانی ذلک الی ان رسمت فی کتابی هذا وصف طریقتهم وبیان نحلهم وسیرتهم من القول فی التوحید والصفات وسائر ما یتصل به — لیفهمه من لم یفهم اشاراتهم ویدرکه من لم یدرک عباراتهم وینتفی عنهم خرص المتخرصین وسوء تاویل الجاهلین [1]

ترجمہ: ان حالات نے مجھے دعوت دی کہ میں صوفیہ کے طریق کی وضاحت کے لیے اپنی یہ کتاب لکھوں، ان کا مشرب بیان کروں ان کے کردار و سیرت پر روشنی ڈالوں اور وہ تمام چیزیں پیش کروں جو حضرات صوفیہ سے متعلق ہیں — تاکہ جنہوں نے سمجھا نہیں ہے۔ وہ ان کے اشارات کو سمجھ لیں اور جنہیں حضرات صوفیہ کی عبارات کا ادراک نہیں ہے انہیں ادراک ہو جائے اور اٹکل پچو الزام تراشی کرنے والوں کے الزامات دفع ہوں اور جاہلوں کی تاویلات کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ان عبارات سے کتاب التعرف کا سبب تالیف پوری طرح متعین اور واضح ہو گیا ہو گا کتاب "التعرف" پچھتر ۷۵ ابواب پر پھیلی ہوئی ہے جن میں مندرجہ ذیل

---

[1] الکلاباذی۔ التعرف: ۸۔ ۲: طبع مصر ۱۹۳۹

Marfat.com

مباحث کا بیان ہوا ہے۔

صوفیہ کا نام۔ اکابر صوفیہ۔ علم اشارات کے موجد۔ تصوف کے موضوع پر لکھنے والے۔ توحید صفات باری تعالیٰ۔ خلق۔ اسمائے باری تعالیٰ۔ حقیقت قرآن۔ کلام باری تعالیٰ۔ رویت باری۔ رویۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قدر و خلق افعال۔ استطاعت۔ جبر۔ اصلح کی بحث۔ وعدہ وعید۔ شفاعت۔ اطفال۔ بالغین، معرفت۔ اختلاف فی المعرفۃ۔ حقیقت روح۔ ملائکہ و رسل۔ کرامات۔ ایمان۔ حقائق ایمان۔ مذاہب شرعیہ۔ مکاسب۔ علوم الاحوال۔ حقیقت تصوف۔ کشف الخواطر۔ تصوف و استرسال۔ توبہ۔ زہد۔ صبر۔ فقر۔ تواضع۔ خوف۔ تقویٰ اخلاص۔ شکر۔ توکل۔ رضا۔ یقین۔ ذکر۔ انس۔ قرب۔ اتصال۔ محبت۔ تجرید و تفرید۔ وجد۔ غلبہ۔ سکر۔ غیبت و شہود۔ جمع و تفرقہ۔ تجلی و استتار فنا و بقا۔ حقائق معرفت۔ توحید۔ عارف کی صفات۔ مرید و مراد۔ مجاہدات و معاملات۔ عوام سے خطاب۔ صوفیہ کے مجاہدات کی نوعیت۔ صوفیہ کو بذریعہ ہاتف تنبیہ۔ فراست۔ رؤیاء صوفیہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت۔ اللہ کے ساتھ صوفیہ کے تعلقات۔ موت کے وقت اور موت کے بعد صوفیہ کے احوال موت سے متعلق حقائق۔ سماع۔

موضوعات کی فہرست سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت کلابازی نے تصوف سے متعلق شاید کوئی ایسا مبحث نہیں ہو گا جس پر گفتگو نہ کی ہو۔ التعرف کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس کا ایجاز و اختصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب شائع ہوتے ہی علماء اور مشائخ میں مقبول ہوئی اور اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ اس کی ایک شرح خواجہ عبداللہ انصاری الہروی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ دوسری شرح علاء الدین علی بن اسماعیل قونوی نے

Marfat.com

لکھی تیسری اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی نے لکھی۔

آربری نے کشف الظنون کے حوالے سے لکھا ہے کہ خود کلاباذی نے اس کی شرح حسن التعرف نام سے لکھی تھی لیکن پھر خود ہی اس کی تردید کردی ہے التعرف کے مصنف حضرت ابوبکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی کے سوانح کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں۔ کلاباذ بخارا میں ایک قصبہ تھا مصنف وہیں کے رہنے والے تھے۔ مسلکا حنفی تھے۔ محمد بن الفضل سے علم فقہ حاصل کیا اور ماہر فقیہ مانے گئے سال وفات کے بارے میں اختلاف ہے دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ ۱۹ رجمادی الاول جمعہ کے دن ۳۸۰ھ میں بخارا ہی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی جگہ انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز میں کشف المحجوب کے ابواب کو ترتیب دیا ہے کلاباذی کا انداز بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔

۱۔ تاہم التعرف میں حد سے زیادہ ایجاز ہے۔ اس کے مقابلے میں کشف المحجوب میں تمام مباحث کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً دوسرے باب میں کلاباذی نے رجال صوفیہ کا ذکر کیا ہے اور صرف نام گنوا دیئے ہیں مثلاً امام زین العابدین۔ امام باقر امام جعفر صادق، اویس قرنی، ہرم بن حیان حسن بصری، ابن دینار المدینی، مالک بن دینار، عبدالواحد بن زید، ابراہیم ادھم فضیل بن عیاض رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ وغیرہ جبکہ صاحب کشف المحجوب نے ان تمام حضرات کے مفصل حالات بیان کئے ہیں بعض بعض کے حالات تو کئی کئی صفحوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

ل

اس اعتبار سے اگر دیکھیں تو کشف المحجوب کی افادیت دو چند نظر آتی ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ صاحب التعرف نے زیادہ تر اکابر صوفیہ کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کی ہے جبکہ اپنی گہری نظر اور قوت استدلال کی بدولت کشف المحجوب میں ہمیں دوسری دنیا ہی نظر آتی ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ متعدد اقوال نقل فرماتے ہیں پھر ان اقوال کو تحقیق کی چھلنی میں اچھی طرح چھانتے ہیں اور پھر ان سے نتیجہ اخذ کر کے قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اس اسلوب کو انگریزی میں Spoon Feeding سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے چونکہ الکلاباذی کے پیش نظر علماء اور صوفیہ کے درمیان صلح کرانا تھا اس لیے اصلاح سے زیادہ ان کی توجہ حقائق تصوف کے بیان اور شریعت سے اس کی مطابقت کو واضح کرنے پر مرتکز رہی اس چیز نے التعرف کو ایک فنی کتاب تو ضرور بنا دیا لیکن اس سے اس کی مصلحانہ حیثیت ضرور پس پشت چلی گئی ہے۔ کشف المحجوب کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ یہ کتاب بیک وقت اعلیٰ معیار کی فنی کتاب بھی ہے اور ایک بہترین واعظ و مصلح بھی۔ کشف المحجوب کے الفاظ دل میں اترتے ہیں تو اترتے ہی چلے جاتے ہیں اور مصنف کی خواہش اور نیت کے مطابق دل کی دنیا کو منقلب کر کے رکھ دیتے ہیں

اس بیان کا یہ مطلب نہیں کہ التعرف کوئی کمزور کتاب ہے۔ کیونکہ التعرف نے صدیوں اہل علم کے بہت بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے۔ البتہ افادیت عمومی کے اعتبار سے کشف المحجوب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

آٹھویں فصل

رسالہ قشیریہ اور کشف المجوب

رسالہ قشیریہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت ابوالقاسم القشیری عبدالکریم بن ہوازن النیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ صاحب شذرات الذہب ابن العماد الحنبلی نے السخاوی کا قول نقل کرتے ہوئے آپ کے بارے میں لکھا ہے۔

عبدالکریم بن ھوازن بن عبدالملک بن طلحۃ بن محمد القشیری ابوالقاسم المفسر المحدث الفقیہ الشافعی المتکلم الاصولی الادیب النحوی الکاتب الشاعر الصوفی لسان عصرہ وسید وقتہ سید لم یر مثل نفسہ فی کمالہ وبراعتہ جمع بین علمی الشریعۃ والحقیقۃ [1]

ترجمہ: عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد القشیری ابوالقاسم جو مفسر، محدث، فقیہ (شافعی) متکلم، اصولی، ادیب، نحوی مصنف، شاعر، صوفی، لسان العصر اور سید الوقت تھے ایسے سید جس نے (اپنے دور میں) اپنا مثل کمال ندرت کے اعتبار سے نہیں دیکھا اور علم شریعت و حقیقت دونوں کے جامع تھے آپ کی ولادت ۳۷۶ھ میں ہوئی اور ۶ ربیع الثانی ۴۶۵ھ میں وفات ہوئی وفات کے بعد انہیں ان کے شیخ ابو علی دقاق کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد برسوں ادب و احترام کی وجہ سے کوئی ان کے مکان میں داخل ہوا نہ ان کے

---

[1] ابن العماد: شذرات الذہب: ۳: ۳۲۰: طبع مصر ۱۳۵۰ھ

Marfat.com

کپڑوں اور کتابوں کو چھوا۔ سبکی نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف میں مشہور تفسیر قرآن ہے جو اپنے دور کی بہترین اور واضح ترین تفسیر ہے۔ رسالہ قشیریہ کا بھی یہی حال ہے کہ شاید ہی کوئی گھر ہو گا جس میں یہ رسالہ نہ ہو۔ ان کے علاوہ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

کتاب الجواہر۔ عیون الاجوبۃ فی اصول الاسئلۃ۔ کتاب المناجاۃ۔ کتاب نکت اولی النہیٰ۔ کتاب احکام السماع۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے ان کے گاؤں پر جو استوا کے نواحی میں واقع تھا بہت بھاری خراج عائد کر دیا گیا تھا تو وہ اس ارادے سے نیشاپور تشریف لے گئے کہ حساب کتاب سیکھ کر گاؤں کے لوگوں کو خراج کے بار عظیم سے نجات دلائیں گے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ ان کی ملاقات نیشاپور کے عظیم صوفی شیخ ابو علی الدقاق سے ہو گئی جنہوں نے اپنی فراست سے نوجوان میں نور ولایت دیکھا اور انہیں ابو بکر طوسی کے درس میں بھیج دیا جہاں انہوں نے فقہ کی تکمیل کی پھر حدیث کے لیے استاد ابو اسحاق اسفر آئینی کی خدمت میں حاضر ہوئے بعد فراغت حضرت دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنا مرید بنا کر تربیت فرمائی اور نابغہ عصر بنا دیا [۱]

خود ہمارے ممدوح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وہ اپنے زمانے میں بے نظیر و بے بدیل تھے درگاہ کے تمام لوگوں کے دل ان کی طرف متوجہ تھے۔ اور تمام سالکوں کو ان پر اعتماد تھا ان کا کشف و وقائع ظاہر تھا تمام فنون کے عالم تھے۔ ان کے تمام مراتب

---

[۱] ابن العماد حنبلی شذرات الذہب : ۳ : ۳۲۰ —— ۳۲۱

اس وقت جہاں جہاں ہیں وہاں ان کے دم قدم سے زینت ہے[1]

اس کے بعد حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے واقعات بیان فرمائے ہیں جو حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آئے۔ (گذشتہ صفحات میں وہ واقعات بیان ہو چکے ہیں۔) الرسالۃ القشیریہ درحقیقت حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب ہے تمام ممالک اسلامیہ میں مقیم جماعت صوفیہ کے نام فرماتے ہیں:

ھٰذہٖ رسالۃ کتبھا الفقیر الی اللہ تعالیٰ عبد الکریم بن ھوازن القشیری الی جماعۃ الصوفیہ ببلدان الاسلام فی سنۃ سبع وثلاثین واربعمائۃ[2]

ترجمہ: یہ ایک خط ہے جسے فقیر عبدالکریم بن ہوازن القشیری نے ۴۳۷ھ میں صوفیہ کی ان جماعتوں کی طرف تحریر کیا ہے جو بلاد اسلام میں مقیم ہیں۔

اس مکتوب میں آپ نے سب سے پہلے اس بات پر قلبی صدمے کا اظہار فرمایا ہے کہ:

ان المحققین من ھٰذہٖ الطائفۃ انقرض اکثرھم ولم یبق فی زماننا ھٰذا من ھٰذہٖ الطائفۃ الا اثرھم[3]

ترجمہ: محققین صوفیہ کی اکثریت رخصت ہو چکی ہے اور ہمارے زمانے میں بس ان کی نشانیاں باقی رہ گئی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بتلایا کہ:

---

[1] کشف المحجوب: ۱۵۲ طبع لاہور

[2] القشیری عبدالکریم بن ہوازن: الرسالۃ القشیریہ: ۲: طبع مصر ۱۹۵۹ء

[3] ایضاً:

Marfat.com

زال الورع وطوی بساطه واشتد الطمع وقوی رباطه و ارتحل عن القلوب حرمة الشریعة فعدوا قلة المبالاة بالدین اوثق ذریعة ورفضوا التمیز بین الحلال والحرام[1]

ترجمہ: ورع (پرہیز گاری) رخصت ہوگئی اور اس کی بساط لپیٹ دی گئی طمع بڑھ گئی اور اس کی گرفت سخت ہوگئی ہے شریعت کا احترام دلوں سے ختم ہو چکا ہے اور احکام شریعت سے لاپرواہی کو لوگ قابل اعتماد ذریعہ (وصول الی اللہ کا) سمجھنے لگے ہیں۔ لوگوں نے حلال وحرام کے درمیان تمیز کرنا چھوڑ دیا ہے۔

ان سنگین اور دل شکن حالات کو بیان کرنے کے بعد حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات بیان فرمائے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں بیان فرمائے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے چند بنیادی مباحث از قسم علم، فقر تصوف، مرقعہ داشتن اور ملامت کے اکابر تصوف میں خلفائے راشدین سے تذکرہ کا آغاز کیا ہے اور اپنے دور کے متاخرین صوفیہ تک کے حالات بیان فرمائے ہیں اور حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے آغاز کیا ہے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے تذکرے کے آغاز سے غالباً سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ تصوف کوئی بدعت یا "ایجاد بندہ" ٹائپ چیز نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت سنت متواترہ ومتوارثہ ہے جو "احسان" کے نام اور تصوف کی حقیقت کے

---

[1] القشیری: رسالہ قشیریہ: ۳، مصر ۱۹۵۹

Marfat.com

ساتھ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے شروع ہو کر خلفائے راشدین سے اشاعت پذیر ہوتے ہوئے صوفیائے سلف تک پہنچی ہے۔ کشف المحجوب کا یہ انداز "حقیقت تصوف" کو تاریخی طور پر زیادہ مستحکم بناتا ہے۔

القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیہ کے تذکرے کے بعد اصطلاحات صوفیہ درباب احوال و مقامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کشف المحجوب میں بھی اس موضوع پر وسیع اور نہایت جامع باب موجود ہے۔ القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں۔ وقت۔ مقام۔ حال۔ قبض و بسط۔ ہیبت و انس۔ تواجد و وجد۔ جمع و فرق۔ فنا و بقا۔ غیبت و حضور۔ صحو و سکر۔ ذوق و شرب محو و اثبات۔ ستر و تجلی۔ محاضرہ۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ۔ لوائح۔ طوالع۔ لوامع تلوین، تمکین، قرب و بعد، شریعت، طریقت، حقیقت، نفس، خواطر، یقین، وارد، روح، سر، توبہ، مجاہدہ، خلوت و عزلت، تقویٰ، ورع، زہد صمت، خوف و رجاء، حزن، جوع و ترک الشہوۃ، خشوع و خضوع، مخالفت نفس، غیبت قناعت، توکل، شکر، یقین، صبر، مراقبہ رضا، عبودیت، ارادہ استقامت، اخلاص، صدق، حیا حریت، ذکر، فتوحات، فراست، خلق، جود و سخا، غیرت، ولایت، دعا، فقر، تصوف، ادب، احکام السفر صحبت، توحید، معرفت، محبت، شوق، سماع، کرامات، عصمت اولیا، رویت باری تعالیٰ، وصیت مریدین اور آفات مریدین جیسے موضوعات پر بحث کی ہے۔ تقریباً اسی طرح کے مباحث کشف المحجوب میں بھی ہیں تاہم اکابر صوفیہ کے تذکرے میں صاحب رسالہ قشیریہ نے محض واقعات کو نقل کرنے پر اکتفا کی ہے جبکہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان واقعات پر تنقید بھی فرماتے گئے ہیں حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات صوفیہ

Marfat.com

قدس اللہ اسرارھم کے مختلف مکاتب کے نظریات و مصطلحات سے قطعاً تعرض نہیں کیا ہے جبکہ صاحب کشف المحجوب نے اپنے دور میں رائج جملہ مکاتب صوفیہ کا ذکر فرمایا ہے ان کے نظریات پیش کئے ہیں۔ وہ جن باتوں پر زیادہ زور دیتے ہیں انہیں ذکر فرمایا ہے پھر ان پر (اگر ضرورت محسوس فرمائی ہے تو) تنقید بھی کی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ ان تمام جماعتوں میں کون جماعت مقبول ہے اور کون مردود۔

کشف المحجوب کی ایک ایسی خصوصیت جو اس کتاب کو اکثر مہمات کتب تصوف سے ممتاز کرتی ہے وہ مصنف کے ذاتی تجربات و مشاہدات کی ہلکی اور دھیمی دھیمی آنچ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "فن" اپنی جگہ فن ہے۔ اس کی باریکیاں، اس کے اصول وضوابط اور اس کا ارتقاء سب کچھ تسلیم لیکن وہ فن جس میں خون جگر کی آمیزش ہو جائے۔ اور مصنف اپنی واردات کو اس میں شامل کر دے وہ فن رہتے ہوئے "چیزے دگر" بن جاتا ہے۔ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ زبان غیر سے شرح آرزو کرنے کے قائل نہیں کیونکہ بقول آتش

؎ پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

اگر اس لحاظ سے دیکھیں تو الرسالۃ القشیریہ ٹھوس اور جامع مواد پر مشتمل ایک فارمولے کی کتاب معلوم ہوتا ہے جہاں صرف بیان حقیقت ہے اور مصنف اصول وضوابط کا دامن ایک لمحے کے لیے نہیں چھوڑتا۔ لہٰذا قاری اس سے مستفید ضرور ہوتا ہے تاہم قاری اور مصنف کے درمیان اپنائیت کا وہ رشتہ قائم نہیں ہو پاتا جو کشف المحجوب کے مصنف کے ساتھ فوراً ہی قائم ہو جاتا ہے۔ ایک نوجوان صوفی ہے جو تیزی سے منازل سلوک طے کر رہا ہے اثنائے راہ میں اسے چند مشاہدات

Marfat.com

حاصل ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنے مشاہدات ایک قطب مدار کے سامنے پیش کر رہا ہے اور وہ نہایت عجز و سکون سے اس کے مشاہدات سننے لگتا ہے تو نوجوان صوفی میں احساس برتری جاگ اٹھتا ہے اور اس کا یہ احساس قطب وقت پر منکشف ہو جاتا ہے اور وہ تنبیہ کرتا ہے یہ واقعہ خود حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آیا وہ حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے مشاہدات عالم نوجوانی میں بیان فرما رہے تھے۔ اور احساس برتری پیدا ہوا جس پر سرکار گرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی۔ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن ذرا اس واقعہ کی اہمیت اس نوجوان صوفی سے پوچھیئے جو اپنے مشاہدات اپنے پیر طریقت کے سامنے بیان کرتا ہے اور اس کے باطن میں غیر شعوری طور پر منزل کو پا لینے کا ایک احساس جنم لینے لگتا ہے اگر پیر طریقت کامل ہوتا ہے تو وہ الگر گانی قدس سرہٗ کی طرح تنبیہ کرتا ہے ایسا نوجوان صوفی و سالک جب حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ذاتی واقعہ پڑھتا ہے تو وہ خود کو سرکار ہجویریؒ کے کتنا قریب محسوس کرتا ہوگا۔

کشف المحجوب کی قبولیت عامہ کا یہی راز ہے۔ راقم الحروف بیان حقیقت کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہے کہ الحمدللہ میری نگاہ سے متقدمین و متاخرین صوفیہ کی مہمات کتب گزری ہیں جن میں ایسے ایسے لطائف اور بیش قیمت نکات ہیں کہ پڑھ کر وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن کشف المحجوب جس طرح اپنے قاری کو گرفت میں لے لیتی ہے کوئی کتاب اس انداز میں اپنی گرفت میں نہیں لیتی۔ کشف المحجوب پڑھیئے تو ایسا لگتا ہے کہ ایک رفیق سفر، ایک ہمدم و دمساز، ایک شفیق چارہ گر ایک ناصح مشفق اور ایک ایسا معالج ہم کلام ہے جس کا ہاتھ نفس انسانی کی نبض پر رکھا ہوا ہے۔ اس نباض سے آپ اپنے باطن کی کوئی برائی نہیں چھپا سکتے وہ

حجابات اٹھاتا چلا جا رہا ہے مگر کسی لمحہ نا امید نہیں ہونے دیتا۔ ساتھ ساتھ ہمت بھی بندھاتا جا رہا ہے۔ راہ دشوار ضرور ہے مگر یہ راہ خلوص کی ایک زقند میں طے ہو سکتی ہے۔ آؤ میرا ہاتھ پکڑ لو۔ میری ہدایات پر عمل کرتے جاؤ تمہیں منزل پر پہنچا دوں گا۔ اسی لیے محبوب الٰہی سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

"کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است قدس اللہ روحہٗ العزیز اگر کسے را پیرے نباشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند اورا پیدا شود من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردم۔ [1]

ترجمہ: کشف المحجوب شیخ علی ہجویری قدس اللہ روحہ العزیز کی تصنیف ہے اگر کسی کا پیر نہ ہو جب وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے گا اسے پیر مل جائے گا میں نے اس کتاب کو پوری طرح پڑھا ہے۔

کشف المحجوب کی زبان کو دیکھئے تو فن تصوف کے ریگزار میں کتاب کشف المحجوب ایک نخلستان کی طرح لگتی ہے۔ شگفتہ، رواں، تازہ اور زندہ۔ چند نمونے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ صوفی صاحب وصول بود و متصوف صاحب اصول و مستوصف صاحب فضول۔

۲۔ شریعت فعل بندہ بود و حقیقت داشت خداوند و حفظ و عصمت وے پس اقامت شریعت بے وجود حقیقت محال باشد و اقامت حقیقت بے حفظ

---

[1] بحوالہ تصوف اسلام، ۵۲۰۔

شریعت ہم محال۔

۳۔ سیر خوردگی کار ستوراں است وگرسنگی علاج مرداں گرسنگی عمارت باطن کند وسیر خوردگی عمارت بطون

۴ چوں نفسے از حرکات خود فرو ماند وہوا از وجود خود فانی گردد باطل اندر اظہار حق محو شود آنگاہ کل مراد مرید حاصل گردد۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب بیان کے بارے میں ڈاکٹر ظہور الدین احمد کا تبصرہ خوب ہے۔ لکھتے ہیں

"کہیں سے کتاب کھولیئے علم و حکمت سے لدی عبارتیں سامنے آتی ہیں"[1]

تحریر کی سب سے بڑی خوبی "خلوص" اور مدعا نویسی ہے کشف المحجوب کے اسلوب بیان میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں چونکہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ میں ذاتی طور پر خلوص موجود تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ ہی میں کر دیا ہے اس لیے بالکل "از دل خیزد بر دل ریزد" یعنی

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

کی فضا کشف المحجوب کے ہر صفحے پر چھائی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی آپ کا کلام حشو وزوائد اور تکلف و تصنع سے پاک ہے اس کے باعث اثر انگیز اور غور و فکر پر ابھارنے والا ہے۔

نویں فصل

مابعد کے صوفی لٹریچر پر کشف المحجوب کے اثرات

کشف المحجوب ایک جامع الصفات اور متنوع الجہات کتاب ہے۔ مزید یہ

---

[1] پاکستان میں فارسی ادب : ۱۳۰

Marfat.com

کہ فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر یہ پہلی کتاب مانی جاتی ہے لوئی عباسی نے مقدمہ میں لکھا ہے۔

قدیم ترین کتاب بزبان فارسی است در تصوف لہ

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ کتاب بیک وقت اکابر صوفیہ کا جامع اور بسیط تذکرہ بھی ہے تاریخ بھی اور داستان ارتقاء بھی اس کا ایک تذکرے سے متعلق پہلو ہے۔ ایک تاریخی اور ایک اصلاحی و مشاہداتی۔ چنانچہ مابعد کے تذکرہ نویس، مورخین تصوف، صوفیہ اور سالکین سب نے اپنے اپنے انداز میں اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور سب نے بالاتفاق کتاب و صاحب کتاب کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب کے صفحے نقل کیے ہیں جس کی تفصیل لوی عباسی نے اپنے مقدمہ میں دی ہے (من شاء فلیراجع)

روسی مستشرق ژدکوفسکی نے ان حضرات اکابر صوفیہ رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی درج کیے ہیں جن کے تذکرے کے سلسلے میں حضرت عطارؒ نے کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

خواجہ حسن بصریؒ	(کشف: ۱۰۴)	(تذکرۃ الاولیا: جلد ۱: صفحہ ۳۶)
ابوحازم المکی	(کشف: ۱۱۱)	(تذکرہ: جلد ۱، صفحہ ۵۷)

لہ مقدمہ کشف المحجوب طبع ایران ۱۸۱

لہ یہاں کشف المحجوب کے اس نسخے کا حوالہ دیا گیا ہے جس پر ژدکوفسکی کا مقدمہ ہے اور دوسری مرتبہ ایران موسسہ مطبوعات امیر کبیر کے زیر اہتمام شائع ہوا

Marfat.com

ابو سلیمان دارانی	(کشف : ۳۹۹)	(تذکرہ : جلد ۱ : صفحہ ۲۲۹)
عمرو المکی	(کشف : ۳۹۹)	(تذکرہ : جلد ۲ : صفحہ ۳۷)
مرتعش	(کشف : ۶۰)	(تذکرہ : جلد ۲ : صفحہ ۱۶)
محمد ترمذی	(کشف : ۱۷۹)	(تذکرہ : جلد ۲ : صفحہ ۹۳)
عبداللہ خفیف	(کشف : ۵۷)	(تذکرہ : جلد ۲ : صفحہ ۱۲۵)
حسین حلاج	(کشف : ۱۹۰)	(تذکرہ : جلد ۲ : صفحہ ۱۳۵)

۲۔ عطار کی طرح مولانا جامی نے بھی اپنی کتاب "نفحات الانس" کی ترتیب میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب سے استفادہ کیا۔ حضرت ابوالفضلؒ الختلی اور حضرتؒ اشقانی اور خود حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مولانا جامی نے کشف المحجوب سے اخذ کیے ہیں اور حوالہ بھی دیا ہے۔

۳۔ حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں کشف المحجوب کی عبارتوں کو استناداً نقل فرمایا ہے۔

۴ ژوکوفسکی نے بتلایا ہے کہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم کتاب "فصل الخطاب" میں کشف المحجوب سے استفادہ فرمایا ؛

۵ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کو اس انداز میں نقل فرمایا "آں محقق و مدقق آں شیخ برحق آں صوفی معنوی وصوری ابو علی عثمان (علی بن عثمان) ہجویری قدسی نقل کردہ است۔[1]

اپنے مقدمہ کشف المحجوب میں ژوکوفسکی لکھتا ہے ؛

---

[1] مکتوبات حضرت خواجہ گیسو دراز بحوالہ مقدمہ ترجمہ کشف المحجوب حکیم موسیٰ امرتسری : ۳۵۔

Marfat.com

"در تالیف و تدوین سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، نامۂ دانشوران و طرائق الحقائق نیز از کشف المحجوب استفادہ ہائے بسیار و اقتباسات مکرر و متعدی شدہ است۔[1]

ترجمہ: سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، نامہ دانشوران اور طرائق الحقائق کی تالیف و تدوین میں بھی کشف المحجوب سے بہت استفادہ کیا گیا اور اس کے اقتباسات بار بار لائے گئے ہیں۔

الغرض تقریبًا ایک ہزار سال سے یہ کتاب علماء، صوفیہ، تذکرہ نگاروں اور مورخین کے لیے چراغ ہدایت بنی ہوئی ہے اور اس کتاب میں جو قیمتی نکات و معلومات ہیں ان کے باعث انشاء اللہ العزیز قیامت تک سالکین کاملین اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

البتہ ضرورت ہے کہ اس کتاب میں ڈوب کر اور قلب کو تمام فاسد خیالات اور بدعقیدگی سے پاک کرکے اس کا مطالعہ کیا جائے ورنہ انسان محروم رہے گا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب ژوکوفسکی: ۶۱۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب پنجم

تعلیمات

Marfat.com

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی درست بات فرمائی ہے کہ:

"علماء زبان سے تبلیغ کرتے ہیں اور صوفیہ عمل سے۔"

اور یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کا طریق تبلیغ نہایت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اور دل سے بات اسی وقت نکل سکتی ہے جب آدمی کا دل ہر قسم کے کینے حسد عداوت، نفرت اور لالچ سے پاک ہو۔ حضرات صوفیہ تزکیۂ نفس کے دوران اپنے مریدوں کے قلوب کو ان تمام رذائل اخلاق سے پاک کرتے ہیں اس کے بعد تحلیہ کا عمل شروع ہوتا ہے۔ یعنی ذکر الٰہی سے دل کو معمور کیا جاتا ہے صوفی کوشش کرتا ہے کہ جیسے بھی ہو "مقام احسان" حاصل کرے۔ جب وہ ان تمام مراحل سے گزر لیتا ہے اور اس کا نفس فانی ہو جاتا ہے، تو اسے اجازت دی جاتی ہے کہ وہ خلق کو اللہ کی طرف بلائے اب اس کی بات میں غیر معمولی اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آشنائے راہ ہوتا ہے اس لیے راستے کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے۔ حضرت ہجویری رحمتہ اللہ علیہ انہی حضرات میں سے ہیں۔ لہٰذا آپ کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے وقت آپ یہ محسوس کریں گے۔

؎ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

استخارہ اور خلوص نیت

حضرت ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب کے آغاز

یں ایسی دو باتوں پر زور دیا ہے جو ہر بڑے کام کے لیے ہر مسلمان کے واسطے ضروری ہیں۔

اول استخارہ استخارہ درحقیقت ہر کام کے آغاز سے پہلے اللہ تعالےٰ سے مشورہ کرنے کو کہتے ہیں۔ بزرگان دین کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر اہم کام کو شروع کرنے سے پہلے وہ معروف طریقوں پر اللہ تعالےٰ سے استخارہ (مشورہ) کرتے آئے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے کام میں برکت ہوتی ہے اور بندہ اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی سپردگی میں دیدیتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ استعاذہ، استخارہ اور استقامت یہ سارے الفاظ ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ:

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ [۱]

ترجمہ: جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو پہلے شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں۔

یعنی قرآن پڑھنے کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد طلب فرمائیں کیونکہ دین و دنیا کا کوئی کام بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے انجام نہیں پا سکتا حتیٰ کہ عبادت بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے کوئی انسان نہیں ادا کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جوں ہی کہا گیا اِیَّاكَ نَعْبُدُ (اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں) تو اس کے ساتھ ساتھ فرمایا گیا وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (ہم صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) یعنی اے میرے مالک! ہم اگر عبادت بھی کرنا چاہیں تو

---

[۱] النحل: ۹۸

Marfat.com

تیری مدد اور توفیق کے بغیر نہیں کر سکتے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضان محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں

حضرت نے فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ تمام امور میں بہتری انسان کی کوشش یا تدبیر پر موقوف نہیں بلکہ خدائے قدوس کی مدد کی ہر قدم پر ضرورت پیش آتی ہے۔ تدبیر کرنے۔ سعی کرنے اور اسباب کو اختیار کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہماری کوشش یا تدبیر موثر حقیقی ہے۔ بلکہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ اگر انسان کی کوشش پر ہر بات منحصر ہوتی ہے تو ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم کسی کام کو انجام دینے کیلئے ہزاروں جتن کرتے ہیں، دن رات ایک کر دیتے ہیں اور وہ کام انجام نہیں پاتا۔ اور کسی کام کے کرنے کا ہمیں خیال بھی نہیں ہوتا اور وہ تمام انجام پا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ:

عرفت ربی بفسخ العزائم (میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے پورا نہ ہونے کے ذریعہ پہچانا) کہ ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کے لیے بھرپور کوشش بھی کرتے ہیں لیکن ہمارا ارادہ پورا نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ ہر کام میں موثر حقیقی تدبیر الٰہیہ ہے جو عمل کرتی رہتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ بندے کو چاہیئے کہ اپنے معاملات قضا و قدر کے سپرد کر دے اور اس کی طرف سے جو آئے اسے خوش دلی سے قبول کرے۔ تقدیر الٰہی پر اعتراض کرنا نادانوں کا کام ہے کیونکہ کوئی مخلوق الٰہی تقدیر سے مقابلہ نہیں کر سکتی اس مسئلہ کا حل "رضا بالقضاء" ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اسے بخوشی قبول کرے۔

Marfat.com

ہر حال میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

استخارہ درحقیقت قضائے الٰہی کو معلوم کرنے کی ایک صورت ہے۔ لہٰذا ہر اہم کام میں استخارہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کی خطا اور خلل سے محفوظ رکھے۔

خلوص نیت اس سلسلے میں دوسری اہم ترین چیز یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو نفسانی اغراض سے پاک کرے کیونکہ جس دینی کام میں نفسانی اغراض شامل ہو جاتی ہیں اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دل راستی و دیانت کی راہ سے نکل کر مختلف قسم کی زنجیروں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور نفسانی اغراض کا عالم یہ ہے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ نفسانی اغراض پوری ہو جائیں گی اگر ایسا ہوا تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت اور آفت ہی آفت ہے۔ کیونکہ جہنم کے دروازے کی کنجی نفس کی مراد کا حصول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس ایک مراد پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ جوں ہی ایک مراد پوری ہوتی ہے دوسری مراد پیش کر دیتا ہے اور پھر انسان اس کو پورا کرنے میں لگ جاتا ہے اس طرح ایک غیر متناہی سلسلہ چل نکلتا ہے اور نفس انسان کو اپنی سواری بنا کر اپنی مرضی کے مطابق بالکل اسی طرح گردش دینے لگتا ہے جس طرح سوار اپنے گھوڑے کو گردش دیتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان نفس کا راکب نے مرکب بنے یعنی نفس کو اپنی خواہشات کے مطابق چلائے نہ کہ خود اس کی خواہشات کے مطابق چلے۔

نفس کا دوسرا حال یہ ہے کہ اس کی مراد پوری نہ ہو یہ محفوظ صورت ہے مگر اس کے لیے جو اس کی غرض بد کو پہلے ہی سے دور کر دے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنت کی بشارت دی ہے ارشاد ربانی ہے

Marfat.com

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى [1]

ترجمہ: اور جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

بندے کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ تمام دینی کاموں کا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ سے چاہے اور نفس کے فتنوں سے اس کی پناہ طلب کرے۔ تکبر اور خود بینی سے پرہیز کرے اس لیے کہ کبریائی اور عظمت اللہ ہی کو سزاوار ہے۔ انسان ضعیف البنیان بھلا کس بات پر اترا تا ہے۔ اس کے تو اپنے اعضاء اور جوارح اپنے ارادے اور خیالات حتیٰ کہ اپنی سانس بھی اس کے قابو میں نہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ پس بندے کو چاہیے کہ صرف اسی سے آس لگائے رہے اور جو کام ہو جائے اسے اپنی قابلیت یا صلاحیت پر محمول نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام جانے۔

؎ کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

خلوص نیت پر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زور اس لیے دیا ہے کہ نیت ہی پر تمام اعمال کا مدار ہے۔ صحیح بخاری شریف کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما الاعمال بنیات وانما لکل امرء ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ [2]

---

[1] النازعات: ۴۰، ۴۱ [2] صحیح بخاری شریف: ۱:۱۰

Marfat.com

ترجمہ: تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے اور ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی نیت کرے گا۔ سو جس آدمی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہو گی اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ملیں گے اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہو گی اسے دنیا ملے گی یا عورت کے لیے ہو گی تو اسے وہ عورت مل جائے گی اور وہ اس سے شادی کرے گا لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اسے نہیں ملے گی۔

اس سلسلے میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت اچھی مثال دی ہے فرماتے ہیں:

مثلاً ایک شخص روزہ رکھنے کی نیت کے بغیر بھوکا رہے تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اگر وہی شخص روزہ رکھنے کی نیت کے ساتھ بھوکا رہے تو اسے اتنا ثواب ملتا ہے کہ وہ مقربان بارگاہ الٰہی کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی مسافر کسی شہر میں جا کر رہے تو جب تک وہاں قیام شرعی (یعنی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے مقیم نہیں ہو سکتا (اور اسے قصر نماز پڑھنی ہو گی)

تو حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی کام کی ابتدا میں ضروری ہے کہ آدمی کی نیت خالص اور اچھی ہو۔ ایسا ہے تو سمجھ لیجیے کہ گویا اس نے اس کام کا حق ادا کر دیا۔

کشف المحجوب نام رکھنے کی مصلحت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ سوا مقربین بارگاہ الٰہی کے عوام حقیقت کو پہچاننے سے محجوب و محروم ہیں۔ اور اس کتاب میں حقیقت کے چہرے سے حجاب اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

فرمایا۔ حجاب دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک حجاب رینی (۲) دوسرا حجاب غینی۔

حجاب رینی وہ ہے جس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کیونکہ یہ وہ حجاب ہے کہ جس پر آجائے پھر اس سے دور ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب حجاب آجاتا ہے تو انسان کی اپنی ذات تصدیق حق کی راہ میں حجاب بن جاتی ہے۔ اس وقت اس کے نزدیک حق اور باطل دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ شخص حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے (یہ اللہ کا بہت بڑا عذاب ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیئے)

حجاب غینی میں انسان کی ذات تصدیق حق کے لیے حجاب تو ضرور ہوتی ہے لیکن اس کی جبلت حق کی طالب رہتی ہے اور باطل پرستی سے پرہیز کرتی رہتی ہے۔ (حجاب رینی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ [1]

ترجمہ؛ ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا ہوا ہے ان کے اعمال کے باعث۔

یا اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

---

[1] المطفّفین ۱۴۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ [1]

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس لیے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ [2]

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔

یہ مہر دراصل "حجاب رینی" کی ہے جو انسان سے قبولیت حق کی صلاحیت ہی کو سلب کرلیتی ہے۔

برخلاف "حجاب غینی" کے کہ یہ دفع ہو جاتا ہے (اس کی وجہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت ہجویری نے یہ تبلائی ہے کہ):

الرین من جملۃ الموطنات والغین من جملۃ الخطرات۔

ترجمہ: رین وجود میں قائم ہوجاتا ہے اور غین خطرات کی طرح آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ خالص پتھر کو لاکھ جلا دو اور پالش کرو۔ وہ شیشہ نہیں ہوسکتا (اس لیے کہ اس کی سرشت میں آئینہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے) اس کے برخلاف اگر کسی آئینے پر گرد پڑی ہو تو چونکہ اس کی ذات میں جلا اور روشنی ہے جو وقتی طور پر ایک عارض کی وجہ سے ماند پڑ گئی ہے اس لیے جہاں اس کا تکدر اور اس کی گرد دفع ہوگئی وہ جلا دینے لگتا ہے۔

---

[1] البقرہ ۶:۔

[2] البقرہ: ۷۔

Marfat.com

حضرت نے فرمایا کہ اس کتاب میں میں نے "حجاب غینی" کو کشف کرنے کی کوشش کی ہے مقصود یہ ہے کہ جو عارض (غینی) روئے حقیقت اور آدمی کے درمیان حجاب بن کر حائل ہو گیا ہے وہ اس کتاب کے ذریعہ دفع ہو جائے اور اسے حقیقت کی راہ مل جائے۔ البتہ جو لوگ باطل کو حق اور حق کو باطل ماننے پر (حجاب رینی کے باعث) اڑے ہوئے ہیں وہ ہرگز مشاہدہ حق کی راہ نہیں پا سکتے اور انہیں کتاب سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

دوسری فصل

سب سے بڑا حجاب

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ رب العزت نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا ہے کہ اہل زمانہ حظ نفس اور حرص و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے ہیں اور طلب جاہ اور تکبر کو عزت و علم سمجھ لیا۔ ریاکاری اور نمائش کو خوف الٰہی، بغض و حسد اور کینہ پروری کو حلم، مجادلہ کو مناظرۂ دین، لڑائی جھگڑا اور کمینہ پن کو غیرت، نفاق کو زہد، غنائے باطل کو ارادت، ہذیان اور بکواس کو معرفت، اختلاج قلب کو قلب کا جاری ہونا، وساوس قلب کو الہام، الحاد کو فقر، سہل انگاری کو صفوت، زندقہ کو فنافی اللہ اور ترک احکام شریعت کو عین طریقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو حقیقی سالکین تھے وہ ان دیدہ دلیروں سے الگ ہو گئے۔ اور وہ لوگ جو طریقت و تصوف کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ انہوں نے عوام پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے وجود

Marfat.com

کے باعث حق سے محجوب ہے۔ کیونکہ اسرار الٰہیہ کو عقل کے ذریعہ سمجھنا مشکل بلکہ محال ہے۔ اس حجاب کے باعث انسان جمال احدیت سے ناآشنا ہیں اور مرضیات الٰہی کو چھوڑ کر دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا ہیں۔ انہیں سوائے کھانے اور نفسیاتی خواہشات کی پیروی کے اور کچھ خبر نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اپنے خاص بندوں کو خواہشات نفس کی پیروی سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ [1]

ترجمہ: اے نبی! آپ انہیں چھوڑ دیں کہ یہ کھائیں پئیں اور دنیوی حرص انہیں غافل رکھے عنقریب یہ لوگ جان لیں گے۔

معلوم ہوا کہ معرفت الٰہی کی راہ میں سب سے بڑا حجاب اس کا اپنا نفس ہے جو انسان کو تمناؤں میں الجھا کر اور خواہشات کے اتھاہ سمندر میں ڈبو کر اسے اللہ تعالیٰ سے دور کر رہا ہے۔ نفس ہی کی پیروی کی وجہ سے لوگ حقیقت کو چھوڑ کر بے راہ روی اختیار کر لیتے ہیں۔ جب کہ شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت کا جادۂ مستقیم ہمارے سامنے ہے جس میں کوئی پیچیدگی ہے نہ ریاکاری۔ شریعت ہر قسم کی خرافات سے بچا کر انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے بشرطیکہ اخلاص فی العمل ہو۔ اور عبادت و ریاضت صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی غرض سے کی جائے۔

---

[1] سورۃ الحجر: ۳۔

Marfat.com

تیسری فصل

اثبات علم

آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر فضیلت بخشنے والی چیز علم ہے۔ سب سے پہلی وحی جو آسمان سے نازل ہوئی اس کا سب سے پہلا لفظ اقرأ (پڑھ) ہے اسی بات سے علم اور اہل علم کی فضیلت واضح ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا [1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ

ترجمہ: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اطلبوا العلم و لو کان بالصین۔

ترجمہ: علم طلب کرو چاہے وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو۔

ان تمام آیات و احادیث سے علم کی اہمیت و فضیلت واضح ہوتی ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ انسان کی عمر ناقص ہے اور علم کی اقسام بے حد و بے حساب ہیں۔ تو کیا تمام علوم کا حاصل کرنا فرض ہے؟ نہیں۔ ہر علم کا حاصل کرنا فرض نہیں ہے۔ مثلاً علم نجوم۔ علم حساب۔ علم صنائع وغیرہ۔ ان علوم کا حاصل کرنا فرض

---

[1] فاطر ۲۸

ترجمہ: اے میرے اللہ مجھے جب تک زندہ رکھنا مسکین بنا کر زندہ رکھنا مسکینی ہی کی حالت میں میری موت ہو اور مسکینوں ہی کی جماعت میں میرا حشر و نشر ہو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک جماعت ان فقراء کی تھی جو محض اللہ کے نام پر مسجد نبوی کے ایک چبوترے پر آ کر بیٹھ گئی یہ دین سیکھنے والوں کی جماعت تھی فکر معاش سے بے پروا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر توکل بخدا اس جگہ مقیم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کو فقراء کی یہ جماعت اتنی عزیز تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ [1]

ترجمہ: آپ ان لوگوں کو فراموش نہ کریں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور صرف اسی کی رضا کے متلاشی ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [2]

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے اپنی نگاہیں نہ پھیریں کیا آپ دنیوی زندگی کی زینت کے خواہش مند ہیں:

یہ فقر غیور تھا جس کے حاملین صرف اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ صابرین کی جماعت تھی جس کا ہر فرد اپنی جگہ پر پہاڑ تھا۔ یہ لوگ رسم کے پجاری نہیں تھے بلکہ صحیح معنوں میں متوکلین تھے انہوں نے موجودات سے

---

[1] سورۃ الانعام: ۵۲

[2] سورۃ الکہف: ۲۸

Marfat.com

منہ پھیر کر اپنی ہر طلب اور خواہش کو رضائے الہی میں فنا کر دیا تھا۔ انہیں کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے ؎

وہ کہ جو در پہ ترے بیٹھے ہیں دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقیر (درویش) وہ ہے جو اسباب پر بھروسہ کرے نہ اسباب کو جمع کر کے رکھے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کی نظر میں برابر ہو، اس لئے کہ اس کی نظر اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ درویش جتنا زیادہ تنگدست ہوتا ہے اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کی شان رزاقی کا اظہار ہوتا ہے۔ صوفی کو چاہیئے کہ خود کو اپنے محبوب حقیقی کی محبت سے وابستہ رکھے اور اسباب و علل کی زنجیروں سے آزاد رہے۔ فقر کی عزت اسی میں ہے کہ وہ ہر اعتبار سے محفوظ الجوارح ہو یعنی اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ ضروریات کا احساس کر کے جادۂ صبر و رضا سے انحراف نہ کرے۔

اگر فقر رسمی نہیں ہے۔ یا ریاکاری کا شائبہ اس کے فقر میں نہیں ہے تو ایسا فقیر دنیا اور دولت دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔

فقر و غنا

اس مسئلہ میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے کہ فقر افضل ہے یا غنا۔ حضرت یحیٰ ابن معاذ رازی۔ حضرت رویم حضرت ابو العباس ابن عطا۔ شیخ المشائخ حضرت ابو سعید فضل اللہ رحمہم اللہ اجمعین غنا کو افضل مانتے ہیں اس لئے کہ غنا میں شکر ادا کرنے کی توفیق ہوتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ غنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لہذا غنی اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں اس کے ساتھ شرکت کرتا ہے۔

Marfat.com

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غنی کا نام تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال ہو سکتا ہے اس کے سوا کوئی غنی نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ[1]

ترجمہ: اے انسانو! تم سب کے سب اللہ کے آگے فقیر ہو اور اللہ ہی غنی اور لائق ستائش ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ[2]

ترجمہ: صحیح معنوں میں غنی تو اللہ ہے اور تم سب فقیر ہو۔

اب رہا یہ سوال کہ ہم اپنی روز مرہ زندگی میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص غنی ہے تونگر ہے۔ تو دراصل ہم یہ لفظ مجازاً بولتے ہیں۔ کیونکہ مخلوق کے غنی کا عالم یہ ہے کہ اس کا غنا عارضی ہوتا ہے۔ اپنی حیات مستعار میں کبھی اس کے پاس مال و متاع آجاتا ہے لیکن وہ کبھی بیمار ہو جاتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو اپنی فارغ البالی کے زوال کے خوف میں گرفتار ہوتا ہے۔ کبھی مصیبت میں کبھی راحت میں کبھی صحت میں کبھی مرض میں ہوتا ہے۔ طول امل میں گرفتار الگ رہتا ہے نوے ہے تو ننانوے کی فکر میں گرفتار ہے۔ سو ہے تو ہزار کے غم میں مبتلا ہے ہزار ہے تو لاکھ کی خواہش لاکھ ہے تو کروڑ کی خواہش یہ کیسا غنا ہوا۔ یہ تو سراسر احتیاج ہے۔

---

[1] فاطر: ۱۵۔

[2] محمد: ۳۸۔

غنی حقیقی تو مولائے کل ہے جو ساری مخلوق سے بے نیاز ہے سب اس کے در کے بھکاری وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس کی نافذ کردہ قضا کو کوئی روک نہیں سکتا مالک الملک ہے جسے چاہے ملک دیدے اسے کوئی روک نہیں سکتا جس سے چاہے ملک چھین لے کوئی سنبھال نہیں سکتا۔ عزت، ذلت، حیات، موت، فراخی، تنگی، صحت و مرض غرضکہ ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ اٹھانا چاہے تو کوئی گرا نہیں سکتا وہ گرانا چاہے تو کوئی اٹھا نہیں سکتا اگر ساری مخلوق کافر ہو جائے تو اس کی خدائی میں مکھی کے پر کے برابر فرق نہیں آئے گا اور ساری مخلوق اطاعت گذار و فرمانبردار بن جائے تو اس کی عظمت و کبریائی جلال و جبروت میں ایک بال برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

لہٰذا غنی اصل میں اس کی ذات ہے۔ حضرت ہجویری فرماتے ہیں کہ:

"میں غنا کے مقابلے میں فقر کو ترجیح دیتا ہوں اس لیے کہ غنا میں شکر ہے اور شکر پر زیادتی کا وعدہ ہے۔"

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ [1]

ترجمہ: اگر تم میرا شکریہ ادا کرو گے تو میں اپنی نعمتوں میں زیادتی کروں گا۔ معلوم ہوا کہ شکر میں فقط ازدیاد نعمت کا وعدہ ہے جبکہ صبر میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تو صبر میں معیت کا وعدہ ہے۔ جو قرب خداوندی کو مستلزم ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ہوگا تو بندے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ یہ بھی

---

[1] ابراہیم: ۷

Marfat.com

بھی اعتراض ہے فرماتے ہیں "کسی شیعہ بزرگ نے فضیلت علیؓ میں یہ قصہ تصنیف کیا ہے[۱] آیئے دیکھیں کہ وہ شیعہ بزرگ کون ہیں۔

وفی روایة نزلت فی علی بن ابی طالب بات علی فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة خروجہ الی الغار ویروی انہ لما نام علی فراشہ قام جبریل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ وجبریل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی اللہ بک الملٰئکة[۲]

ترجمہ: یہ آیت کریمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر اس رات سو گئے تھے جس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسلسلہ ہجرت غار ثور میں تشریف لے گئے تھے۔ روایت ہے کہ مولا علی کرم اللہ وجہہٗ آپ کے بستر پر سو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام ان کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے پائنتی جانب آکر کھڑے ہو گئے اور جبریل علیہ السلام کہنے لگے واہ واہ ابن ابی طالب آپ کے مثل کون ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے آپ پر فخر کر رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو غالباً اب بتلانے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی کہ "یہ شیعہ بزرگ" (بقول ان کے) امام فخر الدین رازی امام المفسرین ہیں۔ اس روایت کی بنا پر امام رازی شیعہ قرار پائیں گے تو اہل سنت والجماعت کے سارے کے سارے تفسیری اور روایتی علوم از قسم حدیث۔ تفسیر۔ فقہ کا کیا حشر ہو گا

۱۔ پاکستان میں فارسی ادب: ۱۴۹

۲۔ امام رازی؛ تفسیر کبیر ۵: ۲۲۳: طبع مصر

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کو غالباً اس کا اندازہ نہیں ہے۔ کوئی حکم لگانے سے قبل ان کا یہ فرض تھا کہ روایت کا اچھی طرح جائزہ لے لیتے یا کم ازکم تنقید فرمانے سے قبل مشہور کتب حدیث و تفسیر تو دیکھ لیتے۔

۷۔ محمد حسین ہیکل کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے۔ سوائے معتزلہ کے پوری امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ صحاح ستہ اور کتب سیرت میں نیز قرآن کریم کے نص قطعی سے یہ بات ثابت ہے۔

پانچویں فصل

باب تصوّف

تصوف اور صوفیہ کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے آغاز میں قرآن کریم کی یہ آیت ذکر فرمائی ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ انہیں چھیڑتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

لفظ صوفی کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ صوفی لوگ کمبل اوڑھتے ہیں اور اونی (صوف) لباس پہنتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔

---

[1] الفرقان، ۶۳۔

Marfat.com

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الفقر خلو القلب عن الاشکال۔

(فقر نام ہے تمام وسوسوں کو دل سے نکال دینے کا)

کیونکہ ہر وسوسہ ماسوا ہے اور جس دل میں اللہ بستا ہے اس میں بھلا ماسوا اللہ کا گزر کہاں ؟

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"یاد رکھو فقر نشان حضوری ہے اور حقیقی راحت جبکہ غنا نشان غیبت و مہجوری لہٰذا ممتاز اور فائق وہ ہے جو مقام پر فائز ہے نہ کہ وہ جو ظلمت غیبت میں گرفتار ہے"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یامعشر الفقراء انکم تعرفون باللہ و تکرمون باللہ فانظروا کیف تکونوا مع اللہ اذا خلوتم بہ۔

ترجمہ: اے گروہ فقراء بیشک تم اللہ کے ذریعہ پہچانے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت و قرب کی بدولت تم لوگوں کے درمیان معزز ہو لہٰذا لازم ہے کہ تم اللہ کے ساتھ اپنی خلوتوں میں محتاط رہو۔

آدمی جب اللہ والا مشہور ہو جاتا ہے تو لوگ اس کی عزت اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں ایسے وقت میں ضروری ہے کہ درویش حق درویشی ادا کرے اور اپنی خلوت میں کوئی ایسا عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو۔ کیونکہ

۱۔ بدترین انسان وہ ہے جسے لوگ اللہ والا سمجھیں اور وہ درحقیقت ایسا نہ ہو اور وہ اس بات سے خوش ہوتا ہو

۲ اور بہترین انسان وہ ہے جسے لوگ مردِ خدا جانیں اور وہ حقیقت میں اللہ والا ہو۔

۳ اور افضل ترین وہ شخص ہے جسے لوگ مرد کامل نہ سمجھیں مگر درحقیقت وہ ولی کامل ہو۔ تیسری صورت اس لیے افضل ترین ہے کہ اس میں اخفاء ہے اور دیارِ عشق میں اخفاہی سب سے بڑی دولت ہے۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

کشف المحجوب کی تصنیف واشاعت پر تقریباً نوسو برس گزر چکے ہیں یہ کتاب عرصہ دراز سے علماء اور صوفیاء کے درمیان متداول ہے مگر اس طویل ترین عرصے میں آج تک کسی عالم اور صوفی نے اس کے مندرجات پر اعتراض نہیں کیا۔

مولانا جامی جیسے جامع شریعت وطریقت عالم نے فرمایا:

"کشف المحجوب است کہ از کتب مشہورۂ معتبرہ دریں فن است" (نفحات الانس)

ترجمہ: کشف المحجوب اس فن میں مشہور ومعتبر کتابوں میں سے ہے

داراشکوہ نے تو صاف صاف لکھا:

اما کشف المحجوب مشہور و معروف است ہیچ کس را براں سخن نیست مرشدے ست کامل در کتب تصوف۔ (سفینۃ الاولیاء)

ترجمہ: کشف المحجوب مشہور و معروف ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہے۔ کتب تصوف میں اس کی حیثیت مرشد کامل کی ہے۔

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کتاب کے بارے میں یہاں تک فرما دیا کہ

اگر کسے را پیرے نہ باشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند اورا پیدا

Marfat.com

شود (تصوف اسلام)

مگر افسوس کہ بیسویں صدی میں ایک صاحب نے بے سمجھے بوجھے اس کتاب پر بے بنیاد اور لغو اعتراضات جڑ دیئے ہیں۔ اکثر اعتراضات قابل توجہ نہیں ہیں اس لیے کہ یہ ان کا فن نہیں ہے۔ تاہم چونکہ بعض کم علم لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لیے مختصراً ان کا جواب دیا جا رہا ہے۔

۱ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابواب فقر میں جو ترک زینت کا حکم دیا گیا ہے اس کی حیثیت علاج کی ہے۔ ابتدائی دور میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے یہ بالکل اسی طرح سمجھئے جیسے کہ کوئی شخص ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو تو ڈاکٹر ہر قسم کی ٹھوس چیزیں کھانے سے اسے منع کر دیتے ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بخار اتر جانے کے بعد بھی وہ مریض کھانا نہ کھائے اور دودھ ڈبل روٹی پر گذارا کرے آپ ڈاکٹر سے کہیں کہ قرآن میں تو حکم ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ (اللہ کے رزق میں سے خوب کھاؤ پیو) آپ کہتے ہیں کہ نہ کھاؤ تو ڈاکٹر یہی جواب دے گا کہ ابھی تم مریض ہو اس لیے انتظار کرو صحت یابی کے بعد کھانا۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یا حضرات صوفیہ نے ترک لذات کا جو حکم دیا ہے وہ صوفی کے ابتدائی دور کے لیے ہے لہذا "پاکستان میں فارسی ادب" کے صفحہ ۱۳۶ پر جو اعتراض وارد کیا گیا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔

۲- اپنے زعم میں پاکستان میں فارسی ادب کے مصنف نے فقر کی فضیلت میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ آیت:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

Marfat.com

ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ [1]

ترجمہ: (تمہارے صدقات) ان فقراء کے لیے ہیں جو اللہ کے راستے میں محصور ہیں (اور) زمین میں چل پھر کر (روزی نہیں کما سکتے) انہیں انجان آدمی بظاہر دیکھ کر ان کی عفت کے باعث غنی سمجھتا ہے۔)

پر اعتراض وارد کیا ہے۔ اور فوراً فتوےٰ صادر فرما دیا کہ

"فقر کے معنی تصوف و درویشی، قناعت و استغنا کی زندگی قرآنی لغت کے معنی نہیں۔"

ایسا لگتا ہے کہ مصنف قرآنی لغت اور جملہ اسالیب قرآن پر حاوی ہے اور اس کا فیصلہ بزعم خود حتمی، قطعی اور آخری فیصلہ ہے۔ غور فرمائیے کہ یہ کتنی بڑی جسارت ہے۔ غالباً فقرا اور فقیر سے مصنف کی مراد وہ فقیر ہے جو ہر جمعہ کی صبح کو اس کی گلی میں چمٹا بجا بجا کر بھیک مانگتا ہے۔ مصنف کو اگر قرآنی لغت اور اسلوب پر اتنا عبور تھا تو کم از کم اسے اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ہی پر غور کر لینا چاہیے تھا۔ ہر فقیر و مسکین جس کی مدد کرنے کی طرف قرآن نے متوجہ کیا ہے وہ "محصور فی سبیل اللہ" نہیں ہوتا۔ وہ غریب ہے، مسکین ہے۔ محروم المعیشت ہے یا یتیم اور بیوہ ہے یقیناً یہ لوگ قابل امداد ہیں لیکن یتامیٰ، معذورین اور بیوگان کو محصور فی سبیل اللہ نہیں کہیں گے۔ محصور فی سبیل اللہ ایسے شخص کو کہا جائے گا جو روزی کمانے سے معذور نہ ہو لیکن طلب معاش میں اس وجہ سے مصروف نہیں ہو سکتا کہ وہ دین کا کام کر رہا ہے۔ قرآن کی تعلیم حاصل کر رہا ہے یا قرآن کی تعلیم دے

---

[1] البقرہ : ۲۷۳

رہا ہے۔حدیث پڑھ رہا ہے یا حدیث پڑھا رہا ہے۔ دین سیکھ رہا ہے یا دین سکھا رہا ہے۔اب اگر وہ شخص یہ کام چھوڑ دے اور بازار میں دکان کھول کر خرید و فروخت میں مصروف ہو جائے یا کسی کھیت میں زراعت کرنے لگے یا کسی یونیورسٹی میں ملازمت کرنے لگے جو ایک کل وقتی کام ہے تو تعلیم و تعلم قرآن و حدیث یا تزکیۂ نفس کا کام رک جائے گا لہٰذا اس کے اوقات محصور ہو گئے اللہ تعالیٰ کے کام میں۔ لیکن یہ لوگ آخر پیٹ تو رکھتے ہیں۔ان کی ضروریات بھی ہوتی ہیں ان کے متعلقین کی بھی ضروریات ہوتی ہیں یہ کیا کریں گے؟ ایسے لوگوں کے لیے قرآن کریم نے ایک خاص لفظ استعمال کیا ہے تاکہ یہ لوگ عام فقراء اور مساکین سے ممتاز ہو جائیں اور وہ لفظ ہے اُحْصِرُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فاضل مصنف (پاکستان میں فارسی ادب) نے سب کو ایک ہی کھاتے میں ڈال دیا۔

دوسری بات یہ کہ تمام جلیل القدر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔اس لیے کہ وہ حضرات محصور فی سبیل اللہ تھے دن رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے۔قرآن یاد کرتے رہتے یا ارشادات نبوی کو محفوظ کرنے میں مصروف ہوتے یا پھر تزکیۂ نفس کے مراحل سے گزر رہے ہوتے تھے اگر یہ حضرات بھی بازار، کھیت یا ملازمت میں مصروف ہو جاتے تو آج جو فہم قرآن اور فہم حدیث کے وسائل و ذرائع موجود ہیں یہ کہاں سے آتے؟ لہٰذا ان کی گزر اوقات کے لیے اللہ تعالیٰ نے صاحب استطاعت مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے صدقات سے ان کی مدد معاش کی جائے تاکہ یہ لوگ فارغ البالی سے فریضۂ دینی ادا کر سکیں۔چونکہ دراصل اصحاب صفہ ہی وہ صحابہ کرام ہیں جن سے فقر و تصوف کا سلسلہ چلا اس لیے ان

کو فضیلت حاصل ہے جس کا تذکرہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ فاضل مصنف "پاکستان میں فارسی ادب" کے ملاحظے کے لیے ہم ذیل میں چند تفاسیر کے حوالے درج کر رہے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ ان سے ان کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی۔

امام فخر رازی مذکورہ آیت (لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا الخ) کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

نزلت فی فقراء المہاجرین وکانوا نحو اربعمأة وھم اصحاب الصفة لم یکن لھم مسکن وعشائر بالمدینة وکانوا ملازمین المسجد ویتعلمون القرآن ویصومون ویخرجون فی کل غزوة [1]

ترجمہ: یہ آیات فقراء مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو تقریباً چار سو تھے۔ اور یہی اصحاب صفہ کہے جاتے ہیں ان کا کوئی گھر دروازہ نہیں تھا اور نہ مدینہ میں ان کا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ مسجد نبوی میں مقیم رہتے۔ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور روزے رکھتے اور تمام غزوات میں شرکت کرتے تھے۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھم اھل الصفة رضی اللہ تعالیٰ عنھم وکانوا نحوا من ثلاث مأة ویزیدون وینقصون من فقراء المھاجرین یسکنون تقیفة المسجد یستغرقون اوقاتھم بالتعلم والجھاد وکانوا یخرجون فی کل سریة یبعثھا رسول

[1] تفسیر کبیر: ۷، ۸۴ طبع مصر ۱۳۵۷ھ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

ترجمہ: اور یہ اہل صفہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ یہ لوگ درحقیقت فقراء مہاجرین تھے جو مسجد نبوی کے سائبان میں رہتے تھے اور ہمہ وقت علم دین سیکھنے میں اور جہاد میں مصروف رہتے تھے۔ اور یہ لوگ ہر اس مجاہد دستے میں شامل ہوتے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً بھیجا کرتے تھے۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال السدی ومجاهد وغيرهما المراد بهولاء الفقراء فقراء المهاجرين من قريش وغيرهم ثم تتناول الآية كل من دخل تحت صفة الفقراء غابر الدهر وانما خص فقراء المهاجرين بالذكر لانه لم يكن هناك سواهم وهم اهل الصفة وكانوا نحوا من اربعمائة رجل [2]

ترجمہ: مفسر سدی، مجاہد اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ ان فقراء سے قریش فقراء مہاجرین اور ان کے علاوہ دیگر حضرات مراد لیے ہیں اس کے بعد یہ آیت ان تمام حضرات کو مشتمل ہے جو عرصہ دراز تک فقراء کی صفت پر باقی رہے اس جگہ خاص طور پر فقراء مہاجرین ہی مراد ہیں کیونکہ وہاں ان کے سوا ان خصوصیات کے حامل لوگ نہیں تھے۔

---

[1] روح المعانی ۳، ۴۰: ۱۳، بیروت۔

[2] ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۳: ۳۳۹، طبع مصر ۱۳۸۷ھ۔

Marfat.com

یہ تقریباً چار سو آدمی تھے۔

۳۔ پاکستان میں فارسی ادب کے مصنف نے بے دھڑک ترمذی شریف میں مروی حدیث اللھم احینی مسکینا الخ کو موضوع قرار دے دیا ہے۔ اور دلیل میں اپنے زاویۂ نظر کو بنیاد بنایا ہے۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب فضل الفقراء ص ۴۴۷۔

۴ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مدثر کی آیت وثیابک فطہّر کی تفسیر فقصّر سے کی ہے۔ (کہ اپنے کپڑوں کو چھوٹا کرو آستینیں بڑی بڑی نہ بناؤ) فارسی ادب کے مصنف کو اس پر بھی اعتراض ہے فرماتے ہیں "قرآنی متن میں وہ درست نہیں بیٹھتے" حالانکہ یہ تفسیر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے نہیں کی ہے یہ تفسیر حبر الامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے۔

ویقال ثیابك فطھر فقصر[1]

(کہا جاتا ہے کہ ثیابک فطہر کا معنی ہے کہ کپڑے کو چھوٹا کرو)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ کی تفسیر حضرت نے لِیَعْرِفُوْنَ سے کی ہے اس پر بھی ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو اعتراض ہے حالانکہ یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

---

[1] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: ۳۷۲؛ طبع مصر ۱۹۵۱ء۔

ایک قسم کا غنا ہے۔ کہ بندے کو ہر آن مشاہدۂ جمال الٰہی ہو رہا ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ کی کتاب اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت فقر کی **فضیلت** پر شاہد ہیں اس ساری بحث میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے قول فیصل حضرت استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"میں تو اسی چیز کو پسند کرتا ہوں جسے میرا رب میرے لیے پسند فرمائے میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے لیے غنا کو پسند فرمائے تو مجھے اپنی یاد سے غافل نہ کرے اور اگر میرے لیے فقر پسند فرمائے تو اس میں حریص ہونے سے محفوظ رکھے غرضکہ غنا بھی نعمت ہے اگر بندہ یاد الٰہی سے اس کے سبب غافل نہ ہو اور فقر بھی نعمت ہے اگر وہ فقر کی حالت میں حرص و طمع سے محفوظ رہے۔ اصل میں فقر نام ہے ماسوا اللہ سے فارغ ہونے کا اور غنا ماسوا اللہ کی مشغولیت کا۔

فقر کی تعریف | متاخرین صوفیہ کے نزدیک

لیس الفقیر من خلا من الزاد انما الفقیر من خلا من المراد۔

ترجمہ فقیر وہ نہیں جو مال و متاع سے خالی ہو بلکہ حقیقی معنوں میں فقیر وہ ہے جو مراد سے خالی ہو۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے: ؎

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں   کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

Marfat.com

دل سے ہر تمنا نکل جائے صرف ایک تمنا رہ جائے دیدار الہٰی کی تمنا اس کے مشاہدۂ جمال کی تمنا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

علامۃ الفقر خوف الفقر۔

ترجمہ : فقر کی علامت فقیر ہو جانے کا ڈر ہے۔

جس میں یہ خوف موجود ہے صحیح معنوں میں وہ فقیر ہے۔ فقیری کا یہ ڈر مال و متاع دنیا سے محروم ہو جانے کا ڈر نہیں بلکہ اصل درویش کو ہر آن یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ اتنی جد وجہد اور مجاہدے کے بعد مشاہدۂ جمال الہٰی کی جو دولت اسے میسر آئی ہے کہیں یہ دولت چھن نہ جائے کیونکہ ہر کمال کے ساتھ زوال لگا ہوا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

الفقیر من لا یستغنی بشیء من دون اللہ۔

ترجمہ (فقیر وہ ہے جو اللہ کی ذات کے سوا کسی چیز کے ساتھ آرام نہ پکڑے)

معلوم ہوا کہ جب تک ماسوا اللہ کے وجود سے فانی نہ ہو جائے گا غنا حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی غنا اصل میں فقر ہے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

نعت الفقیر السکوت عند العدم والبذل عند الوجود۔

ترجمہ : (فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب کچھ نہ رہے تو چپ رہے جب ہو تو خوب خرچ کرے)

یعنی فقیر ایثار پیشہ ہوتا ہے وہ اپنے سے زیادہ اپنے مال پر دوسروں کو حق دار سمجھتا ہے۔

Marfat.com

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ قَالَ
ابن عباس الا لیعرفون [1]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لیعبد و ن کا مطلب ہے لِیَعْرِفُوْنَ۔

۵۔ اختلاف قرأت والے اختلاف پر ڈاکٹر صاحب نے جو اعتراض فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے محترم فن تفسیر سے کسی قدر ناواقف ہیں۔ کیونکہ اختلاف قرأت ایک نہیں سینکڑوں آیتوں میں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے آیت میں شک پڑ گیا۔ بلکہ آیت کی جو قرأت متواترہ ہے اس میں تو شک کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے البتہ قرأت شاذہ کو مفسرین ذکر کرتے ہیں۔ یہ اختلاف قرأت قاریوں کی قرأت سے پیدا ہوتا ہے اس سے قرآن کریم کے تواتر پر حرف نہیں آتا لیکن یہ باتیں وہ لوگ جانتے ہیں جو عربی تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ محض اردو ترجموں پر اکتفا کرنے والوں کو یہ باتیں معلوم نہیں ہوتیں اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس سے قرآن کے تواتر میں شک پڑ جائے گا۔

۶۔ کرامت کے باب میں نہ صرف داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلکہ جملہ اکابر صوفیہ اور محدثین و مفسرین نے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ درج کیا ہے کہ:

"جب حضرت زکریا حضرت مریم علیہما السلام کے پاس آتے تو گرمیوں میں موسم سرما کے پھل اور سردیوں میں موسم گرما کے پھل دیکھتے۔"

ڈاکٹر صاحب نے اس چیز کو حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی طرف سے اضافہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت متواتر ہے:

---

[1] الرسالۃ القشیریہ: ۴ہم: طبع مصر ۱۹۵۹ء۔

Marfat.com

وتواترت الروایات ان زکریا علیہ السلام کان یجد عندھا فاکھۃ الشتاء فی الصیف وفاکھۃ الصیف فی الشتاء[1]

ترجمہ: اور اس بارے میں متواتر روایتیں ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جاڑے کے میوے گرمی میں اور گرمی کے میوے جاڑے میں پاتے تھے۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

اخرج ابن جریر عن الربیع قال انہ لا یدخل علیہا غیرہ واذا خرج اغلق علیہا سبعۃ ابواب فکان یجد عندھا فاکھۃ الصیف فی الشتاء وفاکھۃ الشتاء فی الصیف[2]

ترجمہ: ابن جریر نے ربیع سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت مریم کے پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں جاتا تھا صرف حضرت زکریا علیہ السلام جاتے تھے۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام باہر آتے تو سات دروازے بند کرتے لیکن وہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس گرمیوں کے پھل جاڑے میں اور جاڑے کے پھل گرمیوں میں پاتے۔

ان روایات متواترہ کے ہوتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے حضرت ہجویریؒ پر اعتراض کی حیثیت کیا ہے قارئین کرام بخوبی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۶۔ آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ کے حوالہ سے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبریل ومیکائیل علیہما السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب کو اس پر

---

[1] امام رازی: تفسیر کبیر: ۸: ۳۲ طبع مصر ۱۹۳۸ء تفسیر قرطبی: ۴: ۷۱ طبع مصر ۱۳۸۷ھ

[2] روح المعانی: ۳: ۱۴۰ طبع بیروت

Marfat.com

۲۔ بعض کا قول ہے کہ چونکہ روز قیامت صوفی صف اول میں ہوں گے اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔

۳۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ لوگ در اصل اصحاب صفہ کے تبعین ہیں۔ اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔

۴۔ ایک خیال ہے کہ یہ لفظ "صفا" سے بنا ہے اور صوفی کا چونکہ ظاہر اور باطن صاف ہوتا ہے اس لیے اسے صوفی کہتے ہیں۔ [۱]

تاہم حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صفا" سے صوفی کا اشتقاق درست نہیں۔ کیونکہ شان صفا تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھی کیونکہ صفائے حقیقی کے لیے ضروری ہے کہ اصل اور فرع دونوں اعتبار سے صفا حاصل ہو۔ اصل کے اعتبار سے صفا تو یہ ہے کہ دل ماسوا اللہ سے قطعاً منقطع ہو جائے اور فرع اس کی یہ ہے کہ غدار دنیا کی محبت سے دل خالی ہو جائے اور یہ دونوں صفتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی وہ ہستی ہے جسے امام اہل طریقت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ تصوف کا ماخذ صوف ہو یا صفہ یہ الگ بات ہے اصل چیز تو حقیقت تصوف کو معلوم کرنا اور اس کے حصول کی کوشش ہے۔ بشریت کے باعث انسان میں تکدر رہے۔ صوفی وہ ہے جو حقیقت تکدر سے گزر کر صفات بشریت پر غلبہ حاصل کرے اس وقت بشریت فنا ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح زنان مصر حسن یوسفؑ کے

---

[۱] یہ مباحث ابتدائے کتاب میں گزر چکے ہیں اس لیے تفصیلات ذکر نہیں کی جا رہی ہیں۔ (مؤلف)

Marfat.com

مشاہدے میں اس قدر مستغرق ہوگئیں کہ غلبہ بشریت وقتی طور پر فنا ہوگیا تھا تو پرتو حسن یوسفی نے زنان مصر کی کیفیت بشری کو تھوڑی دیر کے لیے بدل کر رکھ دیا تھا یہاں تو پرتو جمال الٰہی اور مشاہدۂ حسن ازل ہے۔ یہ مشاہدہ جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو بشری کدورتیں انسانی وجود سے خارج ہو جاتی ہیں اور انسان اپنی صفات بشری سے فانی ہو کر عکوس صفات الٰہیہ کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اسی کو بقاء باللہ کہتے ہیں۔

یاد رکھو کہ جہاں نور محبت اور نور توحید ہو وہاں نور شمس و قمر کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ نور توحید سے بڑھ کر اس جہان میں کوئی نور نہیں۔ جس دل میں یہ نور قائم ہو جاتا ہے وہ تمام صفات محمودہ کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔

درجات تصوف

درجات کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستوصف

۱۔ صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر باقی بحق ہو گیا اور مزاج و طبیعت کی قید سے آزاد ہو کر حقیقۃ الحقائق سے مل گیا۔

۲۔ متصوف وہ ہے جو اس درجے کے حاصل کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہے اس طرح کے لوگ صوفیائے کرام کے طریق کی مکمل پیروی میں لگے رہتے ہیں۔

۳۔ مستوصف وہ ہے جو دنیوی متاع کے حصول کی خاطر صوفیہ کے اعمال و افعال کی نقل کرتا ہے۔ وہ صوفیہ کے اقوال دہراتا پھرتا ہے حالانکہ اسے کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔

ایسے شخص کے بارے میں حضرات مشائخ کا قول ہے

Marfat.com

المستوصف عند الصوفیۃ کالذباب وعند غیرھم کالذیاب۔

(مستوصف صوفیہ کے نزدیک مکھی کی طرح ہیں اور عوام کے لیے بھیڑیوں کے مثل ہیں) اس جماعت کی ساری تگ و دو بس روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صوفی صاحب وصول ہوتا ہے (متصوف صاحب اصول اور مستوصف صاحب فضول۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الصوفی اذا نطق بان نطقہ من الحقائق وان سکت نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق۔

ترجمہ: صوفی جب کلام کرتا ہے تو اس کا کلام حقائق سے لبریز ہوتا ہے اور جب سکوت اختیار کرتا ہے تو اس کے اعضاء اور جوارح سے دنیا اور متاع دنیا سے اس کی لاتعلقی ظاہر ہوتی ہے۔

مجاہدات

تصوف دوامًا بندہ سے مجاہدے کا تقاضا کرتا ہے اور بندے کی شان یہی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ راہ مجاہدہ پر قائم رہے۔ اسی لیے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تصوف حظوظ نفسانیہ کے ترک کر دینے کا نام ہے۔ ترک حظ بندے کا کام ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حظوظ نفسانیہ خود بخود فنا ہو جاتے ہیں۔ یہی وقت ہے کہ بندہ شہوات نفس سے خالی ہو کر منزل تقرب میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہلی صف میں پہنچ جاتا ہے۔ صوفی متاع دنیا میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا نہ وہ خود کسی کا مملوک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اسے خلق سے کامل انقطاع نصیب ہو جاتا ہے اس کے بعد دوسری منزل شروع ہوتی ہے اور وہ ہے رجوع الی الخلق کی یعنی اگر اللہ تعالےٰ یہ چاہے کہ کسی

Marfat.com

صوفی سے وعظ وارشاد کا سلسلہ جاری کرائے تو ایسے صوفی کو خلق کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت دکھلائے اور اگر اللہ کو یہ منظور نہیں ہوتا تو اس صوفی بامراد کو پردۂ گمنامی میں چھپا دیا جاتا ہے ۔ مجاہدے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ضمیر کو مخالفت حق سے باز رکھا جائے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جلا اور نورانیت حاصل ہو چکی ہے اس کو ہر قسم کی کدورتوں سے بچایا جائے ۔

تصوف ایک خصلت

حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

"تصوف ایک نیک خصلت ہے جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے اور نیک خصلت کی دو قسمیں ہیں ایک خصلت نیک بحق کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے اور دوسری خصلت نیک مخلوق یعنی اللہ کے لیے مخلوق کا بار خدمت اپنے سر لے ۔"

تصوف کی آٹھ خصلتیں

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے ۔ یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتداء سے صوفی صحیح معنوں میں صوفی بنتا ہے ۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سخاوت سیکھے کہ اللہ کے نام پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا ۔

۲۔ رضا اسماعیل علیہ السلام سے کہ حکم الٰہی سے سرتابی نہ کی اور بے تکلف جان کا نذرانہ پیش کرنے پر راضی ہو گئے ۔

۳۔ صبر ایوب علیہ السلام سے کہ بدن میں کیڑے پڑ گئے لیکن غیرت رحمانی

پر صبر کا ثبوت دیا۔

۴۔ اشارہ زکریا علیہ السلام سے کہ انہیں تین دنوں تک گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا اور انہوں نے اشاروں میں گفتگو کی۔

۵۔ غربت یحییٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنے وطن میں خود کو مسافر سمجھتے رہے اور رشتہ دار عزیز و اقارب کے ہوتے ہوئے سب سے بیگانہ رہے

۶۔ لباس صوف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا ہوتا تھا۔

۷۔ سیاحت عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے کہ آپ سفر کے دوران اس قدر مجرد رہتے کہ ایک پیالے اور کنگھی کے سوا کچھ بھی ساتھ نہ ہوتا

۸۔ فقر حضرت سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی کنجیاں آپ کو پیش کیں مگر آپ نے فقر کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ! میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں کہ جس دن کھاؤں تیرا شکر ادا کروں اور جس دن بھوکا رہوں صبر کروں۔

معاملات تصوف | حضرت ابوحفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"تصوف سراسر ادب ہے، ہر وقت، ہر مقام اور ہر حال کا ادب جس نے ان آداب کی رعایت کی وہ مردان خدا کے مقام رفیع کو پہنچ گیا اور جس نے ادب کو ضائع کیا وہ محروم رہا چاہے وہ خود کو کامل ہی کیوں نہ سمجھتا رہا ہو"

Marfat.com

بقول حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ تصوف نہ رسم ہے اور نہ علم کیونکہ اگر یہ رسمی چیز ہوتی تو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو جاتا اور اگر علم ہوتا تعلیم و تعلم سے آجاتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تصوف ایک خاص خصلت کا نام ہے جو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے اندر خود اس خصلت کو پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔

رسم و خصلت میں فرق

رسم و خصلت میں فرق یہ ہے کہ رسم وہ ہے جو انسان تکلف سے اختیار کرے۔ اگر انسان کا باطن اس کے موافق نہ ہو تو فعل ظاہر کی کوئی وقعت نہیں۔

اور خصلت اسے کہتے ہیں جو بے تکلف صادر ہو۔ اور ظاہری عمل باطنی کیفیات سے پوری طرح موافق ہو۔

خصائل حمیدہ تین قسم کے ہیں (۱) ایک یہ کہ احکام الٰہی کے ادا کرنے میں دکھاوے اور ریا کا شائبہ تک نہ ہو (۲) دوسرے یہ کہ عوام کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے بڑوں کی عزت کی جائے اور چھوٹوں پر شفقت اور تمام معاملات میں انصاف پسندی کو راہ دی جائے پھر کسی خدمت کا معاوضہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ شیطان کی پیروی سے پرہیز کرے اور ہر قسم کی خواہشات نفسانی سے بچے

اگر کوئی انسان ان تین قسم کی خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ نیک خصائل والے انسانوں میں شامل ہو کر مقبول بارگاہ بن سکتا ہے۔

Marfat.com

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تصوف سر تا سر مجاہدہ ہے اس میں بقول حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ لہو و لعب کو نہ ملانا ورنہ محروم رہ جاؤ گے رسم پرست لوگوں کا شعار نہ اختیار کرنا کہ ان کا کام ناچنا گانا اور تھرکنا ہے۔ یہ طالب دنیا لوگ ہیں جنہوں نے چند رسومات کو تصوف سمجھ رکھا ہے حالانکہ ان رسومات کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انہی لوگوں کی حرکتوں کو دیکھ کر عوام تصوف سے بدظن ہو جاتے ہیں حالانکہ انہیں بدظن نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ دور فتنے کا دور ہے اور بلائیں روز بروز بڑھ رہی ہیں بادشاہوں میں حرص بڑھ گئی ہے۔ عوام زنا کاری اور فسق و فجور میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں اسی طرح زہد و ریاضت میں ریا کاری نے راہ بنا لی ہے اور جب زہد و ریاضت میں ریا کا عنصر داخل ہو جاتا ہے تو صوفی میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر شیطان اسے رقص و سرور کی طرف مائل کر دیتا ہے

چھٹی فصل

اصولِ طریقت

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

یاد رکھو اہل طریقت تباہ ہو جائیں گے مگر اصول طریقت تباہ نہیں ہو سکتے اچھی طرح جان لو کہ اگر ایک جماعت فضولیات اور لغویات میں مبتلا ہو کر راہ طریقت سے انحراف کرے اور اپنی ہزلیات کو مجاہدہ و ریاضت اور جذب دل میں پوشیدہ کرنا چاہے تو اس کی اس بداعمالی کے باعث حقیقی اہل طریقت کے مجاہدات اس جماعت کی وجہ سے ہزل و لغو نہیں ہو سکتے۔ ان کا جذبہ صادق صادق ہی رہے گا اور اہل ہزل اہل ہزل ہی رہیں گے تصوف کا

Marfat.com

اہم ترین اصول یہ ہے کہ آدمی پسندیدہ اخلاق کا حامل رہے اور اپنے رب کی رضا پر راضی۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"تصوف در حقیقت آزادی کا نام ہے۔ مگر آزادی سے مراد حرص و ہوس سے آزادی ہے۔ تصوف میں ایک ہی جوانمردی ہے کہ بندہ خواہشات نفسانی سے مجرد ہو جاتا ہے تکلفات ترک کر کے اپنے مقسوم پر راضی اور مطمئن رہتا ہے تصوف ایسی سخاوت کا نام ہے کہ صوفی دنیا اہل دنیا کے حوالے کر دیتا ہے اور خود بے تعلق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوالحسن بوسنجہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے کہ

"آج تصوف کا بس نام ہی نام رہ گیا ہے۔ حقیقتہ" کچھ نہیں ہے ایک دن وہ تھا کہ حقیقتہ" خالص تصوف موجود تھا اور اس کا نام موجود نہیں تھا" وہ دور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دور تھا کہ اس وقت حقیقت تصوف ہر کس و ناکس میں موجود تھی لیکن وہ خود کو صوفی نہیں کہتے تھے۔ مگر آج رسمی صوفی تمہیں ہر جگہ، ہر کوچہ و بازار میں ملیں گے جو بہت مشہور ہیں لیکن دعاوی کے اعتبار سے دیکھو تو وہ مجہول ہیں۔

دعوے بہت ہیں مگر اعمال و افعال کا وجود نہیں"۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص اسم تصوف سے انکار کرتا ہے تو کرے کیونکہ معانی حقائق میں مسمیات سے بیگانہ ہو چکے ہیں مگر اسے چاہیئے کہ عین تصوف کا انکار نہ کرے کیونکہ یہ انکار احکام شرعیہ اور انبیائے کرام کے انکار کے مترادف ہے۔ اور ان کے خصائل حمیدہ کا انکار ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ تم حق تصوف کی رعایت رکھو اور انصاف کو

Marfat.com

ہاتھ سے نہ جانے دو اور سچے صوفیوں کے ساتھ نیک عقیدہ رکھو۔

خرقہ پوشی

صوفیہ کا شعار کمبل پوشی ہے۔ اور یہ کمبل پوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علیکم بلبس الصوف تجدون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم۔

اون کا کپڑا پہنا کرو ایمان کی لذت اپنے دلوں میں پاؤ گے۔ حدیث میں ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبس الصوف ویرکب الحمار۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم صوف کا کپڑا پہنتے تھے اور گدھے کی سواری فرماتے تھے۔

پیوند لگانے کو آپؐ نے پسند فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

لا تضیعی الثوب حتی ترقعیہ۔

ترجمہ: عائشہ! کپڑا ضائع نہ کیا کرو پیوند لگا لیا کرو۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعض اوقات ایسا کپڑا پہنتے کہ اس پر تیس تیس پیوند لگے ہوتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ستر بدری صحابہ کرام کی زیارت کی وہ سب صوف کا لباس پہنتے تھے۔ اور فرمایا کہ میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی وہ ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جو پیوند زدہ تھا۔

حضرت عمر، حضرت علی، اور حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہم نے اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے۔

تاریخ مشائخ تصنیف محمد بن علی حاکم ترمذی میں ہے کہ ابتدا میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پشمینہ کی پوشاک استعمال فرماتے تھے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ اپنا لباس صوف کا رکھا۔

غرضکہ صوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ کا لباس رہا ہے۔ لہٰذا صوفیوں کو چاہیئے کہ یہ لباس اختیار کریں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

ترجمہ: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔ جو لوگ صوفیہ کی وضع اختیار کرتے ہیں ان کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ جن کا مقصود صوفیہ کی طرح باطن کی صفائی اخلاق کی درستگی اور محققین صوفیہ کی صحبت میں رہ کر راہ طریقت میں حصول تقرب ہوتا ہے۔

۲ دوسرے وہ لوگ جو صوفیہ کی نقل اس لیے کرتے ہیں کہ انہی کی طرح بن جائیں اور ان کی ظاہری اتباع باطن اتباع کا پیش خیمہ بنے یہ مجاہدہ کی راہ ہے

۳ تیسرے وہ لوگ جن کا مقصود صوفیہ کا لباس اختیار کرکے انہیں گھل مل جانا ہوتا ہے رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی صوفیہ جیسا اخلاق پیدا کر لیتے ہیں بڑوں کی عزت کرتے ہیں چھوٹوں پر شفقت کرتے ہیں۔ طلب مال اور طلب جاہ سے بے اعتنائی برتتے ہیں:

۴ چوتھے وہ لوگ جو نفس پرستی۔ طلب عزت، اور طلب ریاست کی خاطر صوفیہ کی وضع اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کو دکھانے کے لیے کم گوئی اور تنہائی اختیار کرتے ہیں حالانکہ ان کا باطن حرص و ہوس میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کی

بھی اسی طرح عزت ہو جس طرح محققین صوفیہ کی ہوتی رہی ہے ۔ یہ خرقہ "جامۂ تکبر" ہے۔ لباس "غرور و تکبر" ہے۔ قیامت کے دن یہ خرقہ ان کے لیے موجب حسرت و ندامت ہو گا۔

اس زمانے میں ایسا گروہ بہت ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ جو کام تم سے نہ ہو سکے اس کا ارادہ نہ کرو اگر تم ہزار بار اعلان کرو کہ تم صوفی ہو صوفی نہیں بن سکتے جب تک صوفی جیسا اخلاق اور شریعت کی کامل تابعداری تمہارے اندر موجود نہ ہو۔ طریقت خرقہ پوشی سے حاصل نہیں ہوتی حرقت یعنی آتش عشق میں جلنے کا نام طریقت ہے جسے طریقت سے آشنائی حاصل ہو گئی وہ جو لباس پہنے اس کے لیے روا ہے۔ اگر بغیر آشنائی طریقت مرقع صوف پہنا تو یہ لباس اس کے لیے مرقعہ ادبار و شقاوت ثابت ہو گا۔

کسی بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ خرقہ کیوں نہیں پہنتے ؟ انہوں نے جواب دیا۔

اگر جواں مرد نہ ہو اور جوانمردوں کا لباس پہنے تو یہ منافقت ہے
کہ ان کی طرح بوجھ اٹھا نہ سکے اور جواں بنا پھرے

طالب دنیا اس خرقہ کو طلب دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں اور اس کے ذریعہ عزت و مال کماتے ہیں مگر ایسی عزت بلا ہے۔ ارباب صفا جب خرقہ پہنتے ہیں تو علائق دنیوی سے ان کا دل علیحدہ ہو جاتا ہے ان کے لیے یہ خرقہ ازدیاد نور کا باعث بنتا ہے اور نااہل کے لیے ازدیاد ظلمت کا۔ مختصر یہ کہ اسی خرقہ کے ذریعہ کوئی دنیا سے آزادی حاصل کرتا ہے اور کوئی محنت و مشقت سے آزاد ہو کر دنیا کماتا ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

Marfat.com

لازم ہے کہ اپنا باطن درست کرے اور تحقیق کی طلب میں سرگرداں ہو رسوم ظاہری سے پرہیز کرنا چاہیئے اس لیے کہ جو شخص ظاہری رسوم کا پیرو ہو گا وہ ہرگز ہرگز تحقیق کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ آدمی کا اپنا وجود خود اللہ تعالیٰ کی راہ میں حجاب ہے۔ اور یہ حجاب اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک حال و کیفیت نہ بدلے اور فنائیت کی منزلیں طے نہ ہوں۔ جو آدمی اپنے ظاہر کے سنوارنے میں لگا رہا وہ بھلا فانی الصفت کیسے ہو سکتا ہے"

خرقہ کے آداب

خرقہ پوشی کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ خرقہ اس لیے بنائے کہ لباس کے بوجھ سے فارغ ہو جائے اور قسم قسم کے لباسوں کے جھنجھٹ سے نجات پا جائے۔ اور کمبلی جب تک رہے اس پر پیوند لگاتا رہے پیوند سے مراد صوفی کا وہ حال ہے جو بحالت کیف و وجد اس پر طاری ہو۔ اور صوفی اپنی روح کی آواز سنے نہ کہ عقل کی۔

خرقہ پوشی کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی زیب و زینت سے مستغنی ہو جائے اور اپنے فقر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا رابطہ رکھے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود میرے شیخ طریقت (حضرت ابو الفضل الختلیؒ) نے ایک خرقہ ۵۶ چھپن سال تک زیب تن کئے رکھا جہاں سے پھٹتا بے ترتیبی کے ساتھ اس پر پیوند چپکاتے رہتے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"و آنچہ ایشاں اندر حال جامۂ پشمیں کمتر پوشند دو معنی است یکے آنکہ پشمہا شوریدہ شدہ است و چہار پایان اندر غارت ہا از جائے بجائے افتادہ و دیگر آنکہ گروہے از متبدعہ مر جامۂ پشمیں را شعار

کردہ اند وخلاف شعار مبتدعاں اگرچہ خلاف سنت بود[1]

اب اکثر مشائخ نے خرقہ پوشی ترک کر دی ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔

۱ ایک تو یہ کہ اب پشم مشکوک ہو گئی ہے کیونکہ پشم فروش اکثر لوگوں کی بھیڑوں کے بدن سے چوری سے اون اتار لیتے ہیں

۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ نوخیز بدعتیوں نے اس لباس کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور بدعتیوں کے کسی شعار کے خلاف کرنا اچھا ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"ایک جماعت لباس کو اتنی اہمیت نہیں دیتی جس وقت جیسا لباس میسر آیا پہن لیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عبا قبا پہنائی تو پہن لی اگر پھٹا پرانا پیراہن دیا تو اسے بھی قبول کر لیا۔"

مجھے یہی طرز پسند ہے۔ اور میں نے اپنے لیے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں غزنی میں ایک بزرگ مؤید لقب ہیں ان کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ملبوسات میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں ہے۔ مشائخ میں سے جو لوگ اپنا لباس نیلا رکھتے ہیں اس کی چند وجوہ ہیں۔

۱ یہ لوگ اکثر سیاحت میں رہتے ہیں اور نیلا لباس جلدی جلدی میلا نہیں ہوتا۔

۲ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر عوام سفید لباس کو پسند کرتے ہیں تو وہ عوام کی محبوب ترین چیز سے پرہیز کرتے ہیں۔

۳ تیسری وجہ یہ ہے کہ نیلگوں رنگ اصحاب غم واندوہ کا رنگ ہے چونکہ اصحاب ارادت اپنی دنیوی زندگی میں سوائے غم واندوہ کے کچھ نہیں

---

[1] کشف المحجوب ۳۴۵ طبع اسلامک بک فاؤنڈیشن

Marfat.com

پاتے اس لیے اہل غم کا لباس پہنتے ہیں۔ ایک جاہل مدعی فقر نے ایک بزرگ کو سیاہ لباس میں دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت آپ سیاہ لباس کیوں پہنتے ہیں۔ فرمایا۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی تھیں۔ فقر، علم، شمشیر

شمشیر تو سلاطین نے سنبھال لی مگر اسے برمحل استعمال نہ کیا۔ علم کو علماء

نے اختیار کیا مگر صرف پڑھنے پڑھانے کی حد تک (عمل سے انہیں سروکار

نہیں) اور فقر، فقراء نے اختیار کر لیا لیکن اسے آلہ ءغنا اور ذریعہ حصول

مال بنا لیا میں نے ان تینوں کے غم میں سیاہ پوشی اختیار کی ہے"۔

مشائخ رحمہم اللہ کی طرف جب کوئی شخص اصلاح کے لیے رجوع کرتا تھا تو وہ اسے تین چیزوں کی دو تین سالوں میں تعلیم دیتے تھے اگر وہ دوران تعلیم ادب پر ثابت قدم رہتا تو اپنے ساتھ رکھتے ورنہ جواب دیدیتے۔

۱۔ پہلے سال اس سے خدمت کراتے تاکہ وہ خود کو سب کا خادم جانے اور سب کو اپنے سے بہتر تصور کرے۔

۲۔ دوسرے سال اس سے خدمت حق کراتے یعنی زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں لگاتے تاکہ وہ تمام حظوظ نفسانیہ سے ترک تعلقات کرے کیونکہ کسی بھی چیز کے لالچ میں عبادت کرنا دراصل اپنی ہی پرستش ہے۔

۳ اور تیسرے سال اس سے اس کے دل کی نگہداشت کراتے تاکہ وہ ہر طرف سے یکسو ہو کر صرف بارگاہ احدیت میں حاضر رہے اور اس کا دل غفلت میں مبتلا نہ ہو۔

جب مرید ان تینوں شرائط پر پورا اترتا تو اسے خرقہ پہناتے یہ خرقہ پوشی کورانہ تقلید پر مبنی نہ ہوتی اور نہ رسمی ہوتی بلکہ مرید صاحب تحقیق ہوتا تھا

Marfat.com

پیر کامل کون ہے؟

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حدیث میں ہے کہ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ (شیخ اپنے مریدوں کے درمیان ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ نبی اپنی امت میں) کیونکہ شیخ دراصل دعوت الی الحق میں نبی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ شیخ اس درجہ کامل ہو کہ اپنے مرید کے احوال سے پورا پورا واقف ہو کہ یہ مرید درجہ کمال تک کتنا پہنچے گا کہیں ایسا تو نہیں کہ آگے چل کر مردود طریقت ہو جائے گا۔ اگر شیخ یہ محسوس کرے کہ مرید طریقت کے انتہائی منازل طے کرے گا تو پھر اس کی پرورش کرے اور اس پر نگاہ رکھے۔ مشائخ اصل میں قلوب کے طبیب ہوتے ہیں جو طبیب مریض کی بیماری سے جاہل ہو وہ اپنی تجویز کردہ دوا سے مریض کو ہلاک کر دے گا شیخ جب اپنے مرید کا مکمل طور پر تصفیہ باطن کرلے تب اسے خرقہ پہنائے اس کے بعد خرقہ پوش کا فرض ہے کہ خرقہ کے حقوق کا خاص لحاظ رکھے۔ اور ان حقوق کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہے۔

خرقہ کی حقیقت

خرقہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اوپر والا حصہ صبر کے ساتھ ہو دونوں آستینیں امید و بیم کی ہوں۔ اس کے آگے پیچھے کے دامن قبض و بسط سے بنیں اور اس کا گریبان جہاں سے کمر باندھتے ہیں مخالفت نفس کا ہو۔ اس کی کلیاں صحت و یقین کی ہوں۔

خرقہ کا وقار

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص خرقے کی عظمت اور اس کے وقار کا تحفظ نہ کر سکے اسے خرقہ ہرگز نہیں پہنانا چاہیئے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ہم رکابی میں آذربائیجان کے ایک علاقے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ دو تین خرقہ پوش گندم

Marfat.com

کے ڈھیروں پر کھڑے ہیں اور اپنے خرقے کے دامنوں کو کسانوں کے سامنے پھیلا رکھا ہے تاکہ وہ ان میں گندم ڈال دیں میرے شیخ نے انہیں دیکھا اور آیت کریمہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى الخ کی تلاوت فرمائی میں نے عرض کیا۔ حضرت! یہ لوگ کس قدر ذلت میں گرفتار ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا:

"ان کے پیر کو مرید جمع کرنے کی حرص ہوئی ہے تو انہیں دنیا جمع کرنے کی حرص ہو گئی ہے۔ اور کوئی حرص کسی حرص سے بہتر نہیں ہوتی۔"[1]

مختصر یہ کہ خرقہ صالحین کا لباس ہے اس لیے جو شخص اس لباس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالے وہ گویا اپنے لیے بہت بڑی آفت اور تباہی جمع کر رہا ہے۔

ساتویں فصل

طریق ملامت

راہ سلوک میں تکبر سے بڑھ کر کوئی آفت و حجاب نہیں اسے بہر صورت دور کرنا چاہیئے۔ اسے دور کرنے کے لیے مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ نے بہت سے طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تین طریقوں کا تذکرہ فرمایا ہے

۱ اول راست روی

یعنی آدمی کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنے کام میں لگا رہے اور احکام دین کی سختی سے پیروی کرتا رہے ایسے وقت میں لامحالہ عوام اس کی ملامت کرتے

---

[1] کشف المحجوب: ۷۴ طبع لاہور

Marfat.com

لگیں گے مگر اسے چاہیئے کہ عوام کی ملامت کی پرواہ نہ کرے اور جادہ مستقیم پر چلتا رہے۔ یہ ملامت ترقیٔ درجات میں اس کے لیے بہت مفید ہو گی۔

۲ دوم قصد سے ملامت طلب کرنا۔

یہ اس صورت کے لیے ہے جبکہ آدمی لوگوں میں نیکی کے ساتھ معروف ہو چکا ہو۔ اور اسے عزت و وقار حاصل ہو۔ حالانکہ اس کا دل خلق کے رجوع اور دنیوی شہرت و عزت سے متنفر ہو اور وہ چاہتا ہو کہ تنہائی اور سکون میسر آئے تاکہ وہ اپنی خلوت کو ذکر الٰہی سے آباد کرے ایسی صورت میں اگر وہ کسی ایسے عمل کا ارتکاب کرے جو اگرچہ خلافِ شریعت نہ ہو مگر عوام کو متنفر کر دینے والا ہو تو یہ بھی درست ہے

۳ سوم طریق ترک ہے۔ یعنی کسی کا گریبان ضلالت طبعی کے باعث اس طرح پکڑا جائے کہ وہ ترک شریعت کے لیے کہنے لگے اور اپنے طریق کو طریق ملامتیہ کا نام دینے لگے۔

حضرت ہجویری فرماتے ہیں کہ

ہمارے دور میں تو طریق ملامت یہ ہے کہ کوئی شخص دو نفل ذرا طویل پڑھے لوگ فوراً اسے ریاکار کہنے لگیں گے اور شوق ملامت پورا ہو جائے گا۔ بعض لوگ ملامت کی آڑ میں خلاف شریعت عمل اختیار کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ تم نے یہ کیوں کیا تو جواب دینگے کہ ہم تو لوگوں کو متنفر کرنا چاہتے ہیں یہ صراحتہً گمراہی اور ریاکاری ہے کیونکہ اس طرح یہ لوگ حقیقتہً عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ طریق ملامت تو وہ شخص اختیار کرتا ہے جو پہلے مقبول بارگاہ الٰہی ہو چکا ہے۔ اس بیچارے نے تو نفس پروری اور تمرد پر پردہ ڈالنے کے لیے ملامتی ہونے کا ڈھونگ رچایا ہے

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بہت سے لوگوں کے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ ترک شریعت پر جب ان کی ملامت کی گئی تو بھڑک اُٹھے حالانکہ اگر صحیح معنوں میں وہ ملامتی ہوتے تو خوش ہوتے کہ ان کی مراد پوری ہو رہی ہے۔

ویسے طریق ملامت بہت خطرناک ہے اس کے پردے میں شریعت سے بغاوت کی کوشش ہو سکتی ہیں اس لیے سالک کے لیے محفوظ ترین راہ راہ سنت ہے۔ اسی سے نفس کی غلامی سے آزادی بھی نصیب ہو گی اور آدمی راہ مستقیم پر قائم بھی رہے گا۔ البتہ بغیر ترک شریعت کے بھی اگر کوئی چاہے تو اپنے نفس کو ذلیل کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

آٹھویں فصل

حقیقت رضا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ [2]

---

[1] البینۃ: ۸

[2] الفتح: ۱۸

Marfat.com

ترجمہ: بیشک اللہ راضی ہوگیا مومنوں سے جبکہ وہ آپ کے دست مبارک پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذَاقَ طَعمَ الاِیمَانِ مَن رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا الخ

ترجمہ: اس آدمی نے ایمان کی حلاوت کا لطف حاصل کیا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہوگیا۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

رضا کی دو قسمیں ہیں۔

۱ ایک اللہ تعالیٰ کی رضا بندے کے ساتھ

۲ دوسری بندے کی رضا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کی رضا بندہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو اپنی معرفت عطا فرمائے اسے ثواب۔ جنت۔ اور کرامت تفویض فرمائے۔

اور بندے کی رضا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ بندہ احکام الٰہی پر قائم ہو جائے اور اس کے فرمان عالی کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بندہ کی رضا پر مقدم اور فائق ہے۔ کیونکہ جب تک بندے کو اللہ تعالیٰ کی رضا میسر نہ آجائے وہ فرمان الٰہی پر قائم ہو سکتا ہے نہ اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بندے کی رضا حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ وابستہ ہے۔ مقام رضا پر بندہ اسی وقت فائز ہو سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ و جلالیہ دونوں کا نشاط طبع کے ساتھ مشاہدہ کرے اور عطا اور منع دونوں صورتوں میں اس کا دل اثر پذیر نہ ہو۔ یعنی اگر نعمائے الٰہی میسر آئیں تو راضی رہے اور اگر وہ اپنی

Marfat.com

نعمتوں کو تھوڑی دیر کے لیے روک لے تو حرف شکایت زبان پر لائے نہ اس کا قلب اس کی قضا پر اعتراض کرے۔ شادی و غم کی دونوں کیفیتیں اس کے لیے برابر ہوں چاہے آتش ہیبت و جلال حق میں اسے جلایا جائے چاہے نور لطف و جمال سے اسے منور کیا جائے۔ اس کی اصل یہ تصور اور عقیدہ ہے کہ جو بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم سے ہوتا ہے۔

ہر چہ از دست دوست می رسد نیکوست

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے فقیری تونگری سے زیادہ اور بیماری صحت سے زیادہ پیاری ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحمت کرے میں تو کہتا ہوں کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے حسن اختیار سے پہنچے مجھے تو وہی محبوب ہے اس کے غیر کی میں تو ہرگز تمنا نہ کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب اپنے ارادہ و اختیار کی قید سے آزاد ہو گیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی قوت و اختیار کا مشاہدہ ہو گیا پھر اس کی پسند یا ناپسند باقی کہاں رہ گئی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ مقام شہود کی کیفیت ہے۔ مقام غیبت میں یہ کیفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر بندے کا قانع و شاکر ہونا بھی ضروری ہے۔

مسالک صوفیہ | رضا کے مسئلہ پر صوفیہ کرام کے درمیان چار مسالک اور نقطۂ نظر ہیں

۱ ایک گروہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی تحق ہے یہ معرفت کا درجہ ہے۔

۲ دوسرا گروہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر راضی ہے یہ دینوی درجہ ہے

۳ تیسرا وہ گروہ ہے جو بلا پر راضی ہے یہ درجہ مجاہدہ ہے

Marfat.com

اور اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ دیکھنے والا اشیاء کو بچشم بقا دیکھے۔

دوسرے یہ کہ بچشم فنا دیکھے۔ اول الذکر صورت میں ہر شے ناقص نظر آئے گی کیونکہ اشیاء باقی رہنے کی صورت میں وہ انہیں اپنے سے باقی نہیں پاتا اور اگر ثانی الذکر صورت ہو تو وہ کل موجودات کو بپہلوئے بقاء حق تعالیٰ میں فانی دیکھے گا یہ دونوں طرح کی نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو موجودات سے اعراض کرنے پر مجبور کر دیں گی اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی اللھم ادنا الاشیاء کما ھی۔ اے اللہ ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔ اس لیے کہ جس نے بھی اشیاء کو اس حال میں دیکھ لیا جس میں کہ وہ حقیقتہً ہیں وہ مطمئن ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے قول فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ "تو آنکھ والو! عبرت حاصل کرو" کے یہی معنی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب تک اشیاء کو ان کے حقیقی روپ میں نہ دیکھا جائے عبرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کام کے لیے صحو کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اہل سکر کو ان معانی سے آگاہی ہی نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت سکر میں تھے تو ایک تجلی کی تاب نہ لا سکے اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم حالت صحو میں تھے تو مکہ سے مقام قاب قوسین تک عین تجلی میں تشریف لے گئے اور ہر لحہ ہوشیار و بیدار رہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے شیخ (حضرت ابوالفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ) جو حضرت

Marfat.com

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے فرماتے تھے کہ سکر بچوں کی بازی گاہ اور صحو مردوں کی فنا گاہ ہے"۔

مَیں کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں اپنے شیخ کی موافقت میں کہتا ہوں کہ۔ صاحب کمال صاحب صحو ہے اور صحو کا کمترین درجہ یہ ہے کہ صاحب صحو کچھ عرصے کے لئے صفات بشریہ کو دیکھنے سے دور ہو جاتا ہے۔ (اس دَور میں صحو بھی آفت دکھانے لگتا ہے) تو وہ صحو جو آفت دکھاتا ہے اس سکر سے بہتر ہے جو عین آفات میں ہے"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سکر بقائے صفت کی حالت میں خیال فنا ہے جو عین حجاب ہے اور صحو فنائے صفت کی حالت میں خیال بقا ہے جو عین کشف ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ سکر فنا کے زیادہ قریب ہے تو اس کا خیال باطل ہے کیونکہ سکر بذات خود صحو پر ایک زیادہ صفت ہے لہٰذا جب تک بندہ کی صفات زیادتی کی طرف رجوع رہتی ہیں وہ بے خبر رہتا ہے اور جب بندہ صفات زائدہ سے بے خبر ہو جاتا ہے اس وقت اس کی حالت امید افزا ہوتی ہے۔

سکر کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک سکر بہ شراب مودت (۲) دوسرا سکر بہ کاس محبت۔

سکر بہ شراب مودت معلول ہوتا ہے کہ رؤیت نعمت سے پیدا ہوتا ہے سکر بہ کاس محبت غیر معلول ہوتا ہے کہ رؤیت منعم سے پیدا ہوتا ہے پس جو شخص نعمت دیکھے چونکہ وہ اس نعمت کا نزول اپنی ذات پر دیکھتا ہے اس لیے نعمت کی دید کے وقت وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور جو منعم کو دیکھتا ہے وہ اپنی ذات کو نہیں دیکھتا ایسا شخص اگرچہ حالت سکر میں ہوتا ہے مگر اس کا سکر بھی صحو میں شمار کیا جائے گا۔

Marfat.com

اسی طرح صحو کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک صحو بغفلت (۲) دوسرا صحو بر محبت۔

وہ صحو جو غفلت کے ساتھ ہوتا ہے حجاب ہوتا ہے۔ اور جو صحو محبت کے ساتھ ہوتا ہے کاشف حجابات ہے۔

صحو بغفلت اگرچہ صحو ہے لیکن درحقیقت سکر ہے اس لیے کہ مقرون بغفلت ہے۔ اور صحو بر محبت اگرچہ بظاہر سکر ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ صحو ہے۔ غرضیکہ جب اصل مستحکم ہو تو صحو سکر کے مثل ہو جاتا ہے اور سکر مثل صحو۔ اور اگر اصل ہی مستحکم نہ ہو تو نہ سکر مفید ہے اور نہ صحو۔

درحقیقت سکر و صحو اللہ والوں کے قدم گاہ ہیں جو علتوں کے خلاف سے مختلف نظر آتے ہیں۔ جب سلطان حقیقت اپنے جمال کو بے حجاب کرتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی بن جاتے ہیں اصل میں صحو و سکر کے سرے ایک دوسرے سے ملتے ہیں ہر ایک کی نہایت دوسرے کی بدایت ہے اور نہایت و بدایت کے درمیان جو اختلاف نظر آتا ہے یہ اختلاف نظر کے سوا کچھ نہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

اذا طلع الصباح بنجم راحٍ
تساوٰی فیہ سکران وصاحٍ

جب راحت پہنچانے والے تاروں کے درمیان سے صبح طلوع ہوتی ہے تو اہل ہوش و مدہوش اس کے ملاحظے کے وقت برابر ہو جاتے ہیں۔ طیفوریوں اور جنیدیوں (رحمہم اللہ) میں یہی اختلاف ہے جو ذکر کیا گیا معاملت میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ترک و اختیار عزلت ہے وہ اپنے مریدوں کو اسی کا حکم دیتے تھے یہ طریق بھی محمود ہے بشرطیکہ کسی کو میسر آئے۔

گیارہویں فصل

حقیقتِ ایثار

ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ محبت کے دوران اپنے ساتھی کے حق کا خیال رکھے اور اپنے حصے میں بھی اس کا حصہ رکھے۔ خود تکلیف اٹھالے مگر اپنے ساتھی کو تکلیف نہ پہنچنے دے۔ صاحب ایثار لوگوں کی تعریف فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ[۱]

ترجمہ: اور وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود ضرورت مند ہوں۔

ایثار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایثار کرنے کا حکم دیا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ[۲]

ترجمہ: آپ درگزر کا راستہ اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کر لیا کریں۔

ایثار کی دو قسمیں ہیں

۱ ایک صحبت میں جس کا ذکر ہو چکا۔

۲ دوسرا محبت میں۔

---

[۱] الحشر — ۹

[۲] الاعراف — ۱۹۹

اول الذکر ایثار میں تو یک گونہ رنج و تعب بھی ہے لیکن ثانی الذکر ایثار میں تو راحت ہی راحت ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین و خلفاء میں سے حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو ایثار کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے بلکہ انہوں نے تو ایثار کو طریقت کی اصل قرار دیا ہے۔

حضرت ابو جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلوت خانہ میں مصروف مناجات تھے کہ میں وہاں پہنچ گیا میں نے سوچا کہ دیکھوں وہ مناجات میں کیا فرما رہے ہیں میں نے کان لگا کر سنا تو وہ کہہ رہے تھے۔

الٰہی تو اہل دوزخ کو عذاب دے گا حالانکہ سب اہل دوزخ تیرے علم اور قدرت و ارادہ ہی سے پیدا ہوتے ہیں لٰہذا اگر تو دوزخ کو بھرنا ہی چاہتا ہے تو تو اس پر بھی قادر ہے کہ صرف میرے وجود سے دوزخ کے تمام طبقوں کو بھر دے اور باقی تمام لوگوں کو جنت میں داخل فرما دے"۔

راوی کا بیان ہے کہ میں تو اس مناجات اور دُعا کو سُن کر حیران رہ گیا۔ رات میں مَیں سویا تو خواب میں کسی نے مجھ سے کہا کہ " ابوالحسن کو جا کر کہہ دے کہ میرے بندوں پر جس شفقت کا تو نے اظہار کیا ہے اس کی بدولت میں نے تجھے بخش دیا۔

لٰہذا طریق نوریہ کا اصول یہی " ایثار" قرار پایا۔

تاہم یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ایثار و اختیار کی یہ کیفیت روئیت تفرقہ کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ عین جمع میں ترک نصیب خود اصل نصیب ہوا کرتا ہے۔

Marfat.com

بارہویں فصل

حقیقت نفس و ہوا

نفس کے لغوی معنی کسی شے کے وجود کے ہیں۔ یا حقیقت و ذوات کے معنی میں مستعمل ہے۔ ویسے عرف عام میں یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ ایک گروہ نفس کو روح کے معنیٰ میں استعمال کرتا ہے۔

۲۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ لفظ مروت کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔

۳۔ ایک گروہ جسم و جسد کے معنیٰ میں لیتا ہے۔

۴۔ ایک گروہ خون کے معنیٰ میں استعمال کرتا ہے۔

لیکن محققین صوفیہ ان میں سے کسی معنیٰ سے متفق نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک نفس نام ہے منبع شر اور قائد سوء کا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نفس ایک ایسی شے ہے جو دل میں رکھی گئی ہے بعض کے نزدیک وہ روح کی طرح وجود انسانی کے ساتھ لازم ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ نفس ایک ایسی صفت کا نام ہے جو حیات کی طرح انسان کے قالب میں جاری ہے۔ تاہم تمام صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ نفس ہی کے ذریعہ اخلاق رذیلہ اور افعال خبیثہ جنم لیتے ہیں اور یہ ان تمام افعال قبیحہ اور ان کے ارادوں کا سبب اولین ہے۔ افعال رذیلہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو معاصی اور دوسرے اخلاق رذیلہ مثلاً حسد۔ تکبر۔ غصہ اور بخل وغیرہ۔

صوفی ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ یا معاصی سے اجتناب کے ذریعہ ان خبیث اوصاف کو اپنے آپ سے دفع کرتا ہے۔ مثلاً توبہ کے ذریعہ یا معاصی سے اجتناب کے ذریعہ۔ ظاہری افعال میں معاصی کو ریاضت کے ذریعہ دفع

Marfat.com

۴ چوتھا وہ گروہ ہے جو اصطفاء پر راضی ہے یہ درجہ محبت ہے۔
جو گروہ معطی کی عطا کو دیکھ کر اسے بجان و دل قبول کر رہا ہے اس کے دل سے کلفت دور ہو جاتی ہے۔ جو عطا پر نگاہ رکھتا ہے پھر اس کا ذہن معطی کی طرف منتقل ہوتا ہے وہ بھی مقام رضا تک پہنچے گا مگر بتکلف جو اللہ تعالیٰ سے دنیا پر راضی ہو جاتا ہے وہ ہلاکت کی وادی میں ہے اور بد نصیب ہے کیونکہ نعمت اسی وقت تک نعمت ہے جب تک وہ راہ منعم کی طرف رہنمائی کرے اگر نعمت منعم سے حجاب بن جائے تو وہ نعمت نہیں نقمت ہے۔ جو گروہ بلا میں بلا نازل کرنے والے کو دیکھتا ہے وہ گویا عین مشقت میں جمال یار کے مشاہدے کی مسرتوں سے ہم کنار ہے۔ اور جو لوگ اصطفاء حق سے راضی ہیں یہ ہر حالت میں راضی بہ رضا ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حجرۂ محبت میں مقیم ہیں۔ بظاہر فرشی لیکن درحقیقت عرشی ہیں انہی کے لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيَاةً وَّلَا نُشُوْرًا[1]

ترجمہ: وہ اپنے لیے نفع اور نقصان یا موت وحیات ونشور کے مالک نہیں ہوتے۔ کیونکہ تمنا اور خواہش کی دنیا سے یہ لوگ باہر ہو چکے ہوتے ہیں ان کا اپنا آپ فانی ہو چکا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی قضا پر راضی نہیں ہے اس کا دل اسباب

---

[1] الفرقان: ۳

دنیا میں مشغول اور اس کا دل اس کی طلب میں غمگین ہے،،

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ’’میری اس عمل کی طرف رہنمائی فرما جس سے تو راضی ہو جائے جواب ملا کہ ’’میری قضا پر راضی ہو جا‘‘ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہے ورنہ وہ رضا بالقضا کی توفیق ہی عطا نہ فرماتا:

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ زہد کا درجہ بڑا ہے یا رضا کا۔ تو حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ رضا کا اس لیے کہ زہد میں اعلیٰ درجے پر پہنچنے کی تمنا ہوتی ہے جبکہ رضا میں کوئی تمنا نہیں ہوتی۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صحیح ہے کہ رضا ایک حال ہے مقام نہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے:

اللّٰھم انی اسئلك الرضا بعد القضاء۔

ترجمہ: اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تیری قضا کے نافذ ہونے کے بعد جو حال میرے اوپر وارد ہو اس پر راضی ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قضا کے وارد ہونے سے پہلے رضا درست نہیں

رضا کے سلسلے میں صاحبِ مسلک حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الرضا سکون القلب تحت مجاری الاحکام۔

ترجمہ: رضا نزول حکم کے وقت قلب کے سکون کا نام ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ان کے مسلک کی صحت ثابت ہوتی ہے ساتھ ہی یہ بات

بھی واضح ہوئی کہ قلب کی طمانیت کا حصول بھی بندہ کے کسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ بھی عطائے ربانی ہے۔

؎ یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

نویں فصل

مقام و حال

حال و مقام یہ دو لفظ صوفیہ کے درمیان بہت رائج ہیں اور محققین صوفیہ یہ دونوں لفظ بول کر اہم معانی مراد لیتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات کی روشنی میں ان دونوں الفاظ کی حقیقت و حیثیت پر گفتگو کر دی جائے۔

مقام مقام (میم کے پیش کے ساتھ) اقامت کو کہتے ہیں اور مقام (میم کے زبر کے ساتھ) اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں قیام کیا جائے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں "مقام" راہ خدا میں اس درجہ کو کہتے ہیں جہاں پہنچ کر صوفی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کرتا اور ان کی ادائیگی کو لازم گردانتا ہے تاکہ جس قدر ہو سکے ذات الٰہی کا ادراک کرے اور جب تک اللہ تعالیٰ اس مقام سے آگے نہ بڑھا اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

مقامات کی ابتدا توبہ سے ہوتی ہے۔ پھر انابت یعنی رجوع الی اللہ پھر زہد، پھر توکل، اس طرح اسے درجات ملتے چلے جاتے ہیں اور وہ آگے بڑھتا جاتا ہے تاہم اسے ترتیب ملحوظ رکھنی ہوگی اس لیے جب تک توبہ کے مقام کی تکمیل نہ ہو جائے صوفی کے لیے روا نہیں کہ وہ انابت کا دعویٰ کرے اور جب تک مدارج

Marfat.com

انابت طے نہ ہوں زہد کا اور بے زہد توکل کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حال: اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بندہ اگر چاہے تو اپنی کوشش اور کسب سے اس کیفیت کو پیدا نہیں کر سکتا۔

حال اور مقام میں فرق:

(الف) مقام میں بندہ کے مجاہدے اور اس کے کسب کو دخل ہے جب کوئی مقام حاصل ہو جائے تو پھر مجاہدے کے ذریعہ اس کو باقی رکھنے اور اس سے بلند مقام کی طرف سفر کرنے کے لیے بندے کو جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ اسکے برخلاف حال خالص فضل الٰہی اور موہبت ربانی ہے جسے جب چاہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر طاری کر دے اگر وہ حال دور ہو جائے اور بندہ اپنی کوشش سے اسے دوبارہ اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کرے تو نہیں کر سکتا۔

(ب) مقام کا تعلق اعمال سے ہے اور حال کا لطف الٰہی سے۔

(ج) صاحب مقام اپنے مجاہدے کے ساتھ قائم رہتا ہے جبکہ صاحب حال از خود فانی ہو کر اپنے حال کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں مشائخ صوفیہ کا اختلاف ہے کہ مقام دائمی ہے یا حال حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ حال کو دواماً مانتے ہیں ان کا خیال ہے کہ محبت وشوق یا قبض وبسط اگر دواماً نہ ہوں تو نہ محب محب رہے گا نہ مشتاق مشتاق۔ لہذا ضروری ہے کہ بندے کا حال اس کے ساتھ قائم ہو جائے اس وقت اس پر اسم محب یا اسم مشتاق صادق آ سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس کے بالکل برعکس ہے

Marfat.com

آپ فرماتے ہیں: الاحوال کالبروق فان بقیت فحدیث النفس
ترجمہ: احوال بجلیوں کے کوندنے کے مثل ہیں کہ (آئے اور گزر گئے) اگر حال ٹھہر جائے تو وہ حال نہیں بلکہ حدیث النفس (ہوس طبع) ہے۔

صوفیہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ "الاحوال کاسمھا یعنی انہا کما تحل بالقلب تزول۔ " (احوال اپنے نام کی طرح ہیں کہ جس تیزی سے دل میں حلول کرتے ہیں اسی طرح زائل بھی ہو جاتے ہیں) البتہ اگر اس کا کوئی حصہ یا کیفیت باقی رہ جائے تو وہ (حدیث النفس نہیں ہے) بلکہ صفت بن جاتی ہے۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ صفت کسی نہ کسی موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور یہ ضروری ہے کہ موصوف صفت سے کامل تر ہو اور یہ محال ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جان لو! کہ رضا تمام مقامات کی انتہا ہے اور احوال کی ابتداء رضا ایسی چیز ہے کہ اس کا ایک سرا کسب واجتہاد سے متعلق ہے اور دوسرا محبت حق اور جوش سے۔ چونکہ رضا سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے اس لئے اس پر پہنچ کر مجاہدات ختم ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ ابتداء کسب سے ہوئی اور انتہاء اللہ تعالیٰ کی عطا اور موہبت پر۔ یہاں یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ جس نے ابتداء میں رضا کو اپنے ساتھ دیکھا اس نے کہدیا کہ رضا ایک مقام ہے اور جس نے انتہا میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھا اُسنے کہدیا کہ رضا مقام نہیں حال ہے۔ یہی اصول تصوف میں محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا حکم اور تجزیہ ہے۔ البتہ معاملات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ حضرت محاسبی اور ان کے خلفاء نے

Marfat.com

مریدوں کو ایسے تمام اشغال و عبادات سے روک دیا جن میں خطا کا امکان تھا۔"

چنانچہ ایک دن حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید ابو حمزہ بغدادی اپنے شیخ سے ملنے آئے۔ شیخ نے ایک شاہ مرغ پال رکھا تھا عین اسی وقت مرغ نے بانگ دیدی۔ بغدادی نے جوش میں نعرہ لگا دیا۔ حضرت محاسبی چھری لے کر اٹھے اور بغدادی سے فرمایا کہ "تو کافر ہوگیا" اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مریدوں نے شیخ محاسبی کو سمجھا بجھا کر قتل کرنے سے باز رکھا۔ تو انہوں نے بغدادی سے فرمایا "اے مردود تجدید ایمان کر" مریدوں نے عرض کیا حضور! ہم انہیں خواص اولیاء میں سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ یہ موحد ہیں آپ کو یہ کیسے خیال ہوگیا کہ ابو حمزہ بغدادی کافر ہوگئے؟ شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں بھی اس کے باطن کو موجۂ توحید میں غرق پاتا ہوں لیکن اس وقت اس نے جو حرکت کی ہے یہ حلولیوں کی حرکت ہے (جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حلول کر جاتا ہے) مرغ ایک بے عقل جانور ہے۔ اپنی خواہش سے بانگ دیتا ہے۔ یہ بات کہاں سے آگئی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پا کر وہ بانگ دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ناقابل تقسیم ہے۔ حلول۔ اتحاد۔ امتزاج۔ ان تمام چیزوں سے وہ پاک ہے۔ غرضیکہ حضرت ابو حمزہ بغدادی نے شیخ کے حضور توبہ کی۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ بہت پسندیدہ اور محفوظ طریقہ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ تہمت کی جگہ نہ ٹھہرے۔ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے بھی ایسا ہی معاملۂ باطنی عطا فرمائے۔

جو آج کل کے رسم پرست مکار پیروں کے مشابہ نہ ہو جن کا حال یہ ہے کہ اگر ان کی ریاکاریوں ہیں ان کے ساتھ موافقت نہ کی جائے تو یہ سخت دشمن ہو جاتے ہیں ہم جہل اور گمراہی سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

دسویں فصل

سکر اور صحو

سکر غلبۂ شوق اور غلبۂ محبت کو کہتے ہیں۔ اور صحو ارباب معنی کے نزدیک حصول مراد سے عبارت ہے۔ صوفیہ کرام کی ایک جماعت سکر کو صحو پر ترجیح دیتی ہے۔ وہ حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا گروہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صحو کا تقاضا ہے کہ تمکین و اعتدال رہے اور آگے چل کر یہی صحو حجاب اکبر بن جاتا ہے سکر بشریت کے تمام نقائص، تدابیر دنیوی، اختیارات انسانی اور مساعی کی عرق ریزیوں کو دور کر دیتا ہے اور انسان کے حالت سکر میں تمام اختیارات اختیار ربانی کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں۔ وہ معانی جو اس کے وجود میں بالقوہ موجود ہوتے ہیں کمال کے درجہ پر پہنچ کر ظاہر ہوتے ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حالت صحو میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے جالوت کے قتل کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی اور فرمایا:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ [1]

ترجمہ (قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو)

---

[1] البقرۃ: ۲۵۱

Marfat.com

اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت سکر میں تھے مشت خاک کے پھینکنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی اور فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

(اور جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا) معلوم ہوا کہ جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ ثابت تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ" اس نے فلاں کام کیا" اور جو بندۂ مکرم اپنے رب کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ فانی تھا اس سے فرمایا کہ" فلاں کام میں نے کیا" پس ثابت ہوا کہ فعل بندہ کی اضافت ذات باری کی طرف کرنا لازماً فعل بندہ کی اضافت بندے کی طرف کرنے سے بدرجہا افضل ہے۔ تو جب فعل حق مضاف بندے کی طرف ہو تو بندہ خود بخود قائم ہوتا ہے اور جب فعل حق مضاف بحق ہو تو بندہ قائم بحق ہوتا ہے۔

وہ لوگ جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ماننے والے ہیں۔ یہ مشائخ فرماتے ہیں کہ

"سکر محل آفت ہے۔ اس لیے کہ سکر بذات خود تشویش احوال وصحت اور اپنے سررشتہ کو خود گم کردینا ہے۔ طلب کا اصول چاہے از روئے فنا ہو یا از روئے بقا از روئے محو ہو یا از روئے اثبات یہ ہے کہ طالب صحیح الحال ہو ورنہ تحقیق سے کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوگا اصول ہے کہ اہل حق کا دل تمام موجودات سے خالی ہونا چاہیئے یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ سالک کا دل قید موجودات سے رستگاری حاصل کرے۔ اور قید موجودات سے رستگاری اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اشیاء کو اس انداز میں نہ دیکھا جائے جیسی کہ وہ ہیں۔

Marfat.com

کیاجاتا ہے اور باطنی اوصاف رذیلہ کو توبہ کے ذریعہ۔ نفس اور روح دونوں لطیفہ ہیں جو انسان کے قالب میں موجود ہیں جیسے کہ دنیا میں شیاطین کے ساتھ ملائکہ ہیں اور آخرت میں بہشت کے ساتھ دوزخ ہے۔ ایک محل خیر ہے اور دوسرا محل شر۔ یہ دونوں لطائف (نفس و روح) انسانی وجود میں اسی طرح قائم ہیں جس طرح کان محل سمع ہے اور آنکھیں محل نظر۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے اوصاف ہیں جو انسانی وجود میں ودیعت کئے گئے ہیں۔

نفس کی مخالفت

تمام عبادتوں کا راز اور مجاہدے کا کمال نفس کی مخالفت میں ہے۔ جب تک انسان نفس کی مخالفت نہ کرے اسے وصول الی اللہ میسر نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ نفس کی موافقت میں ہلاکت اور اس کی مخالفت میں نجات ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے نفس کی مخالفت کرنے کا حکم دیا اور اس کی مخالفت کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى [1]

ترجمہ: اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے (روز حشر) کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ [2]

---

[1] النازعات: ۴۰، ۴۱

[2] البقرۃ: ۸۷

ترجمہ: کیا یہ نہیں ہے کہ جب بھی تمہارے پاس رسول ایسی چیزیں لے کر آیا جو تمہیں پسند نہیں تو تم نے غرور کیا اور سرکشی کی۔

اس آیت میں بھی بتلایا گیا کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعلیمات کی نفس نے ہمیشہ مخالفت کی اور اس کے مقابلے میں تمرد و سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔

حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی قرآن کریم نے خبر دی کہ نفس برائیوں اور گناہوں کا حکم دینے والا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ[1]

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں قرار دیتا بیشک نفس برائی کا بہت بڑا حکم دینے والا ہے۔ مگر وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا اراد اللّٰه بعبدٍ خيرا بصره بعيوب نفسه۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے عیوب کی دید عطا فرما دیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

یا داؤد عاد نفسك فان ودی فی عداوتها۔

ترجمہ: (اے داؤد! آپ اپنے نفس سے دشمنی کیجئے کیونکہ میری محبت نفس کی عداوت میں مضمر ہے۔)

یہ سب تو نفس کے اوصاف ہوئے لیکن ہر صفت کے لیے کسی موصوف کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ صفت اس موصوف کے ساتھ قائم ہو تو صفت نفس قالب انسانی کے ساتھ قائم ہے انسان میں انانیت کا جو جز پایا جاتا ہے یہی اس کا

---

[1] یوسف: ۵۳

نفس ہے۔

تیرھویں فصل

حقیقتِ انسان

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ "لفظ انسان" کا اطلاق کس پر ہو سکتا ہے۔ اور انسان کہلانے کا کون سزاوار ہے۔ اس کی معرفت ہر طالب حق پر لازم ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ اپنے غیر سے بدرجہ اولیٰ ناواقف ہو گا۔ اور بندہ معرفت حق کے ساتھ مکلف ہے۔ ظاہر ہے کہ معرفت حق اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک معرفت نفس حاصل نہ ہو۔ معرفت نفس کے بعد بندہ جان سکتا ہے کہ وہ خود معرض فنا میں ہے اور ذات باری معرض بقا میں۔ وہ سراپا احتیاج ہے اور ذات حق سراپا غنی۔ اور اس پر نص قطعی وارد ہے کہ کفار اپنے نفس کے بارے میں جاہل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ [له]

ترجمہ: اور اس شخص کے سوا ملت براہمی سے اعراض کرنے والا کون ہے جو اپنے نفس سے جاہل ہے۔

اسی لیے مشائخ نے فرمایا ہے: من جھل نفسہ فھو بالغیر اجھل۔ جو اپنے نفس کو نہیں جانتا دوسروں سے تو زیادہ جاہل ہو گا۔ یعنی جو خود کو نہیں پہچانتا بھلا دوسروں کو کیا پہچان سکتا ہے۔ اور حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث میں ہے۔

له البقرۃ: ۱۳۰

Marfat.com

من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ۔[1]

اس قول کی بہت سی تشریحات ہیں

ای من عرف نفسہٗ بالفناء فقد عرف ربہٗ بالبقاء۔

جس نے اپنے نفس کی معرفت فنا کے حوالے سے حاصل کر لی اس نے اپنے رب کی معرفت بقا کے حوالے سے حاصل کر لی۔

ویقال من عرف نفسہٗ بالذل فقد عرف ربہٗ بالعز۔

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کی ذلت کو جان لیا اس نے اپنے رب کی عزت کو پہچان لیا

ویقال من عرف نفسہٗ بالعبودیۃ فقد عرف ربہٗ بالربوبیۃ۔

ترجمہ جس نے اپنے نفس کو عبودیت کے حوالے سے پہچان لیا اس نے اپنے رب کو ربوبیت کے حوالے سے پہچان لیا۔

ان تمام تشریحات سے مقصود انسان کی حقیقت کو پہچاننا ہے۔ حقیقت انسان کے بارے میں محققین کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں

ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان کی حقیقت سوائے روح کے کچھ نہیں انسانی جسم تو صرف اس روح کی قیام گاہ ہے تاکہ وہ جسم میں رہ کر طبائع کے خلل سے محفوظ رہے۔ حس و عقل روح کی صفات ہیں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال باطل ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان صرف روح کا نام ہوتا تو روح نکل جانے کے بعد جسد انسانی پر لفظ انسان کا اطلاق درست نہ ہوتا حالانکہ ہم مردہ جسم کو بھی "مردہ انسان" کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ

---

[1] یہ کسی عارف کا قول ہے مگر صوفیہ کے درمیان بطور حدیث کے مشہور ہوگیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تو نہیں اثر ضرور ہے۔

Marfat.com

کہ یہ روح تو گھوڑے میں بھی ہوتی ہے لیکن محض روح ہونے کی بنا پر ہم گھوڑے کو انسان نہیں کہتے۔

۲ ایک جماعت کہتی ہے کہ لفظ انسان کا اطلاق انسان کی روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے اور اگر یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو یہ اطلاق ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً گھوڑے پر اگر دو رنگ جمع ہو جائیں یعنی وہ سپید اور سیاہ ہو تو اسے ابلق کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو اور گھوڑا صرف سفید ہو تو اسے سفید اور سیاہ ہو تو اسے سیاہ کہیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ازروئے قرآن انسان کی یہ تعریف بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـٴًـا مَّذْكُوْرًا[1]

ترجمہ: کیا انسان پر ایک ایسا دور نہیں گزرا ہے جب کہ اس کا وجود قابل ذکر ہی نہیں تھا (یعنی وہ دور جبکہ اس کے وجود خاکی میں روح نہیں تھی) اس آیت کریمہ میں بے جان مٹی پر لفظ انسان کا اطلاق کیا گیا ہے جبکہ نہ اس کا قالب تھا نہ روح۔

۳۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان جزء لا یتجزیٰ ہے اور اس کا مقام دل ہے لیکن یہ قول بھی درست نہیں کیونکہ اگر انسان کو مار ڈالیں اور اس کے سینے سے دل کو نکال لیں، تب بھی لفظ انسان کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔

۴۔ صوفیہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان کی حقیقت اسرار الٰہیہ میں سے ہے انسان درحقیقت نہ تو کھانے پینے والا ہے اور نہ اس کی حقیقت (جو اسرار الٰہیہ میں سے ایک سر ہے) تغیر و تبدل کو قبول

[1] الدھر: ۱

کرتی ہے۔ یہ جسم دراصل حقیقت انسانیہ کا ایک لباس ہے اور اس میں امتزاج طبع اور اتحاد روح وجسد پایا جاتا ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قول بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ جملہ عقلائے زمانہ

اس امر پر متفق ہیں کہ پاگل۔ فاسق اور کافر بھی انسان ہیں۔ حالانکہ ان کے وجود میں اسرار الٰہیہ میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔

۵۔ اہلِ سنّت والجماعت کہتے ہیں کہ انسان حی ہے اور اس کے اندر اتنی صفات محمودہ ہیں کہ موت بھی ان صفات کی موجودگی کے باعث اسم انسان کا اطلاق اس پر سے نہیں اٹھا سکتی۔

الغرض باتفاق عقلاء انسان جس قدر صحت کی طرف مائل ہوگا اسی قدر کامل ہوگا۔ (تاہم صحت سے مراد صرف صحت جسمانی نہیں بلکہ صحت روحانی و باطنی کا ہونا بھی ضروری ہے) اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان جملہ مخلوقات میں کامل ترین مخلوق ہے۔ اور اس کی ترکیب تین چیزوں سے ہوئی ہے: (۱) ایک روح (۲) دوسرے نفس (۳) اور تیسرے جسم اور ان تینوں اعیان کے ساتھ ایک صفت ہے جو اپنے عین کیساتھ قائم ہے چنانچہ روح کے ساتھ عقل، نفس کے ساتھ ہوا اور جسم کے ساتھ حس قائم ہیں۔

انسان فی نفسہٖ نمونۂ عالم ہے اور عالم دو جہان کا نام ہے۔ اور دونوں جہان کے آثار و علائم انسانی وجود میں پائے جاتے ہیں۔ اس مادی جہان کے آثار تو پانی، آگ، مٹی اور ہوا کی صورت میں اور ان کی ترکیب خون، بلغم، سودا اور صفرا سے ہے۔

اور اُس جہان کے آثار بہشت، دوزخ اور عرصات محشر

Marfat.com

ہیں [1] اس لحاظ سے روح بمنزلہ بہشت کے ہے لطائف کے اعتبار سے نفس بمنزلہ دوزخ کے ہے اپنی آفات و وحشت کے اعتبار سے۔ اور جسد انسانی بمنزلہ عرصۂ محشر کے ہے اور اس عرصۂ محشر (جسم انسانی) میں ظہور جمال بھی دو صورتوں میں ہوگا یا بصورت انس یا بصورت قہر۔ پس بہشت رضائے دوست ہے اور دوزخ علامت قہر۔ اسی طرح مومن کی روح اپنی روح سے معرفت حاصل کرتی ہے اور اپنے نفس سے حجاب و ضلالت۔ جب تک دنیوی زندگی میں مومن اپنے وجود میں پوشیدہ دوزخ سے خلاصی نہیں حاصل کرے گا نہ بہشت میں داخل ہوسکتا ہے نہ اسے حقیقت دیدار الٰہی و حقیقت محبت حاصل ہوسکتی ہے اسی طرح بندہ دنیا میں جب تک اپنے نفس کی گرفت سے آزاد نہیں ہوتا تحقیق ارادت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور جب تک تحقیق ارادت نہ ہو قرب خداوندی اور معرفت ذات اسے میسر نہیں آسکتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو دنیا میں معرفت حاصل کرے گا وہ لازماً غیر اللہ سے اعراض کرے گا، جادۂ شریعت پر قائم ہوگا اور قیامت کے دن اسے پل صراط پر سے گزرنا ہوگا نہ جہنم دیکھنا ہوگا۔

مومن کی روح چونکہ نمونۂ بہشت ہے اس لیے کل قیامت کے دن بہشت اسے اپنی طرف بلائے گی اور نفس چونکہ نمونۂ دوزخ ہے اس لیے

---

[1] اُس جہان کے آثار میں وہ پانچ لطائف بھی ہیں جن کا تعلق عالم امر سے ہے۔ روح۔ نفس۔ سر۔ خفی۔ اخفیٰ ان لطائف کا تعلق عالم مادیات سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے۔ اس طرح انسان دونوں جہانوں کے حقائق کا جامع ہے۔

Marfat.com

جس نے بھی دینوی زندگی میں اس سے رستگاری حاصل نہ کی ہو گی قیامت کے دن جہنم اسے بلائے گا۔ مومن کا قائد و مدبر عقل ہے اور فاسق کا قائد ہوا و ہوس ہے۔

لہٰذا طالب حق کے لیئے ضروری ہے کہ مسلسل و متواتر نفس کی مخالفت میں لگا رہے اور اس طرح اپنی روح و عقل کی مدد کرے اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہیں۔

چودھویں فصل

مجاہدۂ نفس

گذشتہ اوراق میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ تمام رذائل اور عادات خبثیہ کا مرکز و منبع نفس ہے لہٰذا بغیر اس کو شکست دیئے وصول الی اللہ ممکن نہیں۔ نفس کو شکست دینے کے لیے ضروری ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ اسے مطیع و فرماں بردار بنایا جائے۔ حضرات صوفیہ اس کے لیے مجاہدہ کو ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ جو شخص ہماری راہ میں مجاہدہ کرے گا ہم ضرور بالضرور اسے اپنی راہ دکھائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [1]

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے ہمارے معاملے میں مجاہدہ کیا ہم ضرور بالضرور انہیں اپنی راہ دکھائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] العنکبوت: ۶۹

المجاهد من جاهد نفسهٗ فی اللہ۔

مجاہد وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کرے ایک حدیث میں ہے

رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر قیل یا رسول اللہ وما الجهاد الاکبر قال مجاهدة النفس۔

ترجمہ: آپ نے ایک غزوے سے واپسی پر فرمایا "ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں صحابہؓ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ: جہاد اکبر کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "وہ مجاہدۂ نفس ہے"

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بالنفس کو غزوات پر فضیلت دی اس لیے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنے میں زیادہ جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کی خواہشات پر قہر کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام وخواص صوفیہ مجاہدے کو لازم جانتے ہیں حضرت سہل بن عبداللہ تستری تو مجاہدے کو اصل اصول تصوف قرار دیتے ہیں انہوں نے مشاہدے کے لیئے مجاہدہ کو علت قرار دیا تھا۔ ان کے نزدیک قرب الہی بغیر مجاہدہ حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ مجاہدہ تہذیب نفس کے لیے ضروری ہے نہ کہ حقیقت قرب کو حاصل کرنے کے لئے۔ کیونکہ مجاہدے کا تعلق بندے سے ہے اور مشاہدے کا خاص فضل الہی سے۔

مگر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ واقعتہً علت مشاہدہ ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو شریعت نزول کتب سماویہ اور بندوں پر احکام نازل کر کے ان پر عمل کو واجب قرار دینا یہ تمام چیزیں باطل ہو جائیں گی دوسری بات یہ ہے کہ دین اور احوال آخرت کے تمام احکام کسی نہ کسی علت کے ماتحت ہیں تو اگر علت کی نفی کر دی جائے تو تمام احکام اٹھ جائیں گے۔ پھر یہ دنیا عالم

Marfat.com

اسباب ہے۔ جب ہم بھوکے ہوتے ہیں تو کھانا کھاتے ہیں پیاس کو دفع کرنے کے لیے پانی پیتے ہیں تو مشاہدے کے لیے مجاہدے کو علت قرار دینے میں کیا مضائقہ ہے؟ افعال میں اسباب دیکھنا توحید ہے اور اسباب کو ساقط قرار دے دینا تعطیل ہے۔

اگر دیکھا جائے تو عادت بھی یہی ہے۔ سرکش گھوڑے کی تربیت کی جائے تو وہ آدمی کی طرح حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ وحشی پرندے کی تربیت کی جاتی ہے تو چھوڑ دینے کے بعد جب بلاؤ وہ واپس آجاتا ہے۔ شکاری کتے کی تربیت ہو جاتی ہے تو وہ اپنا مارا ہوا شکار مالک کے قدموں پر لاکر ڈال دیتا ہے۔ اور اس کا مارا ہوا شکار حلال ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ شرع اور رسم کا مدار بھی مجاہدے اور ریاضت پر ہے۔

مزید یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود وصول الی اللہ اور قرب کے اور باوجود عصمت اور مواخذۂ آخرت سے بری ہونے کے اس قدر عبادت و ریاضت فرماتے تھے کہ آیت نازل ہوئی:

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى [1]

ترجمہ: طٰہٰ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

پس ثابت ہوا کہ بغیر مجاہدہ کے کوئی عمل درست نہیں اور جو اس کے بغیر دعوٰی کرے وہ غلط کہتا ہے۔

دوسری جماعت جو مجاہدہ کو وصول الی اللہ اور قرب کا ذریعہ نہیں مانتی وہ آیت کریمہ والذین جاھدوا فینا الخ کی تفسیر اس طرح کرتی ہے کہ

---

[1] طٰہٰ: ۱، ۲

وَالَّذِیْنَ هَدَیْنَا لَهُمْ جَاهَدُوْا فِیْنَا کہ جن کو ہم ہدایت دیتے ہیں وہی ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لن ینج احد کم بعملہ (تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے ذریعے نجات نہیں حاصل کر سکتا) عرض کیا گیا لا انت یا رسول اللہ؟ اور آپ بھی نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک) آپ نے ارشاد فرمایا:

ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ اور میں بھی اپنے عمل سے نجات نہیں پا سکتا الآیہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے معلوم ہوا کہ مجاہدہ عمل ہے اور یہ محال ہے کہ بندے کا عمل اس کی نجات کا سبب بن سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو (قبول حق کے معاملے میں) تنگ کر دیتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے کے مقابلے میں انسان کے ارادے اور مجاہدے کی نفی فرمائی۔ اگر مجاہدہ ہی ذریعہ قرب ہوتا تو شیطان سے بڑھ کر کس نے مجاہدہ کیا تھا لیکن وہ مردود بارگاہ قرار پایا اور اگر ترک مجاہدہ رد ہونے کی علت ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام دوبارہ درجۂ اصطفاء پر فائز نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ مقام سبقت عنایت الٰہی پر مبنی ہے نہ کہ مجاہدہ و ریاضت پر یہ بھی نہیں ہے کہ جو زیادہ مجاہدہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے مامون ہو جائے بلکہ جس پر فضل الٰہی

---

[1] الانعام: ۱۲۵

Marfat.com

زیادہ ہوتا ہے وہی مقرب بارگاہ خداوندی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی خانقاہ نشین مصروف عبادت درویش اللہ تعالیٰ سے دور ہو اور کوئی مصروف معصیت خراباتی اس کا مقرب ہو۔ لہٰذا سب سے بہتر بات یہ ہے کہ جس کا ایمان قوی ہے وہی مقرب ہے۔

محاکمہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

یہ جو اختلاف ہے وہ معنی اور مفہوم کا اختلاف ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ من طلب وجد (جس نے طلب کیا وہ پا گیا) اور دوسری جماعت کہتی مَنْ وَجَدَ طَلَبَ جس نے پایا اسی نے طلب کیا تو کہیں طلب کرنا پانے کا سبب ہے اور کہیں پا لینا طلب کا سبب ہے۔ ایک مجاہدہ کرتا ہے تاکہ اسے مشاہدہ ہو اور دوسرا مشاہدے کے بعد مجاہدے کی طرف آتا ہے۔ ان سب باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدے میں مشاہدہ عبادت میں توفیق کی حیثیت رکھتا ہے اور توفیق عطائے الٰہی ہے۔

پس جب حصول طاعت بغیر توفیق الٰہی کے محال ہے تو توفیق بھی بغیر طاعت محال ہو گی اور جب بغیر مشاہدہ مجاہدہ نہیں تو بے مجاہدہ مشاہدہ بھی محال ہو گا۔ پس جمال خداوندی کی ایک تجلی ضروری ہے تاکہ بندے کو مجاہدے کی راہ پر لگا دے اور چونکہ مشاہدے کے وجود کی علت وہ تجلی ہو گی اس لیے لازماً ہدایت کو مجاہدے پر سبقت حاصل ہو گی۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کی یہ حجت کہ جو مجاہدے کو مشاہدے کا سبب نہیں مانتا وہ انبیاء علیہم السلام کے ورود اور شرائع کا منکر ہے اس بنا پر ہے کہ یہ جماعت تکلیف کا مدار مجاہدہ پہ رکھتی ہے حالانکہ بہتر یہ تھا کہ یہ جماعت تکلیف کا مدار ہدایت حق پر رکھتی۔ کیونکہ مجاہدہ اثبات حجت کے لیے ہے نہ کہ حقیقت

Marfat.com

وصل کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ [1]

ترجمہ: اور اگر ہم فرشتوں کو ان پر نازل کر دیں اور مردے قبروں سے نکل کر ان سے کلام کرنے لگیں اور ان پر تمام چیزیں ظاہر ہو جائیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے لیکن ان کی اکثریت جاہل ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ [2]

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

معلوم ہوا کہ علت ایمان نہ رویت دلائل ہے نہ اقامت براہین بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری اور نزول کتاب یہ وصول الی اللہ کے اسباب ہیں علت نہیں ہیں۔ وصول کی علت عین وصول ہے نہ کہ طلب وصول کیونکہ جب طالب واجد ہوتا ہے تو طالب نہیں رہتا اس لیے کہ وہ آسودہ ہو چکا ہوتا ہے۔

---

[1] الانعام: ۱۱۱

[2] البقرۃ: ۶

Marfat.com

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ریاضت کے ذریعہ گھوڑے کو ہم دوسری صفت کی طرف موڑ لیتے ہیں اس کے لیے اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ گھوڑے میں فطرۃً ایک صفت اطاعت پہلے ہی سے موجود رہتی ہے ریاضت کے ذریعے صرف اسے جلا دی جاتی ہے۔ لیکن گدھے میں یہ صفت نہیں ہے اس لیے کوئی ریاضت اور تربیت اسے گھوڑا نہیں بنا سکتی۔

مختصر یہ کہ اہل طریقت کے نزدیک ریاضت اور مجاہدہ لازمی ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ رویت مجاہدہ نہ ہو کیونکہ یہ آفت ہے۔ اللہ کے محبوب بندوں کے افعال و اعمال افعال الٰہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا حضرت ہجویری فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کو اپنا فعل ہرگز نہ بناؤ ورنہ حجابات میں پھنس جائے گا اور حجاب تو خود انسان کا اپنا وجود ہے لہٰذا جب تک کامل فنا حاصل نہ ہو انسان بقا باللہ کے قابل نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

(تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔)

پندرہویں فصل

اثبات ولایت

حضرت ؒ نے فرمایا کہ

ولایت واؤ کے زیر کے ساتھ "تصرف و ملکیت" کے معنی میں آتا ہے اور واؤ کے زبر کے ساتھ امارت کے معنیٰ میں ولی کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ مرید ہوگا یا مراد۔ یعنی یا تو وہ خود اللہ کا طالب ہوگا (اس وقت اسے مرید کہیں گے) یا پھر اللہ تعالیٰ اس کا طالب ہوگا (اس وقت اسے مراد کہیں گے) اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین کا ناصر و مددگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا:

Marfat.com

اَلَا اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ - اچھی طرح سن لو اللہ تعالیٰ کی مدد بہت قریب ہے اور کافروں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَھُمۡ [1] ای لا ناصر لھم -

(یعنی کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے) اللہ تعالیٰ اگر کافروں کا معین و مددگار نہیں تو لازماً مومنوں کا مددگار ہوگا - اور بدرجہ اولیٰ اپنے دوستوں کا مددگار - اللہ تعالیٰ کے یہی دوست عوام کے درمیان میں "ولی" کے نام سے یاد کیئے جاتے ہیں اور کتاب و سنت سے ان کا وجود ثابت ہے ارشاد ربانی ہے

اَلَا اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ [2]

اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے نہ حزن - ایک مقام پر ارشاد ہے:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ [3]

ترجمہ: ہم ہیں تمہارے دوست دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں:

اور ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

من اذی لی ولیا فقد استحل محاربتی -

جس نے میرے کسی ولی کو ایذا دی اس نے میرے لیے جنگ جائز کر لی

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا ناصر و مددگار ہے اللہ تعالیٰ جنہیں اپنا ولی بناتا ہے ان کے ساتھ مخصوص قسم کی کرامتیں وابستہ کر دیتا ہے اور پھر انہیں طبعی آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے ان کی محبت وانس کا راستہ سوائے اس ذات واحد کے

---

[1] محمد: ۱۱

[2] یونس: ۶۲

[3] السجدۃ: ۳۱

Marfat.com

کسی کے ساتھ نہیں ہوتا اس طرح کے لوگ ہم سے قبل بھی موجود تھے ہمارے زمانے میں (حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں) بھی موجود ہیں۔

اس طرح کے اولیاء اللہ کی تعداد چار ہزار ہے۔ یہ لوگوں سے مخفی ہیں اور ایسے مخفی ہیں کہ ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے حتیٰ کہ بعض خود اپنے جمال سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ قیامت تک رہیں گے۔ یہ اولیاء اللہ زمین میں اللہ جل شانہ کی برہان ہیں ان چار ہزار اولیاء میں تین سو ارباب حل و عقد ہیں جنہیں تصوف کی اصطلاح میں "اخیار" کہا جاتا ہے۔

چالیس وہ ہستیاں ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔

سات وہ ہیں جنہیں ابرار کہا جاتا ہے۔

چار وہ ہیں جنہیں "اوتاد" کہا جاتا ہے۔

تین وہ ہیں جنہیں "نقیب" کہا جاتا ہے۔

ایک وہ ہے جسے "قطب" کہتے ہیں اسے "غوث" بھی کہتے ہیں مذکورہ بالا تمام ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور نظام معاملات و تصرف میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں ان باتوں پر احادیث ناطق ہیں اور ارباب صحت ان پر متفق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جو اولیاء ہوتے ہیں وہ اس کی حفاظت اور نگرانی میں ہوتے ہیں اور نفس و معصیت کی بہت سی آفات سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

معتزلہ البتہ تخصیص ولایت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام مسلمان اللہ کے ولی ہیں اس میں اولیاء اللہ کی کیا تخصیص ہے صرف شرط اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے۔

Marfat.com

ان کا تو یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسلمان کو بھی خلود فی النار ہو سکتا ہے۔ انبیاء ورسل اگر نہ بھی آتے اور آسمانی کتابیں اگر نازل نہ بھی ہوتیں تو بھی عقلاء مکلف باطاعت ہوتے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو ایسے عقیدے والے کو شیطان سمجھتا ہوں کیونکہ معتزلہ تو یہاں تک مانتے ہیں کہ "کرامت" مومن اور کافر دونوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ تمام عقائد باطل اور گمراہ کن ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایمان کا حکم عوام کے لیے عام ہے اور حکم کرامت خواص کے لیے خاص ہے اور تخصیص کی نفی کرنا مکابرہ ہے۔

بادشاہ کے دربار میں وزیر۔ امیر۔ سپہ سالار۔ منشی۔ دربان چوکیدار سب ہوتے ہیں نوکر ہونے میں سب ہی برابر ہیں مگر ہر ایک کا منصب اور مرتبہ جداگانہ ہے۔ اسی طرح اگرچہ بارگاہ الٰہی میں ایمان لانے کے اعتبار سے ہر مومن برابر ہے لیکن ان میں ایک مومن عاصی ہے۔ ایک اطاعت شعار۔ ایک عالم ہے ایک جاہل۔ ایک زاہد ہے ایک فاسق لہٰذا منصب اور مراتب کا انکار کرنا کل معانی کے انکار کے برابر ہے۔

ولی کی حقیقت

ولی کی حقیقت کے بیان میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں۔

حضرت ابو علی جرجانی فرماتے ہیں کہ

ولی وہ ہے جو اپنے حال سے فانی ہو اور حق کے مشاہدے کے ساتھ باقی ہو وہ اپنے حال سے غافل ہوتا ہے اور حق کے ساتھ قرار پکڑتا ہے"۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ولی حزن وخوف سے خالی ہوتا ہے ولی صاحب وقت ہوتا ہے

Marfat.com

آئندہ اس کے لیے ایسا کوئی وقت نہیں ہوتا جس سے کہ وہ ڈرئے

اس کی وجہ یہ ہے کہ خوف وحزن نفس کے نقیب ہیں اور ولی نفس کی گرفت سے پہلے ہی آزاد ہو چکا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا نفس فانی ہو گیا ہے اور اس کی صفت رضا بن جاتی ہے۔ اس کے بعد خوف وحزن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رضا حال کو مستقیم بناتی ہے۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"ولی مخلوق میں مشہور تو ہوتا ہے لیکن مخلوق کے ساتھ مشغول نہیں ہوتا"

اس کا مطلب یہ ہے کہ شہرت ولی کے لیے فتنہ نہیں بنتی کیونکہ فتنہ تو کذب میں ہوتا ہے اور ولی صادق ہوتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ولی کون ہوتا ہے فرمایا:

الولی ھو الصابر تحت الامر والنھی

ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر ونہی پر صبر کرے۔

ولی کی پہچان ولی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کا کوئی عمل شریعت اور ادب شریعت کے خلاف نہ ہو۔

ایک آدمی کی ولایت کا شہرہ سن کر حضرت بایزید بسطامیؒ بغرض ملاقات گئے اور اسے دیکھا کہ اس نے قبلہ کی طرف کلی کر دی۔ واپس چلے گئے اور کہا کہ ولی کو چاہیئے کہ احکام شریعت کا پابند ہو۔ رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا بایزید آج تم نے وہی کام کیا جس کی برکت سے تم اس درجے پر پہنچے ہو یعنی اتباع واحترام شریعت اسی طرح ایک شخص حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ سے ملنے آیا اور مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھ دیا آپ

Marfat.com

نے فرمایا واپس جاؤ اور پہلے دایاں قدم مسجد میں رکھ کر واپس آؤ۔ اس لیے کہ جو دوست کے گھر میں آنے کا قاعدہ نہیں جانتا وہ ہمارے کام کا نہیں ہے

ملاحدہ ملحدوں ملعونوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جب آدمی ولی ہو جاتا ہے تو اس پر سے شریعت کا بار اتر جاتا ہے۔ یہ صریح گمراہی ہے۔ صوفیہ کے درمیان ایسا کوئی بھی طبقہ اور مقام نہیں ہے جس پر سے بار شریعت یا بار خدمت اٹھ جائے۔

سولہویں فصل

اثبات کرامت

حضرت ہجویری نے فرمایا کہ

صحت حال اور صحت مجاہدہ کی صورت میں ولی سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے اس بات پر جملہ علمائے اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے عقل بھی اسے ممکن مانتی ہے کیونکہ درحقیقت ولی سے کرامت اس وقت صادر ہوتی ہے جبکہ وہ قوت الہیہ کا (وقتی طور پر) مظہر بنتا ہے۔

کرامت دراصل صداقت ولایت کی دلیل ہوتی ہے۔ کاذب سے اس کا صدور محال ہے۔ کرامت ایسے فعل کا نام ہے جو عادت و عقل کے خلاف اللہ تعالیٰ کے کسی بندے سے صادر ہو۔ کرامت صادر ہونے کے باوجود صوفی پر شریعت کے تمام احکام باقی رہتے ہیں۔

معجزہ اور کرامت میں فرق معجزہ بھی خلاف عقل و عادت ہوا کرتا ہے اور کرامت دراصل معجزہ کا ظل ہوتی ہے اور اسی سے مستفاد بالکل اسی طرح جس طرح کہ ولایت نبوت سے مستفاد ہوتی ہے۔ مگر معجزہ میں شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ دعوائے نبوت بھی ہو۔ اور معجزہ

نبی کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ ولی ہمیشہ نبی کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ معجزہ نبی کی نبوت کو ثابت کرتا ہے اور کرامت انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتی ہے۔ ولی کی کرامت انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی اہم ترین اساس ہے۔

معجزہ میں اظہار شرط ہے جبکہ کرامت میں کتمان کرامت شرط ہے کیونکہ معجزہ کا مقصود لوگوں کی اصلاح ہے جبکہ کرامت خاص صاحب کرامت کیلئے ہے

معجزہ کو صاحب معجزہ قطع بھی کر سکتا ہے اور یہ اس کا عین اعجاز ہے جبکہ اظہار کرامت کے بعد صاحب کرامت اسے قطع نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر وہ اپنی بددعا کے ذریعہ کسی پر عذاب نازل کرا دے تو پھر وہ اسے دفع نہیں کر سکتا۔

صاحب معجزہ شرع میں تصرف کر سکتا ہے یا اس کے اوامر ونواہی کی ترتیب بدل سکتا ہے جبکہ صاحب کرامت شرع شریف کے سامنے بے بس ہے۔ اور وہ کوئی بھی اقدام شریعت کے خلاف کرنے کا مجاز نہیں۔

کرامت بغیر تصدیق نبوت صادر نہیں ہو سکتی نیز ایسے مومن مطیع سے صادر ہوتی ہے جو خلاف شریعت کوئی بھی عمل نہ کرتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کرامت امتی سے صادر ہوتی ہے وہ نبی کی بنوت پر سچی شہادت ہے۔ یعنی آدمی ولی کی کرامت دیکھ کر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ جب امتی میں بوجہ اتباع نبی یہ طاقت پیدا ہو چکی ہے تو نبی میں کتنی طاقت رہی ہو گی۔

معجزہ کا صادر کرنا نبی کے اختیار میں ہوتا ہے جبکہ کرامت کا صادر کرنا ولی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ بعض اوقات جبکہ وہ کرامت صادر کرنا چاہے صادر نہیں ہوتی اور بعض اوقات غیر اختیاری طور پر اس سے کرامت صادر ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

کرامت و استدراج

اگر کسی کافر اور فاسق و فاجر سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو تو اسے استدراج کہتے ہیں۔

کرامت کی حقانیت کو جاننے کے لیے عمل با لشریعۃ اور تصدیق رسالت واحد ذریعہ ہے۔ مثلاً جب آخر زمانے میں دجال ظاہر ہو گا تو وہ بہت سے خارق عادت امور انجام دے گا جس سے کمزور ایمان والوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دعوائے الوہیت میں سچا ہے۔ اس وقت یہی دعوائے الوہیت اس کے کاذب ہونے کا ثبوت ہو گا۔

تاہم یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کسی جھوٹے مدعی نبوت سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جائے کہ اس پر نبوت صادقہ کا شبہ ہونے لگے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر سچے کو جھوٹے سے پہچاننا اور متمیز کرنا ممکن نہ رہے گا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی مدعی ولایت سے کرامت کے مثل کوئی خارق عادت امر صادر ہو جائے اس وقت بھی اس کرامت کو کرامت حقیقی سے ممتاز کرنے والی اور اسے استدراج بتانے والی شے شریعت ہی ہو گی۔ کیونکہ شریعت کا باغی ہرگز ہرگز ولی نہیں ہو سکتا۔

عصمت و ولایت

اگرچہ ولایت خالص موہبت الٰہی ہے تاہم اولیاء انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ عصمت شرط نبوت ہے شرط ولایت نہیں۔ تاہم اولیاء اللہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ اپنے اولیاء کی آفات معصیت سے حفاظت فرماتا ہے۔

اکابر صوفیہ مثلاً حضرت سہل بن عبداللہ تستری، حضرت ابوسلیمان دارانی اور حضرت ابو حمدون قصار رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط ولایت اطاعت پر مداومت ہے حتیٰ کہ اگر کسی ولی کے دل پر گناہ کبیرہ کا خطرہ بھی گزرتا ہے تو اس کی ولایت سلب ہو جاتی ہے مگر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس مسلک سے

Marfat.com

متفق نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ بندہ ارتکاب کبیرہ سے خارج از ایمان نہیں ہوتا۔ اور ولایت ایمان سے افضل نہیں ہے۔ تو جب ایمان (جو معرفت کا ایک درجہ ہے) معصیت سے زائل نہیں ہوتا تو محض ولایت کیسے زائل ہو سکتی ہے۔

ظہور کرامت اور صحو و سکر

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ولی سے کرامت کا صدور حالت سکر میں ہوتا ہے یا حالت صحو میں؟ حضرت بایزید بسطامی، محمد بن خفیف، حسین بن منصور اور یحییٰ بن معاذ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ:

"ولی سے صدور کرامت مغلوب الحال ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور جو بحالت صحو ظاہر ہو وہ کرامت نہیں بلکہ ولی کے پردے میں نبی کا معجزہ ظاہر ہوتا ہے (اس وقت ولی کی حیثیت صرف ایک آلے یا ایک مظہر کی سی ہوتی ہے) البتہ نبی کا معجزہ بحالت صحو ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اپنی نبوت کی صداقت کو ظاہر کر کے دعوت اتباع دے۔ اور ولی کے لیے دعوت نہیں ہوتی نہ وہ قوم کو معارضہ کے لیے طلب کرتا ہے۔ نبی صاحب شرع ہوتا ہے اور ولی صاحب سر۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ کرامت حالت غیبت و دہشت میں صادر ہو کیونکہ اس وقت اس کے تمام تصرفات حق کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ حالت صحو میں احوال بشریت کے تابع ہوتے ہیں لیکن جب ان پر تجلیات منکشف ہونے لگتی ہیں تو وہ ان کے مشاہدے کے وقت متحیر ہو کر عالم بے خودی میں چلے جاتے ہیں اور الطاف حق کی لامتناہیت کا احساس انہیں

Marfat.com

دریائے تحیر میں غرق کر دیتا ہے یہی وہ مقام ہے جس میں اظہار کرامت ہوتا ہے۔ چونکہ ان تمام کیفیات و احساسات کا بلا واسطہ تعلق حالت سکر سے ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ولی سے کرامت کا صدور حالت سکر میں ہوتا ہے جیسے ایک مرتبہ حضرت ابوعبداللہ حارثہ بن نعمان انصاری دنیا سے علیحدہ ہو گئے اور دنیا و عاقبت کے حقائق ان پر منکشف ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ:

عرضت نفسی عن الدنیا فاستوی عندی حجرھا وذھبہا وفضتہا ومدرھا۔

ترجمہ: (میں نے اپنے نفس کو دنیا سے الگ کر لیا اور میرے اوپر عالم غیب کے حقائق منکشف ہو گئے تو میری نگاہ میں دنیا کا پتھر، سونا، چاندی اور کنکر سب یکساں ہو گئے)

مقام صحو میں اولیاء درجۂ عوام پر ہوتے ہیں اور مقام سکر میں وہ انبیاء علیہم السلام سے وابستہ ہو جاتے ہیں جب وہ ہوش میں آتے ہیں تو خود کو عوام سے جانتے ہیں اور جب عالم بے خودی ان پر طاری ہوتا ہے تو وہ اپنی ذات سے مخفی راجع بحق ہوتے ہیں پھر صدور کرامت شروع ہو جاتا ہے تاہم یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اولیاء کا سکر مہذب ہوتا ہے اور ہر حال میں ذات حق سے وابستہ رہتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی، ابوالعباس سیاری، ابوبکر واسطی اور حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ

"کرامت بحالت صحو و تمکین صادر ہوتی ہے اس لیے کہ اولیاء اللہ مدبران نظام عالم ہوتے ہیں اور ان کی رائے دنیا کے تمام اہل الرائے کی آراء پر فائق ہوتی ہے وہ تمام مخلوق کے ساتھ شفقت رکھتے ہیں

Marfat.com

ابتداء حال میں ان میں سکر و تلوین ہوتی ہے لیکن جوں جوں مجاہدہ اور ریاضت بڑھتی جاتی ہے سکر صحو میں اور تلوین تمکین میں تبدیل ہوتی جاتی ہے۔ اس وقت وہ ولی صحیح معنوں میں ولی بن کر منصب ولایت پر فائز ہو جاتا ہے اور اس سے کرامتوں کا صدور ہونے لگتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اصحاب سکر عرفاء کے نزدیک سونا اور پتھر یکساں ہوتے ہیں تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ نگاہ میں سونا سونا رہے اور پتھر پتھر اور آدمی ان کی آفات سے بچا رہے۔ حضرت حارثہ بن نعمان چونکہ صاحب سکر تھے اس لیے سونا اور پتھر انکے نزدیک برابر تھے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چونکہ صاحب صحو تھے اور ترک دنیا کے ثواب سے واقف تھے اس لیے اللہ کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابوبکرؓ! تم نے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا تو عرض کیا "اللہ اور اس کے رسول کو" حالات صحو و سکر میں صدور کرامت کے سلسلے میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک زیادہ اقرب الی الشرع معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب

سترہویں فصل

انبیاء کی اولیاء پر فضیلت

حضرتؒ نے فرمایا کہ

جملہ علمائے دین اور مشائخ طریقت اس بات پر متفق ہیں کہ:

تمام اولیائے امت متابعت انبیاء میں ہیں اور ان کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ انبیاء کا رتبہ اولیاء سے فاضل بلکہ افضل ہے اس لیے کہ نہایت ولایت بدایت نبوت ہے اس بنا پر ہر نبی کا ولی ہونا ضروری ہے لیکن کوئی ولی

Marfat.com

ہرگز ہرگز نبی نہیں ہوسکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام نفی صفات بشریہ کے اندر متمکن ہوئے ہیں جبکہ اولیاء کا ہر حال عارضی ہوتا ہے۔ اولیاء کا جو اعلیٰ ترین مقام ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے لیے حجاب ہے۔ اس بات پر تمام محققین طریقت متفق ہیں سوائے گروہ حشویہ کے وہ گمراہ لوگ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہوتے ہیں (نعوذ باللہ من ذٰلک) یہ لوگ خود کو ولی کہتے ہیں اور یہ ولی ہیں بھی مگر ولیٔ شیطان۔ ایک دوسرا گروہ "مشبہہ" کا ہے۔ یہ حلول اور انسانی وجود میں (ہندوؤں کی طرح) نزول حق مانتا ہے۔ یہ ذات حق کی تجزی کا قائل ہے۔ یہ دونوں گروہ گمراہ اور قابل مذمت ہیں۔ یہ دونوں گروہ خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے نفی تخصیص بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ جو نفی تخصیص انبیاء کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام داعی الی الحق ہیں اور اولیاء ان کے متبع یہ محال ہے کہ ماموم امام سے افضل ہو جائے اگر جملہ اولیاء کے احوال و انفاس کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو انبیاء کے ایک قدم صدق کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اس حقیقت میں کسی کو مجال انکار نہیں کہ نبی کا ایک نفس تمام عالم سے افضل ہے۔ اولیاء کو جو انتہائے حال میں مشاہدہ ہوتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کو بدایت ہی میں ہو جاتا ہے مثلاً تمام اولیاء اللہ اس امر پر متفق ہیں کہ مقام جمع و تفاریق کمالات ولایت میں سے ہے کیونکہ بندہ جب کسی ایک حال پر پہنچتا ہے تو غلبۂ مشاہدہ کے باعث اس کی عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور فاعل حقیقی کے شوق میں آکر کہہ دیتا ہے کہ سارا عالم وہی ہے۔ یہ عالم حیرت ہوتا ہے اور ولی نظر باطن سے ایسا ہی دیکھتا بھی ہے یہی کیفیت بدایت حال میں انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بدایت میں کواکب چاند اور

Marfat.com

سورج کے بارے میں رب ہونے کا خیال کیا اور فوراً ہی لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہ حالت حیرت کی نہ تھی غرضکہ ان کی ابتدا بھی جمع کے ساتھ تھی اور انتہا بھی جمع کے ساتھ کسی نے سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ انبیاء کس حال میں ہیں؟ فرمایا معاذ اللہ ہمیں ان کے حال میں کسی قسم کا تصرف حاصل نہیں کہ ہم تمہیں دکھا سکیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نفی واثبات کو ایسی منزل میں رکھا ہے کہ چشم مخلوق وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ایک مرتبہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ (جسے اہل طریقت معراج بایزید کہتے ہیں) تو حضرت بایزیدؒ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ "مجھے تجھ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ملتی میں کیا کروں؟ جواب ملا" بایزید! تو میرے دوست (حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کر، ان کی خاک قدم کا سرمہ آنکھوں میں ڈال اور ان کی اطاعت ومتابعت پر مداومت اختیار کر یہی مجھ تک پہنچنے کی بے خطر راہ ہے۔

انبیاء واولیاء کی ملائکہ پر فضیلت

اہل سنت والجماعت اور جملہ مشائخ طریقت کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور وہ اولیاء جو محفوظ ہیں ملائکہ سے افضل ہیں بخلاف معتزلہ کے کہ وہ فرشتوں کو انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ ملائکہ باعتبار تخلیق لطیف تر ہیں، اور اطاعت الٰہی میں ہمہ وقت مشغول ہیں نیز ان سے معاصی کا صدور نہیں ہوتا اس لیے وہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ وجود لطیف اور اطاعت بے معصیت فضیلت میں حق تعالیٰ کے نزدیک علت

فضیلت نہیں ہوسکتیں کیونکہ اگر ان اسباب و علل کو معیار فضیلت تسلیم کر لیا جائے تو شیطان لعین کو بھی افضل ماننا پڑے گا۔

فضیلت اسے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ افضل قرار دے انبیاء علیہم السلام کی ملائکہ پر فضیلت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ اور یہ ایک ناقابل انکار صداقت ہے کہ مسجود لہ ساجد سے افضل ہوتا ہے۔ اگر اس موقع پر کوئی اعتراض کرے کہ خانۂ کعبہ تو پتھروں اور بے جان مسالوں کا ایک مجموعہ ہے تو وہ مومن سے کیسے افضل ہوسکتا ہے یا دیوار محراب مومن سے کیسے افضل ہوسکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کعبہ یا دیوار مسجد کو سجدہ کر رہا ہے۔ سجدہ تو دراصل اللہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے۔ البتہ سجدہ کی سمت سمتِ کعبہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ بعض اوقات عذر کی بنا پر سمت کعبہ کی تخصیص بھی ساقط ہوجاتی ہے مثلاً گھوڑے پر سوار نفل بغیر تعین سمت کعبہ کے ادا کر سکتا ہے۔ یا ایسی جگہ پر جہاں سمت معلوم نہ ہو جدہر منہ کر کے نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسجود لہٗ کعبہ نہیں ہے بلکہ رب کعبہ ہے۔ عقلی طور پر بھی ملائکہ انبیاء سے افضل نہیں ہوسکتے اس لیے کہ ان میں شہوت نہیں، ان کے دل میں حرص و آفت نہیں ان کی غذا اطاعت الٰہی اور فطرت امتثال امر الٰہی ہے طاعت ان کی جبلت میں داخل ہے ان کے مقابلے میں انسان کا خمیر ہی خطا و نسیان سے اٹھایا گیا ہے۔ شہوت، حرص اور غضب اس کی طینت میں داخل ہیں دن رات شیطانی وساوس ان کے دل و دماغ کو پراگندہ کرتے رہتے ہیں۔ زن و فرزند کی محبت اور تعلق اسے اپنی طرف مائل کرتا رہتا ہے ایسی صورت میں اگر کوئی شخص ان تمام بندھنوں کو توڑ دے۔ نفس و شیطان کی غلامی سے انکار کر دے اپنے طبعی تقاضوں کو محض

Marfat.com

امتثال امرِ الٰہی کے لیے پامال کر دے۔ مراقبہ و مجاہدہ کے ذریعہ اپنی خواہشات کو کچل دے تو اوّل الذکر مخلوق یعنی ملائکہ کے مقابلے میں وہ لازماً افضل ہو گا۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مجھے اپنی جان کی قسم مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو فضیلت اعمال میں دیکھتے ہیں یا بزرگی جمال و مال و عزت میں سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے معیار فضیلت پر نظر ثانی کریں اور جان لیں کہ فضیلت اللہ جسے دے وہ افضل ہے اور وہ فضیلت ایمان و عرفان میں ہے وہ حضرت جبریل جو عرصۂ دراز سے یہ تمنا رکھتے تھے کہ شب معراج حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی باگ تھامیں اور جب باگ تھامنے کا موقع آیا تو اس سعادت پر نازاں و فرحاں تھے بھلا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کیسے ہو سکتے ہیں؟

ملائکہ لطیف الخلقت اور پاک طینت ضرور ہیں لیکن بھلا وہ ان انسانوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جو عبادت و ریاضت کر کے اپنے نفس کو مغلوب کرتے ہیں اور شب و روز مجاہدے کی بدولت دیدار الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں

الغرض صحیح نظریہ یہ ہے کہ

۱۔ خاص مومن خاص ملائکہ سے افضل ہیں اور عام مومنین عام ملائکہ سے

۲۔ جو لوگ منہیات سے اجتناب کریں اور اطاعت الٰہی میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں محفوظ و معصوم عن الخطا قرار دیا گیا ہو وہ حضرت جبریل و میکائیل علیہم السلام سے افضل ہیں۔

۳۔ اور جو معصوم نہیں ہیں لیکن متورع ہیں وہ (کراماً کاتبین) سے افضل ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ "ولایت اسرار الٰہیہ میں سے ایک سر ہے۔ اس پر چلے بغیر کچھ ظاہر نہیں ہوتا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "ولی را ولی می شناسد"

Marfat.com

اٹھارہویں فصل

فنا و بقا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ [1]

ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ [2]

ترجمہ: جو کچھ اس زمین میں ہے فنا ہونے والا ہے البتہ تیرے جلال و عزت والے رب کی ذات باقی رہے گی۔

فنا و بقا کے بارے میں اہل علم کے اور خیالات ہیں اور اہل حال کے اور، اہل علم کے نزدیک بقا کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ بقا جس کے ایک طرف بقا ہو تو دوسری طرف فنا ہو لیکن درحقیقت اس کے ایک طرف بھی فنا ہی ہے

جیسے یہ جہان کہ اول پردۂ عدم میں پوشیدہ تھا پھر وجود میں آیا پھر ایک دن ایسا

---

[1] النحل: ۹۶

[2] الرحمٰن: ۲۶۔۲۷

Marfat.com

آنے والا ہے جب یہ نہیں رہے گا۔

۲۔ بقا کی دوسری قسم وہ ہے کہ اول فنا ہو پھر بقا حاصل ہو جائے اور اس کے بعد پھر فنا نہ ہو۔ جیسے جنت اور دوزخ کہ پہلے یہ چیزیں معدوم تھیں پھر موجود ہوئیں اور اب فنا نہ ہونگی۔

۳۔ بقا کی تیسری قسم وہ ہے کہ نہ اول معدوم ہو نہ آخر معدوم ہونے والی ہو اور فنا و عدم کے ہر شائبہ سے پاک ہو جیسے ذات باری تبارک وتعالیٰ کہ ہمیشہ سے ہے اور رہے گی۔ اس بقا سے مراد دوام و ابدیت وجود ہے اس کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی قائم بالذات لم یزل و لا یزال ہیں۔ اس میں اس ذات واحد کے ساتھ کسی کو مشارکت حاصل نہیں ہے۔

اس بقا و فنا کا یہ حال ہے کہ جب جہل فانی ہو جائے تو علم باقی رہتا ہے جب معصیت فانی ہو جائے تو اطاعت باقی رہتی ہے۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو جان لیتا ہے تو وہ علم بندے کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اس سے جہل فانی ہو جاتا ہے۔ بندے کی غفلت جب فانی ہو جاتی ہے تو وہ ذکر کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے یعنی اوصاف مذمومہ کے فنا کے بعد اوصاف محمودہ کے ساتھ بندہ باقی رہتا ہے یہ تو وہ تقسیم و تعریف ہوئی جو اہل علم کے نزدیک ہے۔

وہ طائفہ جو اہل ولایت سے ہے اس کے نزدیک بقا و فنا کے دوسرے ہی معانی ہیں۔ ان کے نزدیک بقا و فنا مقامات ہیں اور اہل تصوف انہیں انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں جو لوگ مشقت اور ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ تغیر حال سے رہائی پا چکے ہیں اور طلب کے بعد فنا کو پہنچ چکے ہیں وہ ہر مسموع و منظور سے منہ موڑ کر مقصد مراد سے فانی ہو کر دعوٰی اور انجام سے بیزار دیے پرواہ غیر

Marfat.com

اللہ کے ہر جز اور مظاہرے کو حجاب تصور کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ کرامات کو بھی حجابات ہی میں شمار کرتے ہیں۔ اور اپنے مشاہدے کے دوران جو چیز بھی ان کی چشم قلب سے دکھائی دیتی ہے اسے لباس آفت میں ملبوس سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ عین مراد کو پہنچ کر مراد سے بے مراد ہو کر ہر مشرب کو ساقط کرتے ہوئے الفت وانس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔

لِيُهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ [1]

ترجمہ: تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلائل سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلائل سے زندہ رہے۔

عربی کے ایک قطعہ میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فنا کے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

فنیت فنائی بفقد هوائی۔ فصار هوائی فی الامور هواك

فاذا فنی العبد عن اوصافه۔ ادرك البقاء بتمامه

ترجمہ: میں نے اپنی خواہشات کو ترک کر کے مقام فنا حاصل کیا ہے اب صورت حال یہ ہے کہ معاملات میں میری خواہش وہی ہوتی ہے جو تیری خواہش ہے۔ بندہ جب اپنے اوصاف سے فانی ہو جاتا ہے تو وہ بقائے کامل وتمام حاصل کر لیتا ہے۔

بندہ جب اپنے اوصاف وخواہشات سے کامل فنا حاصل کر کے اپنی مراد کے ساتھ بقا پاجاتا ہے تو پھر انس ومحبت۔ قرب وبعد۔ فراق ووصل۔ طمس و اصلاح علم وارقام سب سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

---

[1] الانفال ۴۲

من گم شدہ ام مرا مجوئید　　از گم شدگان سخن مگوئید

رومیوں، نصاریٰ اور نسطوریوں کا یہ مذہب ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام مجاہدے کی برکت سے ماسوی اللہ سے فانی ہو کر بقاء لاہوتی سے واصل ہو گئی تھیں اور ان کے اوصاف ناسوتی فنا ہو چکے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے وہ بقاء پائی جو بقائے الٰہی کے مانند ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو بقا پائی وہ مایۂ انسانی نہیں بلکہ ان کی بقا بقاء الٰہی ہے مختصر یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ یہ تینوں (العیاذ باللہ) ایک صفت بقاء پر ہیں۔ گویا حضرت مریم، حضرت عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ تینوں قدیم ہیں۔ اور ان دونوں کی صفات صفات الٰہی کے مشابہ ہیں۔ یہی عقیدہ جماعت حشویہ کا بھی ہے بلکہ حشویہ تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو حادث بھی مانتے ہیں۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "کیا محدث قدیم کا محل اور قدیم محدث کا محل یا قدیم میں محدث کے اوصاف یا محدث میں قدیم کے اوصاف ہو سکتے ہیں؟ اگر ان باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو حدوث عالم بھی باطل ہو جائے گا اس صورت میں صنع اور صانع دونوں کو حادث کہنا ہو گا یا دونوں کو قدیم اس وقت مخلوق کا نا مخلوق کے ساتھ امتزاج ہو گا بلکہ لازماً یہ بھی ماننا ہو گا کہ نا مخلوق مخلوق میں حلول کر گیا ہے۔ اس گمراہی میں وہی لوگ مبتلا ہونگے۔ جو قدیم کو محل محدث مانتے ہیں۔ یا حادث کو محل قدیم یا صنع اور صانع دونوں کو قدیم مانتے ہیں بلکہ آگے چل کر تو صانع کو بھی محدث ہی ماننا ہو گا کیونکہ کسی شے کا محل عین شے ہوتا ہے تو صانع جب محل محدث ہو گا تو خود بھی محدث ہو گا اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہم محدث کو قدیم اور قدیم کو محدث مانیں اور یہ سراسر ضلالت اور گمراہی ہے مختصر یہ کہ جو چیز کسی چیز کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو دونوں چیزوں پر ایک ہی حکم لاگو ہو گا اس اعتبار سے ہماری بقا جب ہماری صفت ہے

Marfat.com

تو ہماری فنا بھی ہماری صفت ہے اور ہماری صفتوں کی تخصیص میں ہماری فنا ہماری بقا کے مثل ہوگی۔ اور ہماری فنا ہماری فنا کے مثل۔ تو فنا ایک صفت ہے دوسری صفت کی بقا سے۔ لہٰذا اگر کوئی فنا سے ایسی فنا مراد لے جس کا بقا سے کوئی تعلق نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بقا سے ایسی بقا مراد لے جس کا فنا سے کوئی تعلق نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اس فنا سے غیر کے ذکر کی فنا مراد ہوتی ہے۔ اور بقا سے بقاء ذکر حق۔ صوفیہ کے اس مقولے کہ من فنی من المراد بقی بالمراد (جو اپنی مراد سے فانی ہو گیا وہ حق تعالیٰ کی مراد کے ساتھ باقی ہوتا ہے) کا یہی مطلب ہے۔ اس لیے کہ جو اپنی مراد سے فانی ہو کر حق کی مراد کے ساتھ باقی ہو گیا تو وہ فنا کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے قہر و غضب کا اظہار کرے تو اس وقت یہ اس کی صفت ہو جاتی ہے اور جب وہ اپنے اس وصف قہر و غضب کو بدلنا چاہے تو بدل لیتا ہے اوصاف کی تبدیلی اپنی جگہ پر ہے مگر بادشاہ دونوں قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی حالت میں وہی رہتا ہے آگ اور لوہا نہیں ہو جاتا۔

لطیف رموز فنا و بقا کے مسئلہ میں مشائخ رحمہم اللہ نے بہت ہی لطیف باتیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الفناء فناء العبد عن رؤیتہ العبودیۃ والبقاء بقاء العبد بمشاھدۃ الالھیہ۔

ترجمہ: فنا بندے کا فانی ہونا ہے اپنی عبودیت کی رؤیت سے اور بقا بندے کا باقی رہنا ہے مشاہدہ الٰہیہ کے ساتھ۔

یعنی بندے کا اپنی بندگی کو دیکھنا آفت ہے۔ بندہ بندگی کی حقیقت تک

Marfat.com

اسی وقت پہنچتا ہے جب اپنے عمل کی طرف نہ دیکھے۔ بلکہ فعل ذات باری تعالیٰ کے مشاہدے میں مشغول رہے۔ اور اسی کے ساتھ باقی۔ اس وقت اس کے اعمال منسوب بہ بقاء فعل ذات باری ہوں گے نہ کہ اس کے اپنے ارادے اور قوت کی طرف منسوب۔ اس لیے کہ بندے کا ہر عمل ناقص ہوتا ہے۔ البتہ اگر وہی عمل فاعل حقیقی کی توفیق سے رو پذیر ہوگا تو کامل ہوگا۔ بندہ جب اپنے تعلقات سے فانی ہوتا ہے تو جمال الوہیت کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔

بندگی میں اخلاص

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

صحۃ العبودیۃ فی الفناء والبقاء۔

(عبودیت کی صحت فنا و بقا میں ہے) کیونکہ بندہ جب تک اپنے ہر حصہ و نصیب سے کامل بیزاری نہ ظاہر کر دے اسے فنا نصیب نہیں ہو سکتی اور جب اس طرح فنا ہو جائے تو لازماً عبادت میں اخلاص پیدا ہوتا ہے جو صحیح معنوں میں بقا ہے۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"فنا و بقا کا علم اخلاص، وحدانیت اور صحت عبودیت کے گرد گردش کرتا ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے غلطی اور زندقہ ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے اور خود کو اس کے حکم کے آگے عاجز و مقہور سمجھتا ہے تو یہی بندے کی فنا ہے پھر وہ عبودیت کا کڑا پکڑ کر حقیقی معنوں میں بندہ بن جاتا ہے اس کے علاوہ جو فناء عین اور بقا کو بقائے حق قرار دیتا ہے زندیق اور مذہب نصاریٰ کا پیرو ہے۔

قول فیصل

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"صوفیہ کے اقوال و نظریات جو فنا و بقا کے سلسلے میں

Marfat.com

پیش کئے گئے اگرچہ عبارتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں لیکن سب قریب المعنیٰ ہیں۔ اس میں اصل بات یہ ہے کہ بندہ جلالت حق دیکھنے سے فنا ہو جاتا ہے لیکن جب اس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت منکشف ہوتی ہے تو جلالت حق کے سامنے دنیا۔ عقبیٰ کو وہ اپنے دل سے مٹا دیتا ہے۔ احوال و مقامات اسے ہیچ نظر آنے لگتے ہیں اور کرامات کی اہمیت اس کی نگاہوں کے سامنے ختم ہو جاتی ہے اس وقت وہ عقل و نفس سے فانی ہو کر فنا سے بھی خالی ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی زبان حق کے ساتھ کلام کرتی ہے، اور دل و جسم قطعاً مقہور و عاجز ہو جاتے ہیں، یہ ہے۔ مقام بقا باللہ کا"

اُنیسویں فصل

غیبت و حضور

فن تصوف میں حضور سے مراد حضور دل بدلالت یقین ہے اور غیبت سے مراد یہ ہے کہ دل ماسوا اللہ سے اس طرح اور اس حد تک غائب ہو جائے کہ صفت غیبوبیت سے بھی اپنے کو غائب کرے تاکہ اپنی غیبت میں آپ اپنا نظارہ کرے۔ اور اس کی پہچان یہ ہے کہ رسوم سے روگرداں ہو جائے۔ طالب اپنی ذات سے غائب ہو کر حضور حق میں حاضر رہے لازماً جو حق کے حضور میں حاضر ہو گا وہ خود سے غائب ہو گا۔ جذبۂ حق طالب کو مقہور کر کے جب اپنے سے وابستہ کر لیتا ہے تو پھر شرکت و تقسیم اٹھ جاتی ہے اور بندہ اپنی کسی حرکت یا فعل کو اپنی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔

حضرت حارث محاسبی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ اور حضرت حصری رحمہم اللہ

Marfat.com

جیسے اکابر صوفیہ کا خیال ہے کہ حضور غیبت پر مقدم ہے۔ کیونکہ بندہ جب جمال جمیل کے مشاہدے میں مصروف ہو جاتا ہے تو غیبت اس سے خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ غیبت کے فنا کا فائدہ حضور ہے۔ حضور کے لئے ترک غفلت لازمی ہے ورنہ حضور بے نور ہو گا حضور پُر نور میں طالب دنیا و عقبیٰ دونوں سے لاتعلق ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے وجود سے بھی غائب ہو جاتا ہے۔ غیبت و حضور کے معانی کا خلاصہ صرف ایک جملے میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ نے بیان فرما دیا ہے کہ:

"حاضر بحق ہونا اور از خود غائب ہونا"

کیونکہ جو شخص از خود غائب نہیں ہو گا حاضر بحق ہرگز نہیں ہو سکتا۔

بیسویں فصل

جمع و تفرقہ

صوفیہ کے نزدیک جمع و تفرقہ کی حیثیت کے متعلق حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حساب داں جمع و تفریق کے الفاظ استعمال کرتے ہیں مگر ان کی مراد اعداد کو جمع کرنا یا ان کی تفریق سے ہوتی ہے۔ فقہاء جمع قیاس اور تفرقہ صفات یا جمع معانی یا تفرقہ قیاس مراد لیتے ہیں لیکن طائفہ صوفیہ آیت کریمہ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ [1] سے جمع کا اور يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [2] سے تفریق کا استنباط کرتے ہیں۔

اول الذکر آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام ذوی العقول مخلوق کو دار السلام یعنی

---

[1] یونس: ۲۵

[2] البقرۃ: ۱۴۲

Marfat.com

جنت کی طرف دعوت دی پھر اپنی مشیئت کو ظاہر کرنے کے لیے ایک گروہ کو قریب اور دوسرے کو دور کر دیا، ایک کو عصمت عطا کی اور دوسرے کو آفت کی طرف مائل کر دیا۔ یعنی ایک صورت میں اللہ تعالیٰ کی جمع کا راز معلوم ہوا اور دوسری میں تفریق کا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو اور چاہا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہ ہوں۔ آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ شجر ممنوعہ نہ کھائیں لیکن مشیئت یہ تھی کہ کھا لیں۔ ان سب سے ترک تصرف خلق اور اثبات ارادۂ حق کا ظہور ہوتا ہے۔

اصطلاح "جمع و تفرقہ" کی تعبیر میں محققین صوفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔

ایک گروہ اس سے اوصاف عبد مراد لیتا ہے۔ جو گروہ اسے توحید کی طرف لے جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ جمع کے دو درجے ہیں ایک اوصاف حق کے اندر اور دوسرا اوصاف بندہ کے اندر جو جمع اوصاف حق میں ہے وہ سر توحید ہے کسب بندہ اس سے منقطع ہے اور جو اوصاف بندہ میں ہے اس سے مراد توحید بصدق عقیدت و صحت عزیمت ہے۔ یہ حضرت بوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور جو گروہ اسے اوصاف کی طرف لے جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ "جمع صفت حق ہے تفرقہ اس کا فعل ہے اور کسب بندہ اس سے منقطع ہے کیونکہ الوہیت میں حق سے منازعت کا کوئی سوال ہی نہیں ہے پس جمع اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہے کیونکہ الجمع السویۃ فی الاصل (جمع اصل میں برابری کو کہتے ہیں) اور اس کی ذات و صفات کے علاوہ کوئی شے قدم میں اس کے مساوی نہیں ہے نہ اس کے افتراق میں خلق مساوی ہو سکتی ہے۔ مفہوم یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ صفات (ازلیہ و ابدیہ) اسی کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور ان کے وجود کا اختصاص بھی اسی کی ذات کے ساتھ

Marfat.com

ہے اور وہ (اس کی ذات) اور اس کی صفات دو نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں تفریق و تعدد روا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے "جمع" کا اطلاق سوا اس کے کسی پر روا نہیں ہے۔

تفرقہ فی الحکم یہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جو حکم میں متفرق ہیں۔ ایک کو حکم وجود ہے تو دوسرے کو حکم عدم مگر ایسا عدم جو ممکن الوجود ہو۔ یعنی الجمع علم التوحید والتفرقة علم الاحکام (جمع علم توحید ہے اور تفرقہ علم احکام) اس لحاظ سے علم اصول جمع ہوگا۔ اور تفرقہ اس کے فروع میں ہوگا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ الجمع ما اجتمع علیه اهل العلم والتفرقة ما اختلفوا فیه۔ (جمع وہ ہے جس پر اہل علم متفق ہوں اور تفرقہ وہ ہے جس میں اہل علم اختلاف کریں) جمہور محققین صوفیہ تفرقہ سے مراد کسب بندہ اور جمع سے مواہب الٰہیہ لیتے ہیں۔ یعنی مجاہدہ اور مشاہدہ۔ پس بندہ جو کچھ بذریعہ مجاہدہ پاتا ہے وہ تفرقہ ہے اور جو لطف و کرم الٰہی کے ذریعہ پاتا ہے وہ جمع ہے۔ اور بندے کی عزت اسی میں ہے کہ اپنے افعال و مجاہدات میں اپنے کسب و فعل کی آفت سے رستگاری حاصل کرے اور اپنے افعال کو افضال الٰہی میں مستغرق محسوس کرے اور اپنے مجاہدات کو اس کی ہدایت کے سامنے منتفی گردانے اس وقت وہ قائم بحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کا محوّل اوصاف ہوگا اس کے افعال منسوب بہ حق ہوں گے اور وہ اپنے کسب کی نسبت سے نجات حاصل کرلے گا۔ جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں ہمیں خبر دی ہے کہ لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببته کنت لہ سمعاً وبصراً ویداً وفؤاداً ولسانا بی

Marfat.com

یسمع و بی یبصر و بی ینطق و بی یبطش۔

ترجمہ: نوافل کے ذریعہ میرا بندہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کے کان، آنکھیں، ہاتھ، دل اور زبان ہو جاتا ہوں پھر وہ میرے ذریعہ سنتا، میرے ذریعہ دیکھتا، میرے ذریعہ بولتا اور میرے ذریعہ پکڑتا ہے۔

یعنی ذکر میں وہ میرے ذکر سے مغلوب ہو کر اس قدر فانی ہو جاتا ہے کہ خود اس کا کسب اس کے وجود سے فانی ہو جاتا ہے۔ اور میرے ذکر کا سلطان اس کے ذکر پر حاوی ہو کر نسبت آدمیت کو اس سے منقطع کر دیتا ہے۔ اس وقت اس کا ذکر میرا ذکر ہو جاتا ہے اور یہ غلبہ اس طرح اس کے ذہن و احساس پر مستولی ہو جاتا ہے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سبحانی ما اعظم شانی بایزید کی زبان سے نکلا ہوا یہ کلمہ درحقیقت بایزید کا نہیں بلکہ ذات حق کا کلمہ تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: الحق ینطق علیٰ لسان عمر۔ اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر کلام کرتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قہریت پوری طرح بندہ کے وجود پر مستولی ہو کر خود بندے سے اس کا وجود ذاتی سلب کر لیتی ہے تو بندے کا نطق نطق حق ہو جاتا ہے حالانکہ نہ کسی قسم کا خالق و مخلوق کے درمیان امتزاج ہوتا ہے نہ حلول و اتحاد جیسا کہ ملاحدہ کہتے ہیں کیونکہ اتحاد و امتزاج محال ہے۔

"پس جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ اللہ کی محبت بندے کی عقل اور طبیعت پر پورا غلبہ حاصل کر لے اور بندہ کے امور اس کے کسب سے ساقط ہو جائیں تو اس صورت کو "جمع" کہتے ہیں جیسے سنگ ریزوں کو کفار کی طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینکا تھا لیکن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف یہ کہہ کر کی :

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [1]

ترجمہ: اور جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا یہ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت "جمع" میں تھے اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی کیونکہ اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام حالت "تفرقہ" میں تھے۔ اور ارشاد ہوا۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ [2]

ترجمہ: اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کیا۔

غرضکہ اگر آدمی سے ایسا فعل صادر ہو جو افعال آدمیاں کی جنس سے نہ ہو تو لازماً وہ حق تعالیٰ کا فعل ہوگا اسی سے تمام معجزات وکرامات کا ثبوت ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ افعال عادیہ حالت تفرقہ میں صادر ہوتے ہیں۔ چونکہ ایک رات کے مختصر سے وقفے میں مکہ سے مقام قاب قوسین پر پہنچ جانا افعال معتادہ میں نہیں ہے اسی طرح آگ کے الاؤ میں ڈالے جانے کے بعد نہ جلنا افعال معتادہ میں نہیں ہے اس لیئے لامحالہ یہ فعل حق ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام افعال کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی اور چونکہ دوست کا فعل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے دست مبارک پر بیعت کو اپنی بیعت اور اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد ہوا :

---

[1] الانفال: ۱۷

[2] البقرۃ: ۲۵۱

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ [1]

ترجمہ: بیشک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں درحقیقت وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں:

وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ [2]

ترجمہ: جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی

پس اسرار کے اظہار کے وقت اولیاء حالت جمع میں ہوتے ہیں تاکہ دوستی میں استحکام پیدا ہو اور اظہار عبودیت کے وقت حالت تفرقہ میں تاکہ عبد و معبود کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اجتماع اسرار کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اقوال میں جمع قرار دیا اور مناجات لسان کو تفرقہ اور دونوں کا مرکز اپنی ذات کو بنایا اور اس کے ضوابط بھی خود ہی وضع فرمائے۔

ایک علمی اختلاف

ایک گروہ کہتا ہے کہ اظہار جمع نفی تفرقہ ہے کیونکہ جمع و تفرقہ باہم متضاد ہیں لہٰذا جب سلطان ہدایت غلبہ حاصل کرتا ہے تو وہ ولایت جو کسب و مجاہدے پر مبنی ہوتی ہے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور یہ تعطیل محض ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ جب تک امکان معاملت اور توانائی کسب ہو، کسب و مجاہدہ بندہ سے ساقط نہیں ہوتا کیونکہ (جیسا کہ یہ گروہ سمجھتا ہے) جمع و تفرقہ میں نسبت تناقض یا تضاد نہیں بلکہ دونوں کے درمیان جوہر و عرض اور صفت و موصوف کی نسبت ہے جیسے آفتاب اور نور پس مجاہدہ ہدایت سے، شریعت حقیقت سے اور دریافت طلب سے جدا نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کبھی مجاہدہ

---

[1] الفتح: ۱۰

[2] النساء: ۸۰

Marfat.com

مقدم ہو اور کبھی مؤخر۔ اتنا ضرور ہے کہ جن پر مجاہدہ موخر ہوتا ہے انہیں کم تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے حضوری میں رہتے ہیں۔

بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کی یافت ہماری کوشش اور مجاہدے سے متعلق نہیں ہے اور ہماری عبادات وطاعات عیب دار ہیں، ہمارے مجاہدات ناقص ہیں ہماری طاعات کا تو یہ حال ہے کہ نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم ہمارے افعال کو محل مشقت اور منبع آفت قرار دیتے ہو اور ناکردہ کو کردہ سے بہتر مانتے ہو لیکن ناکردنی بھی تو ایک فعل ہے اس حساب سے کرنا اور نہ کرنا دونوں فعل ہوئے اور فعل محل علّت ہے پھر نہ کرنے کو کرنے سے افضل کیونکر سمجھتے ہیں یہ تو کھلا ہوا خسران اور غبن فاحش ہے اور مومن و کافر میں یہی تو فرق ہے کیونکہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے افعال محل علت ہیں تو مومن حکم خداوندی کے مطابق ناکردہ سے کرنے کو افضل جانتا ہے اور کافر بوجہ نافرمانی ناکردہ کو کرنے سے افضل جانتا ہے۔

جمع کی اقسام

جمع کی دو قسمیں ہیں ایک جمع سلامت دوسرا جمع تکسیر۔ جمع سلامت اسے کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ غلبۂ حال اور غلبۂ شوق وخلق کے عالم میں بندے کی محافظت فرمائے اور اپنے احکام اس پر ظاہر فرمائے اور اس بات کی نگرانی کرے کہ بندہ اس کے احکام پر عمل پیرا ہو یہ حال حضرت سہل بن عبد اللہ، حضرت ابو حفص حداد۔ حضرت ابو العباس سیاری، حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابو بکر شبلی اور حضرت ابو الحسن حصری رحمہم اللہ اجمعین کا تھا کہ یہ حضرات ہر وقت مغلوب الحال ہوتے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آجاتے اور نماز پڑھنے کے بعد پھر مغلوب ہو جاتے۔ کیونکہ اگر کوئی محل تفرقہ

Marfat.com

یں ہوتا ہے تو وہ وہی ہوگا اور تعمیل احکام کرے گا۔ لیکن جب اسے محل جمع کی طرف جذب کیا جاتا ہے تو صاحب حکم خود اس کا نگراں ہوتا ہے ایسا دو وجہوں سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ نشان بندگی بندے سے نہ اٹھے اور دوسرے اس لیے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ میں ہرگز شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰت کو منسوخ کرنا نہیں چاہتا۔

جمع کسیر یہ ہے کہ بندہ حکم اور اسکے متعلقات سے قطعاً مدہوش ہو اس وقت وہ مجنونوں کے حکم میں ہو گا۔ اور یا معذور ہو گا یا مشکور، جو مشکور ہوتا ہے اس کے احوال قوی اور پرنور ہوتے ہیں اور جو معذور ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ان کے احوال اتنے قوی ہو سکتے ہیں نہ اتنے پرنور۔

اصل الاصول ان تمام مباحث کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مادۂ محبت کو جو ایک جوہر ہے متجزی و مقسوم کر دیا ہے اور اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کو اس جز کی گرفتاری کے اعتبار سے ایک حصہ دیا ہے۔ جب یہ متجزی حصۂ محبت اسے ملتا ہے تو بندہ جوش انسانیت، لباس طبیعت اور حجاب روح سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ جز (جو اسے ملا ہے) بندے کی صفات کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنی صفت سے اسے متصف کر لیتا ہے تب اس محب کا پورا وجود وجود محبوب بن جاتا ہے اور اس کی تمام حرکات و سکنات اس کے ماتحت ہو جاتی ہیں اس صورت حال کو ارباب معانی "جمع" کہتے ہیں اب بندے کے اوصاف اس کے اپنے اوصاف نہیں ہوتے بلکہ وہ اوصاف مستعار ہیں۔ اس وقت اثبات ہستی اس کے لیے عار ہو جاتا ہے التفات بہ کونین کی حیثیت زنار کی ہوتی ہے اور تمام موجودات اس کی نگاہ میں ہیچ ہوتے ہیں۔

اکیسویں فصل
روح کی بحث

روح کے وجود کا علم ضروری ہے لیکن اس کی حقیقی کیفیت معلوم کرنے سے انسانی عقل عاجز ہے تاہم اکثر علماء اور حکماء حتیٰ کہ کفار نے بھی اپنے اندازے کے مطابق اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ روح کے موضوع پر گفتگو کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ملعون حلولیہ اور ملاحدہ نے اس کے سلسلے میں انتہائی گمراہ کن عقائد و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور انہیں صوفیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ حلولیہ کا عقیدہ ہے کہ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ انسانی وجود میں حلول کر سکتا ہے۔ ملاحدہ تناسخ ارواح اور امتزاج کے قائل ہیں اس لیے ضروری ہے کہ مختصراً روح کے بارے میں صحیح باتیں بتا دی جائیں۔

کفار نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تو ایک نہایت مختصر مگر جامع جواب دیا گیا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[1]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ایتلف وما تناکر منھا اختلف۔

(عالم ازل میں) روحیں ایک جمع شدہ لشکر کی مانند تھیں ان میں سے ایک روح جب دوسری سے آشنا ہوئی تو آپس میں محبت ہو گئی اور جو ناواقف رہیں ان میں اختلاف

---

[1] بنی اسرائیل: ۸۵

ہوگیا۔

قرآن وسنت میں اس طرح کے بہت سے دلائل ہیں جن سے روح کا اثبات ہوتا ہے۔ علماء، صوفیہ اور متکلمین نے بھی روح کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے ایک گروہ کہتا ہے: الروح هو الحياة التي يحيى به الجسد (روح ہی حیات ہے جس کی بدولت جسم زندہ رہتا ہے)

گروہ متکلمین کہتا ہے کہ روح عرض ہے جس کی بدولت حیوان زندہ رہتا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ روح ایک جوہر ہے بلا حیات جس کے بغیر زندگی کا وجود نہیں۔ جس طرح روح بلا جسم کے معتدل نہیں۔

جمہور مشائخ اور اہل سنت والجماعت کے علماء کا خیال ہے کہ روح عینی جوہر ہے نہ کہ وصفی۔ عادت الٰہیہ کے ماتحت حیات پیدا کرتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ انسان کو زندہ جانا جاتا ہے۔ اور یہ جوہر من جانب اللہ انسانی وجود میں ودلیعت کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ روح انسان کے جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی زندہ رہے۔ مگر روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد انسانی وجود سے علم وعقل سب ضائع ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو انسانی قالب میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے داخل ہوتا اور پھر اسی کے حکم سے نکل جاتا ہے۔ شب معراج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور انہیں آسمانوں میں دیکھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روح لطیف جوہر اور لطیف جسم ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔

ملاحدہ کا عقیدہ ملاحدہ روح کو قدیم مانتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں وہ روح کو مدبر الامر اور فاعل اشیاء بھی مانتے ہیں۔ وہ روح کو اللہ

Marfat.com

اور لم یزل کہتے ہیں یہی عقیدہ نصاریٰ تبت اور چین کے لوگوں اور ہندوؤں کا بھی ہے۔ بعض شیعہ، قرامطہ، فرقۂ باطنیہ کے عقائد بھی اسی قسم کے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ملاحدہ روح کو قدیم کن معنوں میں مانتے ہیں محدث متقدم اندر وجود مانتے ہیں یا ایسا قدیم جو ہمیشہ باقی رہے؟ اگر وہ کہیں کہ محدث متقدم اندر وجود تو پھر کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ روح کا وجود شخص کے وجود پر متقدم ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جسم کی پیدائش سے دو لاکھ سال قبل روح پیدا فرمادی تھی"۔ اس سے ثابت ہوا کہ ارواح کی جنس دوسری ہے اور اجساد کی دوسری اور جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے تو حکم صادر ہوتا ہے اور وہ روح جسم کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اس طرح جسم میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے البتہ یہ درست نہیں کہ ایک روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہو جائے۔

اور اگر قدیم سے مراد ان کی یہ ہے کہ روح ہمیشہ رہے گی تو ہم سوال کریں گے کہ وہ قائم بالنفس ہوگی یا قائم بالغیر؟ اگر وہ کہیں کہ روح قدیم قائم بالنفس ہوگی تو ہم سوال کریں گے کہ روح خداوند عالم ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ خداوند عالم نہیں ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا ایک اور قدیم ماننا ہوگا اور یہ درست نہیں کیونکہ قدیم لایزال کسی ایک وجود میں محدود نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ کہیں کہ "روح خداوند عالم ہے" تو ہم یہ کہیں گے کہ جب روح قدیم ہے اور جسم محدث تو یہ محال ہے کہ قدیم و محدث کا باہمی امتزاج ہو یا باہم اتحاد و حلول ہو۔ یا محدث قدیم کا مکان بنے کیونکہ جو چیز جس چیز سے ملتی ہے اسی طرح کی ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ روح قائم بالنفس نہیں بلکہ قائم بالغیر ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا کوئی صفت بن کر قائم ہوگی یا عرض بن کر اگر عرض مانیں تو دو حال سے خالی نہیں یا کسی محل کے ساتھ متعلق

Marfat.com

ہو گی یا لامحلی۔ اگر محلی مانیں تو جس محل کے ساتھ متعلق ہو گی اسی جیسی ہو گی (لہٰذا محدث ہو گی قدیم نہیں) اور اگر لامحلی مانیں تو یہ محال ہے اس لئے کہ وہ عرض جو قائم بالغیر ہو اس کا لامحلی ہونا ممکن نہیں۔

اور اگر کہیں کہ صفت بن کر قائم بالغیر ہے اور قدیم ہے۔ جیسا کہ حلولیہ اور تناسخیہ مانتے ہیں اور وہ اس صفت کو صفت حق کہتے ہیں تو یہ محال ہے کہ صفت حق قدیم صفت بن کر خلق کے ساتھ قائم ہو۔ اور اگر یہ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہو گا کہ خلق کو بھی وہی قدرت حاصل ہو جائے جو حق کو حاصل ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے تو یہ بھی محال ہے کہ صفت قدیم قائم بمحدث ہو۔ آخر کار لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ صفت قدیم کا موصوف محدث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ملاحدہ کا قول سراسر باطل ہے۔ اور روح مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق۔ جو اس کے برخلاف کہتا ہے وہ مکابرہ کرتا ہے اور قدیم و محدث کے مابین جو فرق ہے اسے نہیں سمجھتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں بدعتوں کے خطرات سے محفوظ رکھا ہے اور اس نے ہمیں عقل دی ہے کہ ہم استدلال کرتے ہیں اور ایمان عطا فرمایا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ اسے پہچانتے ہیں۔

چونکہ حلولیوں نے اس طرح کے بیہودہ عقائد حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کی طرف منسوب کر دیئے اس لیئے علمائے ظاہر نے سمجھا کہ اسی قسم کے عقائد تمام صوفیہ کے ہیں اور اس طرح وہ عظیم غلطی اور خسران مبین میں مبتلا ہو کر محجوب ہو گئے۔ تاہم سادات صوفیہ نے اس کی تردید کی ہے۔

مقاماتِ ارواح

حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ارواح دس مقامات پر قائم ہیں۔

۱- پہلی خطا کاروں اور نافرمانوں کی ارواح ہیں جو ظلمت کدوں میں محبوس ہیں اور نہیں جانتی کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔

۲- دوسری نیکو کاروں اور زاہدوں کی ارواح جو آسمانوں میں اپنے نیک اعمال کی بدولت خوش وخرم ہیں اور اپنے اعمال کی قوت سے چل پھر رہی ہیں۔

۳- تیسری ارواح مریداں ہیں جو آسمان چہارم میں لذت صدق کے ساتھ اپنے اعمال کے سایہ میں ملائکہ کے ساتھ ہیں۔

۴- چوتھی ارواح اہل سنن ہیں جو نور کی قندیلوں میں عرش کے نیچے مقیم ہیں۔ان کی غذا رحمت اور شربت قرب ولطف ہے۔

۵- پانچویں ارواح اہل وفا ہیں جو حجاب صفا میں مقام اصطفاء پر فائز ہیں۔

۶- چھٹی ارواح شہیداں ہیں جو مرغان بہشت کے اجسام میں بہشت میں محو گلگشت ہیں۔

۷- ساتویں ارواح مشتاقاں ہیں جو پردہ ہائے انوار صفات میں بساط ادب پر مقیم ہیں۔

۸- آٹھویں ارواح عارفاں ہیں حظیرۃ القدس میں مقیم ہیں اور صبح وشام اللہ کا کلام سنتی ہیں۔

۹- نویں ارواح دوستاں ہیں مشاہدہ جمال الٰہی میں مستغرق ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں جانتیں۔

۱۰- دسویں ارواح درویشاں ہیں جو محل فنا میں مقیم ہیں اور ان کے اوصاف و احوال یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

بائیسویں فصل

معرفت الٰہی کی بحث

حضرتؒ نے فرمایا

کسی بھی درجے میں ہو انسان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے اس لئے کہ یہی اس کا مقصد تخلیق ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن [1]

کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لیعرفون سے کی ہے یعنی ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا معرفت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک علمی (۲) دوسری حالی

معرفت علمی: دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے بہت سے لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں البتہ جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے وہ اس معاملے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کی قیمت اور اس کی حیثیت کا تعین معرفت ہی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ علماء اور فقہاء صحت علم کو معرفت علمی کا ذریعہ اور سبب تصور کرتے ہیں

معرفت حالی: حضرات صوفیہ صحت حال کو معرفت کے لیے ضروری تصور کرتے ہیں

معتزلہ کا عقیدہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں

یہ قول باطل ہے اس لیے کہ ان دیوانوں پر جو دارالاسلام میں بستے یا بچوں پر جو عاقل نہیں ہوتے ایمان کا حکم لگایا جاتا ہے۔ تو اگر معرفت کی علت عقل ہوتی تو ان پر یہ حکم لگانا درست نہ ہوتا۔ اسی طرح عقل مند کافروں پر معرفت کا حکم لگایا جاسکتا

---

[1] الذاریات: ۵۶

تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

ایک گروہ معرفت کی علت "استدلال" کو قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بجز مستدل کے کسی کو معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ قول بھی باطل ہے اس لیے کہ ابلیس سے بڑھ کر کون حجتی ہو سکتا ہے کہ اس نے جنت دوزخ، عرش کرسی سب کچھ دیکھا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ [1]

(اگر ہم ان کافروں پر فرشتوں کو نازل کرتے اور مردے قبروں سے نکل کر ان سے کلام کرتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔

تو اگر آیات و استدلال ایمان و معرفت کی علت ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان باتوں کو علت قرار دیتا نہ کہ مشیئت کو۔ معلوم ہوا کہ مشیئت الٰہیہ کے سوا دوسری چیز معرفت کی علت نہیں۔ عقل تو خود جاہل ہے اور بغیر عنایت الٰہی نابینا ہے وہ دوسروں کو کس طرح عارف بنا سکتی ہے بہت سے ملحدین اور اہل ہوا دلائل کے انبار اپنے پاس رکھتے ہیں لیکن معرفت سے کورے ہوتے ہیں البتہ عنایت الٰہی جن کے شامل حال ہو جاتی ہے ان کی تمام حرکات معرفت ہوتی ہیں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کرنا چاہیئے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ [2]

ترجمہ: جو مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا۔

---

[1] الانعام: ۱۱۱

[2] الانعام: ۱۲۲

Marfat.com

وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ [1]

ترجمہ: اور ہم نے اس کے لیے نور رکھا جس کی روشنی میں وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ [2]

ترجمہ: اور جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کیلئے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ [3]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا [4]

ترجمہ: اور اس کی اطاعت نہ کر وجس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے قدرت حیات۔ عطائے نور۔ شرح صدر۔ قبض و بسط۔ ختم قلوب۔ ابتلاء غفلت۔ یہ تمام چیزیں اپنے قبضے میں رکھنے کا اظہار فرمایا ہے۔ تو محال ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیئت و عنایت کے معرفت حاصل ہو سکے۔ عقل و استدلال یکے از اسباب معرفت تو ہو سکتے ہیں علت معرفت درحقیقت عنایت الٰہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] الانعام: ۱۲۲

[2] الزمر: ۲۲

[3] البقرۃ: ۷

[4] الکہف: ۲۸

Marfat.com

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ اس آیت کریمہ میں اس نے تحبیب و تزئین کی نسبت بھی اپنی طرف کی۔

استدلال اس لیے بھی علت معرفت نہیں بن سکتا کہ استدلال بذات خود اعراض عن الحق ہے۔ کیونکہ استدلال کہتے ہی ہیں غیر حق میں تامل کرنے کو اور معرفت کی حقیقت اعراض عن الغیر ہے۔ عادت یہ ہے کہ اشیاء کا وجود استدلال سے ثابت ہو اور معرفت خلاف عادت چیز ہے۔ معرفت تو وہ مقام ہے جہاں عقل متحیر ہوتی ہے۔ یہ مقام کسب سے نہیں بلکہ لطف و عنایت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ معرفت کا تعلق خزانۂ غیب سے ہے۔ اور جو چیز کسب سے حاصل ہوتی ہے اس پر کسب کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور مکتسب مغلوب ہوتا ہے۔ یہ محال ہے کہ کسب بندہ غالب اور معرفت خداوندی مغلوب ہو۔ لہٰذا کمال یہ نہیں ہے کہ بذریعہ استدلال فاعل ہستی کا اثبات کیا جائے بلکہ کمال اس میں ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اپنی ہستی کی نفی کرے۔ عقل سے جو معرفت بھی حاصل ہو گی حقیقت ہمیشہ اس کے برخلاف ظاہر ہو گی۔ اور اگر کوئی دوسری شے بصورت معرفت شکل اختیار کرے تو وہ خلاف عقل و استدلال ہو گی جسے عقل تسلیم نہیں کرے گی۔ لہٰذا معرفت کے باب میں عقل و استدلال کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہاں تو صرف عجز و بے چارگی کا احساس کام کرتا ہے کہ اس کی بارگاہ کے دروازے پر آدمی پڑا رہے اور الحاح و زاری کرے کہ کشود کار ہو۔ جن لوگوں نے معرفت کی راہ پائی ہے اسی طرح پائی ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عقل جب دیکھتی ہے کہ دل اپنی مراد کو پہنچ رہا ہے تو اپنا

---

[1] الحجرات ۷

تصرف شروع کرتی ہے۔اور چونکہ عقل کے ذریعہ یافت نہیں ہو پاتی اس لیے متحیر ہو جاتی ہے۔اور حالت تحیر میں معزول ہو جاتی ہے۔ عقل جب معزول ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لباس خدمت پہناتا ہے۔اور فرماتا ہے کہ جب تک تو اپنے ذرائع استعمال کرتا رہا وہ ذرائع ہی تیرے لیے حجاب بنتے رہے اور جب منزل نہ مل سکی تو تو درماندہ ہو کر بیٹھ گیا اور یہی درماندگی ہی معرفت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ اور رحمت الٰہی آگے بڑھ کر دستگیری کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کو اپنی معرفت سے آشنا کر دیتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفت الہامی چیز ہے۔یہ بھی محال ہے کیونکہ الہام کے خطا او رصواب ہونے پر کوئی برہان قائم نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ایک آدمی کہے گا کہ مجھے بذریعہ الہام یہ معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر قائم ہے دوسرا کہے گا کہ میرا الہام یہ ہے کہ وہ لامکانی ہے۔ دونوں اشخاص دلیل میں اپنا اپنا الہام پیش کریں گے اس وقت ایک اور دلیل کی ضرورت پیش آئے گی جو دونوں کے درمیان صدق وکذب کا فیصلہ کرے۔اس وقت دلیل فیصلہ کن ثابت ہو گی اور الہام باطل قرار پائے گا۔یہ قول برہمنوں کا ہے۔اور ان کے یہاں یہی صورت ہے کہ وہ متضاد دعوے کرتے ہیں۔لہٰذا معرفت بذریعہ الہام سراسر باطل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفت ضروری ہے۔یہ قول بھی باطل ہے اس لیے کہ جو چیز ضروری ہوتی ہے عقلائے زمانہ اس میں مشترک ہوتے ہیں اور ان میں سے کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن معرفت کے باب میں ایسا نہیں ہے بلکہ بعض عقلاء اس کا انکار کرتے ہیں اور اس سلسلے تشبیہ وتعطیل کو بھی روا رکھتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ معرفت ضروری نہیں ہے۔ مثلاً آسمان زمین۔ درد والم وغیرہ کے وجود میں عقلاء شک نہیں کرتے اس لیے کہ یہ ضروری چیزیں ہیں معرفت کے

Marfat.com

معاملے میں ایسا نہیں ہے۔

صوفیہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم اسے بدیہی طور پر پہچانتے ہیں اس لیے کہ ہمارے دل میں شک کا ایک معمولی سا کانٹا بھی نہیں چبھتا۔ اس اعتبار سے تو ان کا قول درست ہے کہ انہیں معرفت کے معاملے میں یقین کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور اگر وہ اپنے اس یقین کو "ضرورت و بداہت" کا نام دیں تو درست ہے لیکن انداز بیان کے اعتبار سے وہ مخطی ہیں۔ کیونکہ علم ضروری میں صحت کی تخصیص روا نہیں ہوتی اس لیے کہ عقلاء ہیں پھر تخصیص کیسی؟ دوسری بات یہ کہ علم ضروری عملی ہوتا ہے جو دل میں خود بخود نمودار ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں استاد ابو علی دقاق اور شیخ ابو سہل صعلوکی رحمہما اللہ کا قول کسی قدر درست ہے کہ معرفت کی ابتدا استدلال سے ہوتی ہے اور انتہا علم ضروری کی صورت میں یہ بات اہل سنت والجماعت کے ایک قول سے بھی ثابت ہے۔

قول فیصل حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اصل بات یہ ہے کہ بندہ کو علم و معرفت بغیر اعلام و ہدایت ازلی کے میسر نہیں ہو سکتی۔ یہ درست ہے کہ یقین و معرفت میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اصل معرفت اپنی جگہ قائم رہتی ہے اس میں کمی و بیشی کا امکان نہیں۔ معرفت میں تقلید نہیں چاہیئے بلکہ اسے اس کی صفات کمالیہ کے وسیلے سے پہچاننے کی سعی کرنی چاہیئے۔ اور یہ کام بغیر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت اور اس کی بے پایاں عنایات کے انجام نہیں پا سکتا۔ دلائل و عقول سب کچھ اللہ کی ملکیت اور اس کے تصرف میں ہیں اگر وہ چاہے تو اپنے افعال میں کسی فعل کو دلیل بنا دے اور وہی فعل رہنمائے معرفت بن جائے اور اگر چاہے تو اسی فعل کو حجاب بنا دے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ایک جماعت کے لیئے حجاب اور ایک جماعت کے

Marfat.com

لیئے دلیل راہ ہے۔ جس جماعت نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے کلمہ ہیں۔ اس نے انہی کے ذریعہ معرفت خداوندی حاصل کی اور جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا اور انہیں معبود مان کر ان کی پرستش شروع کر دی وہ حجاب میں پڑ گیا۔ دنیا کی وہ تمام چیزیں جن کے ذریعہ معرفت حاصل کی جاتی ہیں اسباب معرفت کا درجہ رکھتی ہیں نہ کہ علت معرفت کا۔ علت تو صرف ایک ہے اور وہ ہے مشیئت ایزدی اور اس کی نظر کرم چنانچہ یہ صحیح ہے کہ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا) جس کے نصیب میں شقاوت لکھی ہو اسے کوئی استدلال و برہان راہ ہدایت نہیں دکھا سکتا۔

ابراہیم علیہ السلام دن کے وقت غار سے باہر تشریف لائے تھے ان کی نگاہ بے شمار آیات الٰہیہ پر پڑی لیکن رات میں جب انہوں نے ستاروں اور چاند کو دیکھا تو لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ کا اعلان فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے آیات الٰہیہ اور نوامیس فطرت موجود ضرور ہیں لیکن معرفت کے باب میں مشیئت علت اولین ہے۔ اسی لیے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ایاك ان تكون بالمعرفة مدعيا۔
خبردار خبردار کبھی معرفت کا دعویٰ نہ کرنا۔
کہ اس میں ہلاکت کا امکان ہے۔

Marfat.com

تیسویں فصل
حقیقت توحید

حقیقت توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات میں اکیلے ہونے کا یقین کیا جائے۔ اور یہ یقین علم صحیح کی بنا پر ہو۔ اور یہ ایمان رکھا جائے کہ وہ لاثانی، بے مثال، بے عدیل و بے نظیر ہے۔ توحید کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ایک حق تعالیٰ کی توحید حق تعالیٰ کے لیئے۔

اس سے مراد حق تعالیٰ کا اپنے بارے میں یہ جاننا کہ وہ واحد واحد ہے۔

۲ دوسری توحید حق خلق کے لیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خلق کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی ذات وصفات کے بارے میں واحد واحد جاننے کا خیال ہو۔

۳ تیسری توحید توحید خلق حق کے لیے۔

اس سے مراد خلق کا اللہ تعالیٰ کو واحد جاننا ہے بندہ جب عارف بحق ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر حکم کر سکتا ہے

توحید کے بنیادی حقائق

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ وہ ایک ہے۔

وصل و فصل سے پاک۔ اس پر دوئی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا ایک نہیں جس کے ساتھ ایک اور ملا کر دو بنایا جا سکے۔ وہ محدود نہیں کہ اس کے لیے جہات ہوں۔ اس لیئے کہ وہ جہات کا خالق ہے۔ اس کے لیے مکان نہیں اور وہ مکان کا محتاج بھی نہیں۔ وہ عرض نہیں کہ جوہر کا محتاج ہو۔ وہ ایسا جوہر بھی نہیں جس کا مثل ہو۔ وہ طبعی نہیں کہ حرکت و سکون کے لیے محل کا محتاج ہو۔ روح نہیں کہ جسم کا محتاج ہو۔ جسم نہیں کہ اجزاء سے مرکب ہو۔ ہر نقصان اور نقص سے پاک ہے۔ ہر آفت اور

Marfat.com

عیب سے بلند ہے۔ اس کے مانند کوئی چیز نہیں کہ وہ اس سے مل کر دو ہو جائے۔ اس کے بال بچے نہیں کہ اس کی نسل چلے۔ اس کی ذات وصفات میں تغیر نہیں۔ وہ جملہ صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے۔ مومن وموحد لوگ اسے جن صفات سے متصف مانتے ہیں وہ وہی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتلائی ہیں۔ ملحدوں نے جو صفات اس کی طرف منسوب کی ہیں وہ ان سے بری ہے۔ وہ رؤف ورحیم ہے۔ حی وحلیم ہے۔ ارادہ کرنے والا اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے پر قادر مطلق ہے۔ وہ سمیع و بصیر متکلم وباقی ہے۔ وہ عالم ہے لیکن اس کا علم اس میں حلول نہیں کرتا۔ اس کی قدرت اس کے وجود کے اندر داخل نہیں۔ اس کی صفت سمع وبصر ہمیشہ سے ہے اور یکساں ہے۔ اس کے کلام میں تبعیض وتحدید نہیں۔ وہ ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ معلومات میں سے کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔ موجودات اس کے ارادے کے سامنے مقہور ہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے وہ جانتا ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو اس کے اسرار کا علم نہیں۔ اس کا فیصلہ ہمیشہ برحق ہوتا ہے۔ اس کے دوستوں کو اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کا حکم ہمیشہ حتمی ہوتا ہے اس کے چاہنے والوں کو اس کی فرمانبرداری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تقدیر میں خیر وشر کو مقرر کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے سوا کسی سے نہ امید لگانا جائز ہے نہ کسی سے ڈرنا درست۔ نفع اور نقصان کا وہی مالک ہے۔ اس کے حکم کے بغیر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہوتا ہے اس کی قضا پر راضی ہونے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا دیدار صرف اہل بہشت کے لیے ہے۔ وہ ہر قسم کی تشبیہ وجہت سے پاک ہے۔ اس کا نہ کوئی مقابلہ کر سکتا ہے نہ سامنا۔ اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی

Marfat.com

میں اس کے اولیاء کو اس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے

حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

اہل سنت والجماعت نے اس عظیم کائنات پر غور کیا۔ اس کی عجیب و غریب مسافت کو دیکھنے کے بعد انہوں نے یہ محسوس کیا کہ بغیر کسی عظیم صانع کے اتنی عظیم الشان تخلیق وجود میں نہیں آسکتی۔ یہ چاند۔ یہ سورج۔ یہ زمین آسمان بحر و بر طیور و وحوش خود بخود کیسے پیدا ہو سکتے ہیں لہٰذا لازماً ان کا کوئی خالق و فاعل ہے۔ اور وہ ایک ہی صانع کامل ہے کیونکہ ایک فعل کیلئے دو فاعل کی ضرورت نہیں ہوتی اگر دو ہوں تو ایک دوسرے کا محتاج ہوگا اسی مقام پر ہمارا اور ثنویوں کا اختلاف واضح ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس کائنات میں دو قوت موثرہ مانتے ہیں ایک نور اور دوسری ظلمت یا زرتشتی جو یزدان و اہرمن (یعنی خالق خیر اور خالق شر) دو خدا مانتے ہیں۔ یا طبعی لوگ جو فطرت کو خالق مانتے ہیں۔ یا فلکی جو سات سیاروں کو مؤثر حقیقی تسلیم کرتے ہیں۔ یا معتزلہ جن کے عقیدے کی رو سے بے شمار خالق و صانع ہیں۔ میں نے ان تمام باطل جماعتوں اور عقائد کی تردید اپنی کتاب "الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ" میں کر دی ہے۔ [1]

اقوالِ مشائخ

حضرت ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اصولنا فی التوحید خمسة اشیاء رفع الحدث واثبات القدم وهجر الاوطان ومفارقة الاخوان ونسیان ما علم وجهل۔

---

[1] افسوس کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب اب ناپید ہے۔

Marfat.com

ترجمہ: توحید میں ہمارے پانچ اصول ہیں۔ حدث کو رفع کرنا۔ قدم کو ثابت کرنا۔ وطن سے ہجرت، بھائیوں سے جدائی، اور معلوم و مجہول ہر چیز کا کامل نسیان۔

رفع حدث کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات واحد واجب الوجود جو ہر قسم کے شائبہ حدث سے مبرّا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کا حدث وابستہ نہ کرنے دیا جائے اثبات قدم سے مراد یہ ہے کہ وہ ذات ازلی و ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ ہجراوطان سے مراد یہ ہے کہ اس کی طلب میں انسان اپنے نفس کے تمام مالوفات اور اپنے دل کی ہر قرار گاہ کو ترک کر دے تمام رسومات، طبعی خواہشات، آرزوئے کرامت، خوبیٔ احوال ہر چیز سے منہ موڑ کر صرف اس کی بارگاہ کا متلاشی رہے۔ اور عجز و انکسار الحاح وزاری کے ساتھ اس کے در پر پڑا رہے۔ بھائیوں سے جدائی کا مفہوم یہ ہے کہ خلق کی صحبت سے گریز کرے۔ اور ہمہ تن محبوب حقیقی پر اپنی تمامتر توجہات کو مرکوز رکھے۔ کیونکہ اس راہ میں جو بھی اندیشۂ غیر آئے گا وہ راہ کو کھوٹا کر دے گا۔ اور بندے اور رب تبارک وتعالیٰ کے درمیان حجاب بن جائے گا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "توحید یہ ہے کہ موحد کو اپنے امور میں تصرف نہ رہے اللہ تعالیٰ کے بحرِ وحدانیت میں ایسا غرق ہو جائے کہ خود اپنے وجود کو بھی نہ دیکھے اور مقام قرب میں اس کا نفس فانی ہو جائے۔ اور اس کی کیفیت ایسی ہو جائے کہ جب اس پر احکام حق جاری ہونے لگیں تو وہ بے حس ہو جائے جیسا کہ وہ روز ازل میں تھا۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اشرف كلمة فى التوحيد قول ابى بكر رضى الله عنه

Marfat.com

سبحان من لم یجعل لخلقہٖ سبیلا الی معرفتہٖ الا بالعجز عن معرفتہٖ۔

ترجمہ: توحید کے باب میں سب سے اشرف وافضل قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لیے اپنی معرفت کی راہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں رکھی ہے کہ خلق اس کی معرفت سے اپنی عاجزی کا اظہار کر دے۔

بہت سے لوگوں کو اس قول سے دھوکا ہوا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معرفت سے عجز بے معرفتی ہے حالانکہ یہ محال ہے۔ کیونکہ عجز حالت موجود میں صورت پذیر ہوتا ہے حالت معدوم میں عجز صورت پذیر ہی نہیں ہوتا جیسے مردہ حیات سے عاجز نہیں اس لیے کہ موت میں موت سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ عجز کا نام اس کی قوت کو محال کر دیتا ہے اسی طرح اندھا بصارت سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ نابینائی بینائی سے عاجز ہوتی ہے۔ تو معرفت سے عاجز ہونے کا مطلب بے معرفتی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے معرفت تو کسی درجے میں اس کے اندر موجود رہتی ہے۔ اور بوقت ضرورت ظاہر ہوتی ہے

غرضیکہ توحید اسرار الہیہ میں سے ایک سر ہے اور اسے الفاظ وعبارت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ اس لیے یہ مقام عبارت آرائی کا نہیں ہے کیونکہ عبارت اور معنی میں بڑا فرق ہے اور توحید میں غیر کا اثبات شرک ہے

چوبیسویں فصل

حقیقت ایمان

لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا۔

(اے ایمان والو! ایمان لاؤ) یعنی جن باتوں پر ایمان لا چکے ہو صحیح معنوں میں ان کی تصدیق کرو تاہم ایمان کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔

معتزلہ تمام طاعتوں کو خواہ وہ علمی ہوں یا عملی ایمان کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک گناہ کرنے سے بندہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یہی عقیدہ خوارج کا بھی ہے ان کے نزدیک گناہ کے ارتکاب سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان قول کا نام ہے (یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنا)

ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان "معرفت" کا نام ہے۔ متکلمین کی ایک جماعت کے نزدیک ایمان محض "تصدیق" کا نام ہے اس مقام پر صرف صوفیہ کے عقائد سے گفتگو کی جائے گی فقہاء کی طرح صوفیہ کے درمیان بھی ایمان کے بارے میں دو نظریات ہیں۔

۱۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان زبانی اقرار۔ قلبی تصدیق۔ اور عمل بالارکان کا نام ہے اس گروہ میں فضیل بن عیاض۔ بشر حافی خیر النساج اور ابو حمزہ بغدادی رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ایمان زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے اس گروہ میں حضرت ابراہیم ادہم۔ حضرت سلطان بایزید بسطامی حضرت ذوالنون مصری رحمہم اللہ اجمعین جیسے اکابر ہیں۔

فقہاء میں امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد رحمہم اللہ اجمعین پہلا قول مانتے ہیں اور امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف داؤد طائی رحمہم اللہ اجمعین دوسرے قول کے قائل ہیں۔

Marfat.com

ایمان کی اصل و فرع اہل سنت والجماعت اور اہل تحقیق و معرفت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ایمان کی اصل اور فرع ہے۔

اصل ایمان قلبی تصدیق ہے اور اس تصدیق کی عملاً رعایت اس کی فرع ہے چونکہ اہل عرب عادۃً فرع کو استعارۃً اصل کے نام سے یاد کرتے ہیں مثلاً دھوپ کو آفتاب تقریباً ہر زبان میں کہا جاتا ہے اس لیے ایک گروہ طاعات کو بھی ایمان ہی کہتا ہے کیونکہ بغیر عبادت اور عمل کے بندہ عذاب سے محفوظ نہیں ہو سکتا اور عذاب سے بچانے والی چیز محض تصدیق نہیں ہے بلکہ عمل کی بھی ضرورت ہے اور جس کا جتنا زیادہ عمل ہوگا اتنا ہی وہ عذاب سے محفوظ رہے گا چونکہ طاعات عذاب سے مامون رہنے کی علت ہیں اس لیئے طاعات کو بھی ایمان کا جز کہا جانے لگا۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ عذاب سے مامون ہونے کی علت طاعات نہیں معرفت ہے۔ تاہم معرفت کے بغیر بھی اگر اعمال صالحہ ہوں تو بندے کی نجات ہو سکتی ہے۔ اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے لغزشیں معاف فرما دے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی بدولت چھٹکارا ہو جائے۔ یا جرم و گناہ کے مطابق عذاب ہو اور پھر سزا بھگتنے کے بعد آدمی جنت میں داخل کر دیا جائے۔

بہر حال یہ بات تقریباً متفق علیہ ہے کہ ایمان معرفت اقرار باللسان اور عمل کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کو جو بھی پہچانے اسے اس کے اوصاف ہی سے پہچان سکتا ہے اور اس کے خاص قسم کے اوصاف کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وہ اوصاف جن کا تعلق حال سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق کمال سے ہے۔ تیسرے وہ جن کا تعلق جلال سے ہے۔

یعنی اوصاف حالی۔ اوصاف کمالی اور اوصاف جلالی۔

Marfat.com

عام لوگوں کے لیے اس کی معرفت کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کے کمالات پر غور کر کے اسے پہچاننے کی کوشش کرے۔

جو بذریعہ مشاہدۂ جمال اپنے اندر ایک حال پیدا کرتے ہیں ان کے لیے بس یہی راستہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے مشاہدہ جمال میں مستغرق رہیں۔

جو بذریعہ جلال اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں وہ ہر آن ہیبت زدہ رہتے ہیں تاہم بشری حجابات کو اٹھانے میں محبت سب سے زیادہ مؤثر ہے اور محبت کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب کی اطاعت کی جائے۔

توحید کے تقاضے

زبانی کلامی توحید کا دنیا میں اعتبار ہوتا ہے مالک الملک کی بارگاہ میں زبانی دعوائے توحید کی کوئی اہمیت نہیں۔ صحیح معنوں میں اگر کسی کے باطن میں توحید راسخ ہو جائے تو وہ اپنی آنکھوں کو منہیات کو دیکھنے سے باز رکھتا ہے اور اس کائنات ہست و بود میں پھیلی ہوئی بے شمار آیات الٰہیہ پر غور و فکر کرتا ہے۔ اس کے کان صرف اللہ ہی کا کلام سنتے ہیں۔ وہ اپنے معدے کو حرام غذا سے خالی رکھتا ہے زبان پر صدق جاری رہتا ہے۔ اور جسم کا ہر ہر عضو منہیات سے محفوظ رہتا ہے۔

حاصل کلام

غرضیکہ حقیقت ایمان یہ ہے کہ بندہ کے کل اوصاف اللہ کی طلب میں مستغرق ہوں۔ اور ہر ایمان والا یہ جانتا ہے کہ جب سلطان معرفت قلب پر غلبہ حاصل کرتا ہے تو پھر تمام ناپسندیدہ اوصاف و خصائل کو مغلوب کر دیتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ اذا طلع الصباح بطل المصباح جب دن طلوع ہو جاتا ہے تو

Marfat.com

چراغ معطل ہو جاتا ہے۔ اور دن آپ اپنی دلیل ہے اس کے اثبات کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا [1]

ترجمہ: بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے نظام کو اتھل پتھل کر دیتے ہیں۔

اسی طرح جب شہنشاہ معرفت دل کی بستی میں داخل ہوتا ہے تو اسے تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔ اور ظن و گمان، وساوس و اوہام فانی ہو جاتے ہیں۔ اور سلطان معرفت عارف کے حواس و خواہشات کو اپنا مطیع بنا لیتا ہے۔ تاکہ جو کچھ کرے یا کہے یا دیکھے دائرۂ امر میں ہو۔ ایمان کا تعلق غیب سے ہے۔ اس لیے کہ ہم جن باتوں پر ایمان لاتے ہیں انہیں اپنی چشم سر سے نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کا یقین بخشتا ہے پس صحیح معنوں میں معلم و معرّف اس کی ذات بے پایاں ہے عارفوں اور عالموں کے دل میں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے شمع معرفت و ایقان روشن فرماتا ہے اور اس سلسلے میں ان کا کسب منقطع ہو جاتا ہے

پچیسویں فصل

حقیقتِ طہارت

ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ جو بندے پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ طہارت کرے اور نماز ادا کرے۔ نماز کے لیے ضروری ہے کہ اگر بے وضو ہو

---

[1] النمل: ۳۴

Marfat.com

تو وضو کرے جنابت ہو تو غسل کرے اور اگر پانی میسر نہ ہو یا مریض ہو یا مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو۔ یا بیمار ہو جانے کا خوف ہو تو تیمم کرے۔ وضو۔ غسل اور تیمم کے احکام لوگوں کو معلوم ہیں۔

طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طہارت ظاہر اور دوسری طہارت دل جس طرح ظاہری طہارت کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اسی طرح بغیر دل کی طہارت کے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ طہارت ظاہری کے لیے ضروری ہے کہ پاک اور غیر مستعمل پانی کو استعمال کیا جائے اسی طرح دل کی طہارت کے لیے توحید خالص کی ضرورت ہے جو ہر قسم کی آمیزش سے مبرّا ہو۔

طائفہ صوفیہ ہمہ وقت طہارت ظاہری کے ساتھ ساتھ طہارت باطنی کو قائم رکھتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

داوم علی الوضوء یحبك حافظاك (وضو پر مداومت اختیار کرو تمہارے محافظ فرشتے تم سے محبت کریں گے) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ [1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور طہارت اختیار کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا فرماتے:

اللھم طھر قلبی من النفاق۔

اے میرے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر دے۔

حالانکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں نفاق کے شائبے

---

[1] البقرۃ: ۲۲۲

Marfat.com

کا بھی گزر نہیں تھا۔ تاہم آپ نے بھی نفاق سے طہارت کی دُعا فرمائی کیونکہ اپنی عزت وکرامت کو دیکھنا بھی مزاج توحید پر بار ہے۔ اور شاید اسے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاب تصور فرمایا ہو۔ اسی لیے سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین

(عارفوں کا نفاق سالکین کے اخلاص سے افضل ہے) یعنی

؎ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

طہارت ظاہری سے طہارت باطنی تک

آغاز طہارت میں جب دونوں ہاتھ دھوئے تو تصور کرے کہ وہ حب دنیا سے ہاتھ دھو رہا ہے۔ جب کلی کرے تو تصور کرے کہ اپنے منہ کو غیر کے ذکر سے پاک کر رہا ہے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو اپنی ناک کو تمام حرام خوشبوؤں سے پاک کرے۔ جب چہرہ دھوئے تو غیر اللہ سے کامل اعراض کا عہد کرے۔ ہاتھ دھوتے وقت اپنی دنیا کے تمام حصوں سے ہاتھ دھو ڈالے مسح کرتے وقت اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کی سپردگی میں دے دینے کا تصور کرے۔ اور پیر دھوتے وقت یہ عہد کرے کہ ان پیروں کو صرف راہ حق پر قائم رکھے گا۔ اگر اس طرح کوئی وضو کرے تو ظاہر کے ساتھ ساتھ اسے باطنی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب دنیا کا اندیشہ میرے دل پر گزرتا ہے تو میں وضو کرتا ہوں اور جب عقبیٰ کی فکر میرے دل پر آتی ہے تو غسل کرتا ہوں۔ کیونکہ دنیا محدث ہے تو اس کا اندیشہ بمنزلہ حدث کے ہے اور عقبیٰ دار راحت ہے لہٰذا اس کا اندیشہ جنابت کا حکم رکھتا ہے۔

چھبیسویں فصل

حقیقت توبہ

سالکوں کا اول مقام "توبہ" ہے۔ لغت میں توبہ کے معنیٰ "رجوع کرنے" کے ہیں۔ لہٰذا توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی منہیات سے لوٹ کر ان امور کی طرف متوجہ ہو جائے جو اس کی بارگاہ عالی میں پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحًا[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[2]

ترجمہ: مومنو! سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من شیء احب الی اللہ من شاب تائب

ترجمہ: نوجوان توبہ کرنے والے سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں ہے

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ۔

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی جیسے کہ اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو۔

لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توبہ کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے

---

[1] التحریم: ۸

[2] النور: ۳۱

Marfat.com

فرمایا:

الندم توبة (ندامت ہی توبہ ہے)

توبہ کی شرائط توبہ کی تین شرطیں ہیں۔(۱) پہلی شرط یہ کہ مخالفت حکم ربانی پر افسوس کرے (۲) دوسری شرط یہ کہ اس میں احساس ندامت ہو (۳) اور تیسری شرط یہ کہ آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم بالجزم کرے

مقامات توبہ توبہ کے تین مقامات ہیں ایک توبہ دوسرے انابت تیسرے اوبت توبہ عذاب الٰہی کے خوف کے بعد ہوتی ہے۔ انابت ثواب پانے کی امید کو کہتے ہیں اور اوبت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت کرنے کے عہد کو کہتے ہیں توبہ عام مسلمانوں کے لیئے ہے جس کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا [1]

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو۔

انابت اولیاء اللہ اور مقربان بارگاہ کا مقام ہے قرآن کریم میں ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ [2]

ترجمہ: جو اللہ سے ڈرا اور عاجز دل لے کر حاضر ہوا۔

اوبت انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا مقام ہے۔

---

[1] التحریم: ۸

[2] ق: ۳۳

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ [۱]

ترجمہ: وہ اچھا بندہ ہے اور رجوع کرنے والا ہے۔

گویا توبہ کبائر سے کی جاتی ہے۔ انابت صغائر سے اور اوبت اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو کہتے ہیں۔

جب بندے پر گناہ کی آفتیں واضح ہو جاتی ہے اور وہ اس سے رہائی کی خواہش کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے توبہ کے اسباب آسان فرما دیتے ہیں اور اسے گناہ کی بدبختی سے نجات دے کر اطاعت کی حلاوت سے آشنا فرماتے ہیں

ایک علمی اختلاف

تمام مشائخ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص بیک وقت متعدد گناہوں میں مبتلا ہو اور ان میں سے کسی ایک گناہ سے توبہ کرے اور دوسرے گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے تو جس گناہ سے توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہو گی اور ممکن ہے کہ اس کی اس توبہ کی برکت سے اسے دوسرے گناہوں سے بھی خلاصی حاصل ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو جن گناہوں پر اصرار کرے گا ان کی سزا اس کو ملے گی۔ مگر معتزلہ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام کبائر سے پرہیز نہ کرے اس کی توبہ پر لفظ توبہ صادق ہی نہیں آ سکتا لیکن حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا مسلک درست نہیں کیونکہ اگر ایک شخص بعض فرائض بجا لاتا ہے اور بعض پورے نہیں کرتا تو کیا یہ ممکن ہے جن فرائض کو ادا کرتا ہے ان کا بھی ثواب باطل ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا انصاف کے منافی ہے یہی اصول توبہ کے معاملے میں بھی ہو گا۔

---

[۱] ص: ۳۰

Marfat.com

توبہ کے بعد نسیانِ گناہ

اس بارے میں بھی مشائخ کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا توبہ کے بعد سابقہ گناہ کو یاد رکھنا چاہیئے یا فراموش کر دینا چاہیئے؟

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت کا خیال ہے کہ "گناہ کو یاد رکھنا چاہیئے تاکہ اگر تیرا عمل بعد میں بہت بہتر ہو جائے تو تیرے اندر عجب نہ پیدا ہو" حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ تو اس کا نام ہے کہ گناہ تجھے فراموش ہو جائے کیونکہ توبہ کرنے والا محب ہوتا ہے اور محب حالت مشاہدہ میں رہتا ہے اور مشاہدے کی حالت میں غلط کاریوں کو یاد رکھنا بھی گناہ ہے۔ اس لیے کہ حالت وفا میں یاد جفا حجاب بن جاتی ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"محل قربت میں ذکر وحشت وحشت کا باعث ہوتا ہے تائب کو اپنا وجود تو یاد نہیں رہتا اپنا گناہ کیسے یاد آئے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یاد گناہ اپنی جگہ پر خود گناہ ہے کیونکہ یہ محل اعراض ہے توبہ تائید ربانی ہے اور معاصی فعل جسمانی سے صادر ہوتی ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تائید ربانی کے لمحات میں افعال جسمانی کو یاد نہ رکھا جائے۔"

طریق توبہ توبہ تین طریق پر ہوتی ہے۔ ایک خطا سے صواب کی طرف۔ دوسرے ایک صواب سے دوسرے صواب کی طرف تیسرے اپنی ہستی سے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ اول کی مثال یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ [1]

---

[1] آل عمران: ۱۳۵

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے فحش کا ارتکاب کیا یا اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور پھر اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہ سے مغفرت طلب کی۔

دوسرے کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔

(اے اللہ میں تیری طرف رجوع ہو گیا)

تیسرے کی بے شمار مثالیں ہیں۔ اور اس کی ایک ظاہر و باہر مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہے کہ جب ایک مقام کی طرف ترقی فرماتے تو اس سے اسفل مقام سے توبہ فرماتے۔

مشائخ کا مؤقف

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
توبة العوام من الذنوب وتوبة الخواص من الغفلة عوام کی توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔

اس لیے کہ عوام کی باز پرس ان کے ظاہری معاملات و اعمال پر ہو گی جبکہ خواص سے باطنی معاملات کے بارے میں سوال ہو گا۔

حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"توبہ اصل میں یہ ہے کہ جب تجھے اپنا گناہ یاد آئے تو اس کی لذت دل میں نہ پائے۔ لہٰذا اگر معصیت پر کسی کو ندامت و حسرت ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ تائب ہے۔ کیونکہ گناہ کے ارتکاب میں اتنی آفت نہیں جتنی کہ اس کی خواہش میں ہے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

توبہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک توبۃ الانابۃ دوسری توبۃ الاستحیاء توبۃ الانابۃ تو یہ ہے کہ بندہ عذاب الٰہی کے خوف سے توبہ کرے اور توبۃ الاستحیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کی شرم سے توبہ کرے۔ اور اس کے کرم کا امید وار ہو۔ توبۂ انابت مشاہدہ جلال سے ہوتی ہے اور توبۂ استحیاء مشاہدہ جمال سے۔ اہل حیا حالت سکر میں ہوتے ہیں اور اہل انابت حالت صحو میں۔

Marfat.com

ستائیسویں فصل

حقیقتِ صلوٰۃ

حضرتؒ نے فرمایا:

از روئے لغت نماز مکروانقیاد کا نام ہے۔ اصطلاح فقہاء میں نماز عبادت کے اس معتاد طریقہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ نماز فرائض میں اہم ترین فریضہ ہے قرآن کریم میں سینکڑوں مقامات پر اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) کا حکم دیا گیا ہے۔ اور آخری وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصّلٰوۃ وما ملکت ایمانکم (میرے بعد نماز کا اور اپنے غلاموں اور باندیوں کا خیال رکھنا) ہر مسلمان عاقل بالغ پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے نماز کی چند شرائط ظاہری و باطنی ہیں۔

۱۔ اولین شرط طہارت ہے ظاہری نجاستوں سے اور دل کی طہارت شہوتوں اور نفسانی خواہشات سے۔

۲۔ دوسری شرط کپڑوں کی طہارت ہے نجاست سے اور وجہ حرام سے۔ کہ کپڑے حلال پیسوں سے خریدے گئے ہوں۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جگہ پاک ہو۔ اور باطن فساد و معصیت سے پاک ہو

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ استقبال قبلہ ہو۔ ظاہری قبلہ کعبہ ہے اور باطنی عرش

۵۔ پانچویں شرط قیام ہے بظاہر قیام پر قادر ہو اور بباطن روضہ قربت میں رب تبارک و تعالےٰ کے حضور میں حاضر ہو۔

۶۔ چھٹی شرط وقت ہے۔ بظاہر از روئے شرع نماز کا جو مقرر وقت ہے وہ آگیا ہو اور درجۂ حقیقت میں دوام وقت کی قید ہے۔

۷۔ ساتویں شرط خلوص نیت ہے بارگاہ رب العزت میں حاضری کے

ساتھ۔

۸۔ آٹھویں شرط یہ ہے کہ مقام ہیبت و فنا میں حاضر ہو۔ حالت قیام میں وصل کی کیفیت ہو۔ حالت قرأت میں ترتیل ہو۔ رکوع میں خشوع اور سجدے میں تذلل ہو۔ تشہد میں اجتماع اور سلام میں فناء صفات بشریہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ نماز کی حالت میں خشوع و خضوع کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کہ ہانڈی سے جوش کے وقت آتی ہے۔ نماز کا وقت آتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے جسم مبارک پر لرزہ طاری ہو جاتا اور جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور وہ فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آن پہنچا ہے جس کے اٹھانے سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا تھا۔

نماز کی باطنیت

نماز ایسی عبادت ہے کہ راہ حق کے سالکوں کو جتنے بھی مقامات و درجات ملے ہیں اسی عبادت کے ذریعہ ملے ہیں۔ نماز کے لیے جو طہارت کی جاتی ہے اسے بمنزلہ توبہ کے سمجھنا چاہیئے کسی شیخ کی بیعت بمنزلہ اصابت قبلہ کے ہے۔ قیام مجاہدۂ نفس، قرأت دوام ذکر، رکوع تواضع، سجود معرفت نفس، تشہد مقام انس اور تفرید و تجرید بمنزلہ سلام کے ہے۔

مشائخ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز ذریعہ حضور ہے۔ یا کیفیت غیبت۔ بعض حضرات اسے حضور اور بعض اسے ذریعہ غیبت کہتے ہیں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

Marfat.com

"نماز نہ ذریعہ حضور ہے نہ ذریعۂ غیبت۔ یہ تو امرالٰہی ہے اور امر کسی چیز کا ذریعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ علت حضور عین حضور اور علت غیبت عین غیبت ہوتی ہے اور امرالٰہی کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

نماز میں معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے) یہ اس لیے کہ جب آپ معراج میں تشریف لے گئے اور آپ کو محل قرب میں پہنچایا گیا تو سب سے پہلے آپ کے نفس کو کون ومکان کی بندشوں سے آزاد کرایا گیا۔ اور آپ کو مقام قلب پر پہنچایا گیا۔ پھر دل کو مقام روح پر اور روح کو مقام سر پر پھر سر تمام مقامات و درجات سے فانی ہوگیا۔ تمام نشانات بے نشانی میں گم ہوگئے۔ اور آپ مقام مشاہدہ میں پہنچے پھر مشاہدہ بھی غائب ہوگیا اور آپ مغائبہ کے مقام پر فائز ہوئے۔ اور آگے چل کر آپ مغائبہ سے معائینہ میں آئے اس وقت آپ کو شرف انسانیت کی تلاش ہوئی تو مادہ نفسانیت خاکستر ہوگیا اور قوت طبیعت یئست اور شواہد ربانی کی جلوہ پاشی شروع ہوئی ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف سفر شروع ہوا یہاں تک کہ اسرار ازل کا کشف شروع ہوگیا۔ آپ حسن ازل کے مشاہدے میں از حد مستغرق ہوگئے تو آپ نے فرمایا:

"میرے اللہ! اس عالم سے مجھے اب اس عالم بلا میں نہ لوٹا کہ میں اس لذت کو اب چھوڑنا نہیں چاہتا جواب ملا میرے محبوب میرا فیصلہ یہی ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں تاکہ میری

شریعت کو وہاں قائم کریں جو کچھ میں نے آپ کو یہاں دیا ہے۔ وہاں بھی دوں گا" آپ جب واپس تشریف لائے تو جب آپ کے دل میں اس عالم کا شوق مشاہدہ ابھرتا تو ارشاد فرماتے" بلال اذان دے کر مجھے راحت پہنچاؤ۔ چنانچہ آپ کی ہر نماز معراج اور وجہ قربت ہوتی۔ مخلوق آپ کو حالت نماز میں دیکھتی، جسم مبارک ملک میں ہوتا۔ روح ملکوت میں، جسم انسانی ہوتا اور روح مقام انس میں ہوتی تھی۔

الغرض نماز فنا نفس، بے خودی و سرشاری کی عبادت ہے تمام مشائخ سلف اور اولیائے سابقین نے نماز ہی کے ذریعہ مدارج عالیہ طے کئے ہیں اور اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے اور اپنے ظاہر و باطن میں ان کیفیات کو پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو شریعت و سلوک میں مطلوب ہیں۔

اٹھائیسویں فصل

محبت کی حقیقت

لفظ محبت کی لغوی تحقیق فرماتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعض علماء کی رائے ہے کہ:

لغوی تحقیق

محبت ماخوذ حبہ (بکسر حاء) سے ہے۔ حبہ اس بیج کو کہتے ہیں جو جنگل میں گر جاتا ہے اور گرد و غبار اسے ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر بارش ہوتی ہے اور اس سے کونپلیں پھوٹتی ہیں موسمی تغیرات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے یہاں تک کہ وہ بیج ایک درخت کی شکل اختیار

Marfat.com

کر لیتا ہے اور اس پر پھول پھل آتے ہیں۔ محبت بھی اسی طرح دل میں اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہے اور حضور و غیبت بلا و آفت، رنج و راحت اور فراق و وصال کا اس پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا۔

بعض کے نزدیک یہ لفظ "حب" بمعنی جوہڑ سے مشتق ہے۔ جس میں پانی بھرا ہو کہ نہ اندر کا پانی باہر جائے اور نہ باہر کا اندر آئے۔ ایسی ہی محبت ہے کہ جب دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو سوائے حدیث دوست کے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اور انسان کسی غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے۔ جنہیں خلعت خلت سے نواز اگیا تو دونوں عالم سے منہ پھیر کر صرف اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے طرح طرح کی آزمائشوں اور بلاؤں میں مبتلا کئے گئے لیکن قدم جادۂ مستقیم سے ایک اینچ بھی نہ ہٹا۔ اس لیے کہ ان کے قلب مبارک میں سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کی گنجائش نہ تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ محبت حب سے مشتق ہے جس کے معنی گھڑونچی ہے کہ چار لکڑیوں کو جوڑ کر اسے بناتے اور پھر اس پر گھڑا رکھتے ہیں محبت کو محبت اس لیے کہتے ہیں کہ محب رنج و راحت، عزت و ذلت اور اپنے دوست کی طرف سے نازل ہونے والی بلا و جفا کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک حب ماخوذ حب (بالفتح) سے ہے اور مراد اس سے "حبۂ دل" ہے۔ حبہ دل ہی پر دل کا نظام قائم ہے۔ چونکہ محبت "حبہ دل" میں قائم ہوتی ہے۔ اس لیے محل کی مناسبت سے محبت کو محبت کہنے لگے۔

Marfat.com

بعض کہتے ہیں کہ حب حباب سے ماخوذ ہے جو تیز بارش کے وقت یا پانی میں جوش آجانے کے وقت نمودار ہوتا ہے۔ محبت میں چونکہ وصل محبوب کے لیے غلیان و جوش ہوتا ہے اس لیے اسے محبت کہتے ہیں۔

حقیقت محبت | حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جان لو! کہ اللہ کی محبت بندے کے ساتھ اور بندے کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتا ہے بلکہ ان کے دوستوں کو بھی دوست رکھتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے اگر کوئی بھی اپنے دین سے پھر جائے (تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں ہے) وہ عنقریب ظاہر کرے گا ایک ایسی قوم کو جس سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اسے محبوب رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندوں کی محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث قدسی ہے۔

---

[1] المائدہ: ۵۴۔

من اھان لی ولیاً فقد بارزنی بالمحاربۃ۔

جس نے میرے کسی ولی کی توہین کی اس نے گویا مجھ سے اعلان جنگ کیا۔

ایک حدیث میں ہے:

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہٗ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہٗ۔

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

اذا احب اللہ العبد قال لجبریل یا جبریل انی احب فلاناً فاحبہٗ فیحبہٗ جبریل ثم یقول جبریل لاھل السمآء ان اللہ قد احب فلانا فاحبوہٗ اھل السماء ثم یضع لہٗ القبول فی الارض فیحبہٗ اھل الارض۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہے تو وہ جبریل علیہ السلام سے کہتا ہے اے جبریل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ سو جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فلاں بندے کو اپنا محبوب بنالیا ہے لہٰذا تم لوگ بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت ہو جاتی ہے اور اہل زمین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ان روایات سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ محبت کا یہ رابطہ دوطرفہ

Marfat.com

ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور بندے اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا قرآن وحدیث میں جہاں بھی ذکر ہے اس سے مراد اللہ تعالےٰ کی رحمت کا اس بندے پر نزول ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ اسے دنیا میں معزز و مکرم بناتا ہے اور اسے آخرت کے عذاب سے مامون کر دیتا ہے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اپنے اس بندے کو خلعت "عصمت" پہناتا ہے اس کے راز کو محفوظ رکھتا ہے اور عنایت ازلی اس کے لیے لازم کر دیتا ہے۔

اور بندے کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ ہے جو مومن مطیع کے دل میں پیدا ہوتی ہے تاکہ بندہ اپنے رب کی رضا جوئی میں مصروف ہو جائے۔ اور طلب رویت میں اس قدر محو ہو جائے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی گنجائش نہ ہو۔ اور وہ اسی کے ذکر و خیال میں ہمہ وقت گم رہے۔ تمام مالوفات سے بیزار ہو اور اسی کے قرب کی آرزو میں ہمہ وقت مضطرب و بے قرار رہے۔ اس محبت کی سب سے بڑی اور ناقابل انکار دلیل اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت ہے کہ اس راہ میں کوئی دعوائے محبت بغیر اطاعت کے مسموع نہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی اس محبت کو عام دنیوی محبتوں کی طرح نہیں جاننا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جو اس کے انعامات و احسانات کو دیکھتے ہیں اور اس سے

منعم و محسن کے ساتھ محبت کرنے کا جذبہ ان کے دل میں بیدار ہوتا ہے اور دوسرے وہ جو ہر انعام کو راہ محبت میں حجاب سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں انعام وہی ہے جو راہ منعم کی طرف رہبری کرے۔ محبین کا یہ گروہ اول الذکر گروہ پر فضیلت رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی عبارت محبت کے صحیح مفہوم کو واضح نہیں کر سکتی اس لیے کہ محبت سراسر حال ہے اور حال قال میں نہیں آ سکتا۔ اگر سارا جہان مل کر محبت کو اپنی طرف کھینچنا چاہے تو کامیاب نہیں ہو سکتا اور اگر سب مل کر اسے دفع کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ کیونکہ محبت موہبت الٰہیہ ہے نہ کسب کے ذریعہ آتی ہے نہ انسان کی کوشش سے دفع ہو سکتی ہے۔

ملحدین کا رد

ملحدین کہتے ہیں کہ بندہ دوستی و محبت میں ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جبکہ طاعتیں اس سے ساقط ہو جاتی ہیں اور عبادات معاف۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خالص زندقہ اور شدید قسم کی گمراہی ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ صحت عقل کی حالت میں عبادات و فرائض بندہ پر سے معاف ہو جائیں۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کبھی بھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک صحیح العقل آدمی پر سے شریعت کا حکم ساقط ہو سکتا ہے تو پھر سب پر سے اس کا ساقط ہونا جائز ہو سکتا ہے۔ اور یہ چیز در حقیقت شریعت کو منسوخ قرار دینے کی ایک کوشش ہے۔ یہ نظریہ زندیقوں اور دشمنان دین کا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص مجذوب یا دیوانہ ہو گیا ہے تو اس پر سے شریعت کے احکام شرعاً ساقط ہو جاتے ہیں۔ لیکن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں یہ حق کہاں سے مل سکتا ہے کہ اسے اطاعت کی تکلیف سے

Marfat.com

مستثنیٰ کر دیا جائے۔ بلکہ جتنی محبت زیادہ ہوگی اطاعت کی توفیق اتنی ہی اس پر آسان ہوتی جائے گی۔ یہ حقیقت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ظاہر ہے۔ آپ سے بڑھ کر کون اللہ کا محبوب ہوگا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر کی قسم (لعمرک کہہ کر) کھائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں اس قدر اضافہ فرما دیا کہ رات رات بھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک ورم کر آتے تب آیت نازل ہوئی۔

طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی [1]

ترجمہ: طٰہٰ ۝ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

حکم ہوا:

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا [2]

ترجمہ: اے کمبلی لپیٹ کر لیٹنے والے رات میں کم قیام کیا کریں۔

جب اللہ تعالیٰ کی عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مبارک و محترم ذات سے ساقط نہیں ہو سکتی پھر دنیا میں کون ایسا اللہ والا ہے جس سے احکام شریعت ساقط ہو جائیں؟ درحقیقت یہی وہ گمراہی ہے جس کے باعث ابتدائی دور میں علمائے ظاہر نے سمجھا کہ طریقت و تصوف شاید شریعت سے متصادم ہیں۔ اور ان ملاحدہ اور زنادقہ کی حرکتوں کے باعث وہ تصوف اور صوفیہ ہی سے بدگمان ہو گئے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ سلوک و طریقت کی اساس خالص شریعت و سنت پر

---

[1] سورہ طٰہٰ۔ ۱-۲

[2] سورہ مزمل۔ ۱-۲

قائم ہے۔ صوفی کو جو کچھ ملتا ہے اتباع شریعت و سنت سے ملتا ہے اور جو کچھ نہیں ملتا ترک سنت سے نہیں ملتا۔ صوفی اور ولی چاہے بڑے سے بڑا ہو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے آگے سب کا سر تسلیم خم ہے۔ ہر کشف و الہام اور ہر سلوک و حال سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بالا ہے۔ یہی راہ سلامتی کی راہ ہے۔ اور ہر بات کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیئے۔

انتیسویں فصل

حقیقتِ زکوٰۃ

حقیقت زکوٰۃ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ [1]

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اور ایسی بہت سی احادیث ہیں جن سے زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ جس پر واجب ہو جائے اسے فوراً ادا کرنا چاہیئے کیونکہ زکوٰۃ اتمام نعمت پر واجب ہوتی ہے۔ ۲۰۰ درہم چاندی کی مقدار اتمام نعمت ہے۔ اس لیے اس پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح بیس طلائی دینار بھی اتمام نعمت کے حکم میں ہے اس لیے نصف دینار ادا کرنا واجب ہے۔ جبکہ ان پر ایک سال گزر جائے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ زکوٰۃ جاہ پر بھی واجب ہوتی

---

[1] البقرۃ ۴۳۔

Marfat.com

ہے کیونکہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاھکم کما فرض علیکم زکوٰۃ مالکم۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے اموال پر زکوٰۃ واجب کی ہے اسی طرح تمہاری وجاہت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا:

ان لکل شیئٍ زکوٰۃ و زکوٰۃ البیت الضیافۃ۔

ترجمہ: ہر چیز کے لیے زکوٰۃ ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمان داری ہے۔

غرض زکوٰۃ نام ہے ادائے شکر کا جو اس نعمت کی جنس سے ہو۔ اس حساب سے دیکھیں تو تندرستی بھی ایک نعمت ہے اور انسان پر اس کا شکریہ بھی واجب ہے اور وہی شکریہ اس کی زکوٰۃ ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جسم کے ہر عضو پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اس کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں مصروف رکھا جائے۔

اسی طرح باطنی نعمت جو انسان کو حاصل ہوتی ہے اس کی بھی زکوٰۃ ہے۔ اور اس کا بھی شکریہ ادا کرنا واجب ہے اور اس کی زکوٰۃ و شکریہ یہ ہے کہ اس نعمت کو پہچانے اور اسے نعمت جانے۔

حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کے ہاں محض زکوٰۃ دنیا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے کیونکہ وہ اس بات کو بخل تصور کرتے ہیں کہ کوئی شخص مال بقدر نصاب سال بھر تک اپنے پاس رکھے رہے۔ اہل کرم اتنا مال ہی نہیں رکھتے کہ ان پر زکوٰۃ

Marfat.com

واجب ہو۔ بلکہ ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے نام پر خرچ کر ڈالتے ہیں چنانچہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب بندے میں بخل ہو اور اس کے پاس مال جمع ہو جائے تو دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ دے۔ یہ تو تیرے مذہب کا مسئلہ تھا جو میں نے بتلایا اور میرا مسلک یہ ہے کہ اتنا مال جمع ہی نہ کرے کہ زکوٰۃ دینی پڑے۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے؟ فرمایا "ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابوبکر! تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا؟ جواب دیا "اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو"۔

تیسویں فصل

جود وسخا کی حقیقت

جود وسخا کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

السخی قریب من الجنۃ وبعید من النار والبخیل بعید من الجنۃ وقریب من النار

ترجمہ؛ سخی جنت سے قریب اور جہنم سے دور رہتا ہے اور بخیل جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے؛

کافر سخی عند اللہ افضل من مومن بخیل۔

Marfat.com

ترجمہ ــــــ سخی کافر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بخیل مومن سے زیادہ افضل ہوتا ہے

جواد و سخی میں فرق بعض بزرگوں نے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی جواد ہے لہٰذا اسے سخی کہنا درست نہیں ہے۔ سخی اور جواد میں فرق ہے۔ سخی اسے کہتے ہیں جو بخشش کرتے وقت یگانے اور بیگانے میں تمیز کرے۔ اور جواد اسے کہتے ہیں جو بخشش کرتے وقت اپنے پرائے میں تمیز نہ کرے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سخی اسے کہتے ہیں۔ جو بخشش کرتے وقت کوئی سبب یا غرض ملحوظ رکھے۔ اور جواد اسے کہتے ہیں جو بغیر کسی سبب و غرض کے بخشش کرے۔

اکتیسویں فصل

حقیقتِ صوم

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ارکان اسلام میں روزہ ایک اہم رکن ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] البقرۃ: ۱۸۳۔

Marfat.com

الصوم لی و انا اجزی بہٖ۔

ترجمہ: روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"روزہ ایک باطنی عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا اس عبادت کا ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا بھی بے حد و بے حساب رکھی ہے۔ اور اس کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الصوم نصف الطریقۃ "روزہ نصف طریقت ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ حقیقت میں روزہ بند رہنے کو کہتے ہیں اور تمام طریقت اس میں پوشیدہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑنے کو نہیں کہتے بلکہ حقیقت میں روزہ یہ ہے کہ تمام اعضأ کو منہیات سے روکا جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

اذا صمت فلیصو سمعک و بصرک و لسانک و کل عضو۔

ترجمہ: جب تم روزہ رکھو تو چاہیئے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، تمہاری زبان اور تمہارا ہر عضو روزہ رکھے۔)

اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "بہت سے ایسے روزہ دار ہیں جنہیں روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ روزہ دار کو چاہیے کہ اپنے حواس کو قابو میں رکھے۔ اور بندہ جب تک روزہ کی حالت میں ہو مخالفت کی بجائے موافقت کی حالت میں رہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے حواس پر قابو رکھے اور اپنے اعضاء و جوارح کو معصیت سے

Marfat.com

روکے رکھے۔ اس عمل سے نفس مقہور ہوتا ہے اور روزہ کا جو اصلی مقصد ہے یعنی تزکیہ نفس اور حصول تقویٰ آدمی اس سے ہم کنار ہوتا ہے بھوک کو معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے دنیا کی تمام ملتوں میں یہ پسندیدہ چیز ہے اس لیے کہ اس سے نفس امارہ کو شکست ہوتی ہے، طبیعت مہذب اور تندرستی بہتر رہتی ہے بھوکے آدمی کا بدن کمزور تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے دل میں عجز و نیاز پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اجیعوا بطونکم واعروا اجسادکم لعلکم ترون اللہ عیانا۔

ترجمہ: اپنے شکم کو بھوکا رکھو اور جسم کو ننگا شاید تم دنیا ہی کی زندگی میں اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لو۔

خلاصہ کلام غرضکہ غذاؤں سے انسان کے نفس کی پرورش ہوتی ہے اور حرص و آز میں اضافہ ہوتا ہے۔ سیر ہو کر کھانے سے خواہشات انسان کے پورے وجود پر غلبہ حاصل کر کے ایک حجاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ بھوک سے نفس کا تصرف باطل ہو جاتا ہے اور انسان کی عقلی و روحانی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اس وقت اسرار و دلائل ظاہر ہوتے ہیں۔ خواہشات رفتہ رفتہ فنا ہو جاتی ہیں۔ تو ہر باطل مٹ جاتا ہے اور سالک اپنی مراد کو آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔

تینتیسویں فصل

حقیقت حج

اسلام کے رکن حج پر گفتگو فرماتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

Marfat.com

اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے ایک رکن حج ہے۔ یہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو عاقل بالغ اور صاحب استطاعت ہو قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا [1]

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا فرض ہے جو سفر کی استطاعت رکھتے ہوں

حج دراصل میقات پر احرام باندھنا۔ نویں ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف طواف زیارت اور سعی بین الصفا والمروہ ہے۔ حرم پاک میں بغیر احرام کے داخل ہونا ممنوع ہے حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام اور امن کی جگہ ہے۔

مقام جسم و مقام خلت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دو مقام ہیں ایک مقام جسم اور دوسرا مقام دل۔

مقام جسم کے لیے خانہ کعبہ ہے۔ اور مقام دل کے لیے خلت ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام جسم کا ارادہ کرے اس پر لازم ہے کہ احرام باندھتے وقت تمام لذات و خواہشات سے منہ موڑ لے اور اپنے حواس کو قابو میں کر لے۔

اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام دل کا ارادہ کرے اس کے لیے ترک لذات کے ساتھ ساتھ اغیار کے ذکر و اذکار سے منہ موڑنا بھی لازمی ہے کیونکہ اس راہ میں غیر اللہ کی طرف معمولی سی توجہ بھی حجاب بن جاتی ہے۔ پھر وہ معرفت کے عرفات میں کھڑا ہو، اور مزدلفۂ الفت کا قصد کرے پھر جب طواف زیارت کرنے جائے تو اپنے سر کو تنزیہ کے مقام میں لے جائے منیٰ

---

[1] آل عمران: ۹۷۔

Marfat.com

میں جانور کی قربانی کے ساتھ ساتھ قربانگاہ میں نفس کی تمام غلط خواہشات کو بھی قربان کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "حاجی خدائی وفود ہیں جو چاہتے ہیں ان کو ملتا ہے اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حج میں ایک گروہ تو مقام قبولیت سمجھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا مانگتا ہے لیکن وہ گروہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام خلت سے ان کی اتباع کے طفیل حصہ ملا ہوتا ہے وہ دعا مانگتا ہے نہ پناہ چاہتا ہے۔ بلکہ خود کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آگ میں ڈالے جانے کے وقت خلیل اللہ علیہ السلام نے خود کو مشیت الٰہی کے حوالے کر دیا تھا۔

مشاہدہ حج اصل میں مقام مشاہدہ ہے جو مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جب پہلی مرتبہ حج کے لیے خانہ کعبہ میں حاضر ہوا تو میں نے سوائے گھر کے کچھ نہ دیکھا دوسری مرتبہ جب میں شدید مجاہدے کے منازل سے گزر گیا تو اس وقت میرا مشاہدہ ترقی کر چکا تھا اس لیے میں نے بیت کے ساتھ ساتھ رب البیت کو بھی دیکھا اور جب میں تیسری مرتبہ گیا تو بیت غائب تھا صرف رب البیت کو دیکھا اس لیے کہ اس وقت مشاہدہ اپنے تمام ارتقائی منازل طے کر چکا تھا۔ مشاہدے کا مقام تو اسی کو میسر ہو سکتا ہے جس کے دل میں مشاہدے کی تعلیم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب بندہ حالت مکاشفہ میں ہوتا ہے تو سارا جہان اس کی نگاہ میں حرم ہوتا ہے اور اگر محجوب ہو تو حرم میں رہ کر بھی وہ مقام ظلمت میں ہوگا۔

اس لحاظ سے دیکھیں تو حج کی دو قسمیں بنیں گی۔

(۱) ایک حج بحالت غیبت (۲) دوسرا حج بحالت حضور حج بحالت

Marfat.com

غیبت تو صرف مکہ معظمہ آنا اور گھر کے قریب ہوتے ہوئے بھی گھر سے دور رہنا ہے۔ دوسرا حج بحالت حضور وہ ہے جو کشف مشاہدہ کے لیے کیا جائے اور سچ پوچھیے تو حج سے بیت اللہ دیکھنا مقصود نہیں بلکہ کشف مشاہدہ مقصود ہے۔ جب کشف مشاہدہ ہو گیا سمجھ لیجیے کہ وہ مراد کو پہنچ گیا۔

تینتیسویں فصل

حقیقتِ مشاہدہ

حدیث جبریل میں ہے کہ جب حضرت جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

الاحسان ان تعبد اللہ کانّك تراہ فان لم تکن تراہ فانہٗ یراك۔

ترجمہ: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم یہ سمجھے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

حقیقت مشاہدہ دو طرح پر ہے۔ ایک مشاہدہ صحت یقین کے ساتھ دوسرا مشاہدہ غلبہ محبت کے ساتھ۔ یعنی مشاہدے میں اس طرح غرق ہو جائے کہ دوست کے سوا کوئی نظر ہی نہ آئے۔ حتیٰ کہ سالک اپنے وجود کو بھی نہ دیکھے۔ حضرت محمد بن الواسع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ما رأیت شیئاً قط حتّیٰ رأیت اللہ فیہ ای بصحۃ الیقین۔

ترجمہ: یعنی میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ کو اپنے صحت یقین کے ساتھ دیکھا۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں یہ جو حکم ہے کہ:

Marfat.com

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ [1]

ترجمہ: آپ مومنوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو شہوات کو دیکھنے سے روکیں اور دل کی آنکھ کو مخلوقات سے بند رکھیں کہ دل کی آنکھ تو صرف دیدار الٰہی کے واسطے ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایک پل کے لیے بھی آنکھ بند کر لیتا ہے وہ ساری عمر محجوب ہی رہتا ہے۔

چونتیسویں فصل

صحبت اور اس کے آداب

طریقت کا سارا دار و مدار صحبت پر ہے۔ جس طرح جب تک درزی کی صحبت نہ اختیار کی جائے پیشہ خیاطی آدمی نہیں سیکھ سکتا اور جب تک کسی ماہر فن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا جائے انسان محض کتابیں پڑھ کر فن طب میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح سلوک و طریقت کی راہ بغیر کسی آشنائے راہ کی صحبت اختیار کیے ہوئے طے کرنا اگر محال نہیں تو از حد دشوار ضرور ہے لیکن مطلق صحبت کافی نہیں بلکہ سلوک میں وہ صحبت مفید ثابت ہوتی ہے جو اپنے تمام آداب و احکام کے ساتھ اختیار کی جائے ورنہ معمولی سی بد احتیاطی انسان کو قعر مذلت میں گرا سکتی ہے اس لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں محققین صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین نے اس کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی ہے اور اس کے تمام آداب و احکام مدون فرمائے ہیں۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور

---

[1] سورہ النور: ۳۰

Marfat.com

صحبت کی تمام منزلوں اور مقامات کو افادہ عام کے لیے بیان فرمایا ہے۔ ان تمام تفصیلات کو بیان کرنا تو دشوار ہے تاہم انشاء اللہ العزیز کوشش کی جائے گی کہ اس موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔ اور اس کے محکمات قارئین کرام کے سامنے آجائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ادبنی ربی فاحسن تادیبی (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا) معلوم ہوا کہ دین و دنیا کے تمام کاموں کی زینت ادب سے ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے: الطریقۃ کلھا الادب (طریقت ساری کی ساری ادب ہی ہے) اس اصول کے تحت مخلوقات کے لیے ہر مقام پر ادب کی ضرورت ہے اس اصول پر مومن، کافر، سنی بدعتی سب متفق ہیں۔ کیونکہ ادب ہی حفظ مراتب کا ضامن ہے۔ اور دین میں حفظ سنت اور ادب دست بدست اور قدم بہ قدم چلتے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: حسن الادب من الایمان (حسن ادب ایمان کا حصہ ہے) معاملات تصوف میں حفظ ادب تعظیم مطلوب سے حاصل ہوتا ہے۔ جس آدمی میں تقویٰ جتنا زیادہ ہوگا وہ اتنا ہی باادب ہوگا۔ جو بے ادب ہے طریقت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ سالک چاہے حالت صحو میں ہو یا سکر میں ادب کا دامن اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ انسان جب حالت صحو میں ہوتا ہے تو وہ تکلف سے ادب اختیار کرتا ہے اور حالت سکر میں اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ منجانب اللہ ادب ملحوظ رکھتا ہے ولی کسی صورت میں بھی تارک ادب نہیں ہوتا۔ کیونکہ حسن الادب صفۃ الاحباب (حسن ادب ولیوں کی صفت ہے) اللہ تع

Marfat.com

جسے کرامت عطا فرماتا ہے وہ ہر حالت میں آداب دین ملحوظ رکھتا ہے۔ البتہ ملحدین کہتے ہیں کہ جب آدمی محبت میں مغلوب ہو جاتا ہے تو ادب دین اس سے ساقط ہو جاتا ہے (ان کی تردید پہلے کی جا چکی ہے اور آئندہ انشاء اللہ کی جائے گی)

ادب کی اقسام

ادب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم توحید میں ادب حق تعالیٰ کے ساتھ۔ توحید میں حق تعالیٰ کے ساتھ ادب یہ ہے کہ انسان خلوت وجلوت میں اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح رہے جس طرح وہ جلوت میں کسی بادشاہ کے دربار میں رہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار زانو تشریف فرما تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا یا محمد اجلس جلسۃ العبد (یا رسول اللہ صلی اللہ علیک اس طرح بیٹھیں جس طرح غلام آقا کے حضور بیٹھتا ہے) روایت ہے کہ چالیس برس حضرت حارث محاسبی نے دیوار سے ٹیک نہیں لگائی اور ہمیشہ دو زانو ہو کر بیٹھتے لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا" مجھے شرم آتی ہے کہ حالت مشاہدہ میں بندوں کی طرح نہ بیٹھوں"، کسی نے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کو اتنا بڑا مرتبہ کیسے ملا جواب دیا" بحسن الصحبۃ مع اللہ تعالیٰ "(اللہ تعالیٰ کے حضور باادب رہنے سے۔)

ادب کی دوسری قسم اپنے معاملات میں ادب کرنے سے ہے کہ بندہ ہر حال میں مروت وشرافت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے ہمیشہ سچ بولے،

Marfat.com

کم کھائے تاکہ بار بار طہارت خانے میں جانا نہ پڑے اور ادب کی تیسری قسم یہ ہے کہ مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے سفر و حضر میں ان کے حقوق کی رعایت کرے۔ اور مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرنے میں وہی طریقہ اپنائے جو سنت کا طریقہ ہے۔

صحبت اور متعلقات صحبت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا [1]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا اللہ تعالیٰ ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیگا۔

یہ اس لیے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو خوش کرتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کے کام آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلث یصفین لك ود اخیك تسلم علیه ان لقیته وتوسع له فی المجلس وتدعوه باحب اسمائه

ترجمہ: تین چیزیں تیرے بھائی کے دل میں تیری محبت کو بڑھائیں گی۔ جب تم اس سے ملو تو سلام کرو۔ جب مجلس میں وہ آئے تو اس کو جگہ دو اور اسے جب بلانا ہو تو اس نام سے بلاؤ جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مریم: ۹۶۔

Marfat.com

اکثروا من اخوانکم فان ربکم حی کریم یستحی ان یعذب عبدہ بین اخوانہ یوم القیامۃ۔

ترجمہ: زیادہ بھائی بنایا کرو کیونکہ تمہارا رب زندہ اور کریم ہے وہ اس بات سے شرم کرتا ہے کہ قیامت کے دن اپنے کسی بندے کو اس کے بھائیوں کے سامنے عذاب میں مبتلا کرے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ دوستی صرف اللہ کے لیے کی جائے نہ کہ ہوائے نفس یا اپنے کسی مطلب سے دوستی کی جائے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے داماد کو نصیحت کی کہ جس دوست کی صحبت میں بیٹھنے سے تجھے آخرت کا کوئی فائدہ نہ ہو اس کی صحبت میں نہ بیٹھ کہ ایسے شخص کی صحبت تیرے لیے حرام ہے اسلئے کہ اگر وہ تجھ سے کچھ دینی باتیں سیکھے تو اسے فائدہ ہوگا اور تو اس سے کچھ سیکھے تو تجھے فائدہ دینی ہوگا۔ اور اگر یہ بات نہیں تو صحبت بیکار ہے۔

صحبت اختیار کرنے کے معاملے میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ صحبت کا انسان کے کردار پر بہت اثر پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل۔

ترجمہ: اکثر انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا دوستی کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لو کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔)

صحبت کی اسی اہمیت کے پیش نظر مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین پہلے صحبت اختیار کرتے ہیں پھر مرید کو تعلیم دیتے ہیں اسی موضوع پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب "تصحیح الارادۃ" کے نام سے،

Marfat.com

حضرت احمد بن خضرویہ نے "الرعایۃ بحقوق اللہ" اور حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "آداب المریدین" لکھی ہے۔

صحبت کے آداب

مرید کے لیے صحبت بہت ضروری چیز ہے۔ تنہا رہنا مرید کو ہلاک کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الشیطٰن مع الواحد وھو من الاثنین ابعد۔

ترجمہ: تنہا شخص کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے۔

لہٰذا مرید کو مشائخ کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ ان کے درجہ کو پہچانے اور ان کے حقوق کی رعایت کرے۔ بوڑھوں سے باادب رہے۔ ہم جنسوں سے بے تکلفی کے ساتھ۔ اور بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے۔ بوڑھے لوگوں کو باپ کے برابر، ہم عمروں کو بھائیوں کے برابر اور بچوں کو اولاد کے مثل جانے ہر گناہ سے پرہیز کرے۔ حسد اور عداوت سے بچتا رہے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کرے۔ نصیحت کرتا رہے۔ مجلس میں کسی کی غیبت نہ کرے نہ لگائی بجھائی کرے کسی کے کسی فعل یا کسی غلطی پر مجلس میں اعتراض نہ کرے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن میں نے حضرت ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ سے حق صحبت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

اگرچہ صحبت اچھی چیز ہے لیکن اس میں آفات بھی ہیں۔ پہلی چیز تو یہ کہ آسائش طلب آدمی کو صحبت اختیار ہی نہیں کرنی چاہیئے

Marfat.com

صحبت سے تو وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو مشائخ کے حق
میں اپنے حق سے باز آجائے اور ان کے حقوق کی رعایت کرے"

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درویش دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مقیم دوسرے مسافر۔ جو مسافر درویش ہوں انہیں چاہیئے کہ مقیموں کی صحبت میں رہ کر ان کی خدمت کو عین سعادت جانیں اور مقیموں کو چاہیئے کہ مسافروں کو اپنے سے افضل سمجھیں اگر ہمارے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق دونوں رہیں تو آرام سے رہیں گے اور ایک سے دوسرے کو فائدہ پہنچے گا ورنہ دونوں ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آداب کے سلسلے میں حضرت ابو نصر السراج نے اپنی کتاب کتاب اللمع میں نہایت مفید اور واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

"ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں :
ایک اہل دنیا ان کے نزدیک ادب فصاحت و بلاغت سے کلام کرنا علوم کو محفوظ رکھنا بادشاہوں کی داستانوں کو دہرانا اور اشعار پڑھنا اور سننا ہے۔ دوسرے اہل دین ان کے نزدیک ادب نفس کی ریاضت، اعضاء کی تادیب، حفظ حدود، اللہ کے حقوق کی حفاظت اور ترک شہوات ہے۔ تیسرے خواص کا ادب ہے ان کے نزدیک ادب طہارت قلب، اسرار کی رعایت، عہد کی پاسداری، اللہ تعالیٰ پر ارتکاز توجہ، طلب کے موقف اور حضوری کے اوقات میں حسن ادب اور مقامات میں حسن ادب اور مقامات قرب میں مؤدب رہنا ہے"

پینتیسویں فصل

آداب اقامت

جب کوئی درویش مقیم بنے تو ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل آداب کو ملحوظ رکھے۔

جب کوئی مسافر اس کے پاس آئے تو نہایت خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے۔ اسے عزت کی جگہ پر بٹھائے۔ اور اسی طرح اس کی تواضع کرے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کی کرتے تھے جو کچھ ماحضر ہو بے تکلف پیش کر دے۔ یہ نہ پوچھے کہ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ یا تمہارا نام کیا ہے؟ کیونکہ یہ آداب صحبت کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ پھر اندازہ کرے کہ اسے خلوت پسند ہے یا جلوت۔ اگر وہ خلوت پسند ہو تو اس کے لیے تخلیہ کا انتظام کر دے۔ اور اگر محسوس کرے کہ وہ جلوت پسند ہے تو ایسا انتظام کر دے کہ وہ اداس نہ ہو۔ اور جب مسافر رات کو لیٹ جائے تو مقیم کو چاہیئے کہ اس کے پیر پر اپنے ہاتھ رکھے اور پیر دبانے کی کوشش کرے اگر مسافر منع کر دے اور کہے کہ مجھے اس کی عادت نہیں ہے تو اصرار نہ کرے تاکہ اس پر گراں نہ گزرے۔ دوسرے دن اسے حمام میں لے جائے مگر خیال رہے کہ حمام صاف ستھرا ہو۔ اور اس کی خدمت ایسے لوگوں سے کرائے جو دل سے خدمت کرنا چاہتے ہوں۔ میزبان کو چاہیئے کہ نہاتے وقت اپنے مہمان کی پشت اور تلوؤں کو ملے اگر اسے اس بات کی استطاعت ہو کہ مہمان کو نیا کپڑا پہنائے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے اگر اس کی استطاعت نہ ہو

Marfat.com

تو خواہ مخواہ تکلف نہ کرے اسی کے کپڑے اسے پہنا دے۔ اگر مہمان دو تین دن قیام کرے اور اپنے قیام کے دوران کسی بزرگ سے ملنے کی خواہش کرے تو اسے ملا دے اگر وہ ملنا نہ چاہے تو اصرار نہ کرے۔ میزبان کے لیے روا نہیں کہ مہمان کو کسی دنیا دار کو سلام کرانے کے لیے لے جائے۔ یا ان کی مہمانی میں اسے شریک کرے۔

بعض ایسے بھی مقیم ہوتے ہیں جو مسافروں کو اپنی گدائی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور انہیں لیئے ان کے اُن کے دروازے پھرتے رہتے ہیں ایسے مقیموں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ درویشوں کے میزبان بنیں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں مہمانوں کی ذلت ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب مسافر تھا تو بعض جاہل اور ناپاک مقیم میرے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے کبھی کسی کے گھر لے جاکر ٹھہرا دیتے کبھی کسی دہقان کے پاس لے جاتے مجھے اس سے بہت تکلیف ہوتی تھی میں نے اسی وقت عہد کر لیا تھا کہ اگر میں کبھی مقیم بنوں گا تو اپنے مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کروں گا۔ اگر کوئی مہمان درویش اپنی کوئی دنیوی ضرورت پیش کرے تو اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔ اس تمام خاطر تواضع میں میزبان کو یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہ خاطر اسی حد تک درست ہے جہاں تک شریعت اجازت دیتی ہے اگر مسافر حظ دنیا کا خواہش مند ہو تو مقیم کو اس کے ساتھ موافقت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ درویش راہ دکھانے والا ہوتا ہے نہ کہ تابع مہمل۔

Marfat.com

چھتیسویں فصل

سفر میں صحبت کے آداب

اگر کوئی درویش سفر اختیار کرے تو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کرے یعنی سفر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اختیار کرے نہ کہ متابعت ہوائے نفس ہیں۔ اور یہ خیال قائم کرے کہ وہ بظاہر تو سفر کر رہا ہے لیکن بہ باطن وہ نفسانی خواہشات سے سفر کر رہا ہے۔ درویش کو چاہیے کہ سفر میں طہارت پر مداومت اختیار کرے اور اپنے اوراد ضائع نہ کرے یہ بھی ضروری ہے کہ سفر یا تو حج کے لیے کرے یا جہاد یا طلب علم میں یا کسی شیخ کی زیارت کے لیے اختیار کرے ورنہ وہ خطا کار ہوگا۔ سفر کرتے وقت اپنے ساتھ مصلیٰ، عصا، کمبل، لوٹا۔ رسی اور جوتے ضرور رکھے۔ اور اگر اس سے زیادہ چیزیں سنت سمجھ کر ساتھ رکھے مثلاً ناخن گیر۔ سوئی دھاگہ سرمہ دانی، کنگھی، مسواک تو بہتر ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ زینت کے لیے اگر اور کوئی چیز رکھنا چاہے تو اہل استقامت کے لیے روا ہے مگر مبتدیوں کے لیے روا نہیں کیونکہ یہ چیزیں ایک قسم کا سامان گرفتاری باطن ہیں۔ اور وہ سالک کے لیے حجاب بن جائیں گی درویش مسافر کو چاہیئے کہ سنت کی ہر محل اور موقع پر حفاظت کرے اگر کسی درویش مقیم کے پاس جائے تو ادب سے اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ پہلے سلام کرے۔ جوتے پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے پھر بائیں میں۔ پاؤں دھوئے تو پہلے دایاں پاؤں دھوئے پھر دو رکعت تحیۃ الوضوء ادا کرے اور اس کے بعد درویشوں کے حقوق میں مشغول ہو۔ مقیموں پر اعتراض نہ کرے۔ نہ کسی سے اپنے سفر کی سختیاں

Marfat.com

بیان کرے۔ اگر لوگوں سے گفتگو کرے تو بزرگوں کی حکایات و روایات بیان کرے۔ جاہلوں کی طرف سے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے برداشت کرے۔ اور محض اللہ کے لیے ان کا بوجھ اٹھائے۔ درویش مسافر کو چاہیے کہ اپنے کام کے لیے میزبانوں کو تکلیف نہ دے۔ ہر ایک کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ کسی کی غیبت کرنے سے سخت پرہیز کرے کیونکہ اہل حق کے لیے خلقت کی بات کرنا روا نہیں ہے۔ اگر کسی سے کوئی زیادتی ہو جائے تو اس زیادتی کو اللہ ہی کی طرف سے جانے اور اس پر صبر کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کو کوئی شخص بدل دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

سینتیسویں فصل

کھانے کے آداب

زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے کھانا پینا ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور دن رات اسی فکر میں سرگرداں نہ رہے۔ سالک کے لیے زیادہ کھانے سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں ہے۔ ایک دن لوگوں نے حضرت سلطان العارفین سرکار بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ بھوکے کی اتنی تعریف کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس لیے کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو کبھی انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ نہ لگاتا اور اگر قارون بھوکا ہوتا تو ہرگز باغی نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں زیادہ کھانے کی مذمت فرمائی ہے۔ اور اسے کفار کا عمل بتلایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

Marfat.com

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۔ [1]

ترجمہ: کفار دنیا سے فائدہ اٹھا کر اس طرح کھاتے ہیں جیسے مویشی کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانا ہے۔

کھانا کھانے کا ادب یہ ہے کہ جب کھائے تو تنہا نہ کھائے بلکہ اپنے کھانے میں ایثار کرے اور دوسرے بھائی کو اس میں شریک کرے۔ دستر خوان پر بیٹھے تو پہلے بسم اللہ کہے اور دستر خوان پر کوئی ایسی چیز نہ کھائے اور نہ رکھے جسے دیکھ کر ساتھی کراہت کریں اور لقمہ شروع نمکین چیز سے کرے اور اپنے ساتھی کے ساتھ انصاف کرے یعنی یہ کوشش نہ کرے کہ ساری اچھی اچھی چیزیں میں خود کھا جاؤں اور میرا ساتھی محروم رہ جائے۔

لوگوں نے ایک مرتبہ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [2]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ اپنے رفیق کے لقمے میں رفیق سے انصاف کرے اور احسان یہ ہے کہ لقمہ میں رفیق کا زیادہ حق سمجھے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے شیخ (حضرت ابوالفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھ سے فرمایا کہ میں اس مدعی پر تعجب کرتا ہوں جو کہے کہ میں تارک الدنیا ہوں اور لقمہ کی فکر میں رہے۔ اور فرمایا کہ اپنا کھانا کھائے اور دوسرے کے لقمے پر نظر نہ کرے کھانے کے دوران زیادہ

---

[1] محمد: ۱۲۔

[2] النحل: ۹۰

پانی نہ پئے البتہ جب پوری پیاس لگ رہی ہو تو مضائقہ نہیں۔ کھانا کھائے تو کم کھائے۔ خوب چبا کر کھائے جلدی نہ کرے ورنہ بدہضمی کا اندیشہ ہے جب کھانے سے فارغ ہو تو ہاتھ دھوئے اور الحمدللہ کہے۔

صوفیہ کو چاہیے کہ درویش کی دعوت رد نہ کریں اور دنیا دار کی دعوت قبول نہ کریں۔ نہ ان کے گھر جائیں نہ ان سے کچھ مانگیں کہ ایسا کرنے سے فقر رسوا ہوتا ہے۔ اور اہل طریقت کی اس میں توہین ہے۔ کیونکہ دنیا دار محرم نہیں ہیں۔ ایسا شخص جو فقر کو غنا سے افضل سمجھتا ہو۔ دنیا دار نہیں ہے چاہے وہ بادشاہ کیوں نہ ہو اور جو فقر کی عظمت کا منکر ہو وہ دنیا دار ہے چاہے بظاہر وہ ننگا بھوکا ہو۔ کھانے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب دعوت میں جائے تو کھانے یا نہ کھانے میں تکلف نہ کرے۔ دعوت میں یہ بات ضرور ملحوظ رکھ کر محرم کے ہاں دعوت میں جائے اور اپنے ساتھیوں کو بھی لیجائے اگر ان کو مدعو کیا جائے۔

جو محرم طریق نہ ہوں ان کے گھر دعوت میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

اڑتیسویں فصل

چلنے کے اداب

ارشاد ربانی ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا [۲]

---

[۱] النحل، ۹۰۔

[۲] الفرقان، ۶۳۔

Marfat.com

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نیک بندے زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

لہٰذا سالک کے لیے ضروری ہے کہ زمین پر فخر و تکبر کے ساتھ نہ چلے چلے تو مراقبہ میں رہے صرف راہ کو دیکھے اور ادھر ادھر نہ دیکھے کہ یہ تشویش طبع کا باعث ہے۔ چلتے وقت اپنے کپڑوں کو کسی سے نہ بچائے کہ مومن کا کپڑا پاک ہوتا ہے اور یہ رعونت اور خود نمائی ہے۔ البتہ اگر کوئی کافر ہو اور پلیدی اس کے کپڑوں پر ظاہر ہو تو اس سے اپنے کپڑوں کو بچانے میں مضائقہ نہیں۔ جب جماعت کے ساتھ چلے تو آگے چلنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ نمائش چاہنا متکبروں کا طریقہ ہے۔ اور سب سے پیچھے چل کر زیادہ تواضع کا بھی اظہار نہ کرے کیونکہ تواضع ظاہر کرنا بھی ایک قسم کا تکبر ہے جہاں تک ہو سکے جوتوں کو پلیدی سے بچائے اگر کوئی دن میں ایسا کرتا ہے تو رات میں اللہ تعالیٰ اس کے کپڑوں کو پلید ہونے سے بچاتا ہے۔ اگر کسی جماعت کے ساتھ جا رہا ہو تو راستے میں کھڑے ہو کر کسی سے گفتگو نہ کرنے لگے کیونکہ لوگ اس کی وجہ سے انتظار میں کھڑے رہیں گے۔ معتدل چال سے چلے نہ تو جلدی جلدی کہ ساتھ چلنے والوں کو اس کی وجہ سے زحمت ہو اور نہ بالکل آہستہ آہستہ متکبرانہ انداز میں چال تو سالک کی ایسی ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی دریافت کرے تو کہہ سکے: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ [1] (میں تو اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں) اگر قدم اس طرح نہیں پڑتے تو سالک کی وہ چال اس کے لیے وبال ہے۔ کیونکہ قدموں کے صحیح پڑنے سے دل میں آنے والے خیالات بھی پاکیزہ رہتے ہیں۔

---

[1] الصافات: ۹۹۔

Marfat.com

سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر مراقبہ درویش کا چلنا غفلت ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ ملتا ہے دو قدم ہی میں ملتا ہے کیونکہ ایک قدم نصیب پر رکھا جاتا ہے اور دوسرا فرمان حق پر۔

انتالیسویں فصل

سونے کے آداب

سونے کے معاملے میں مشائخ طریقت رحمہم اللہ اجمعین کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک سالک کے لیے سونا روا نہیں الا یہ کہ نیند سے مغلوب ہو جائے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کیا ہے کہ:

من نام غفل ومن غفل حجب۔

(جو سویا وہ غافل ہو گیا اور جو غافل ہو گیا وہ محجوب رہا۔)

ایک جماعت کہتی ہے کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے اختیار سے سوئے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ سونے سے پہلے حقوق بجا لایا ہو یعنی اوراد و وظائف سے فارغ ہو گیا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی ینتبہ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیق۔

ترجمہ: تین آدمیوں سے قلم اٹھایا گیا ہے یعنی ان سے کوئی مواخذہ نہیں۔ سونے والے سے یہاں تک کہ وہ جاگ جائے نابالغ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔

کیونکہ یہ لوگ قابل معافی ہیں اس لیے کہ سونے والا جب تک سو رہا

Marfat.com

ہوتا ہے لوگ اس سے امن میں رہتے ہیں۔ اور اختیار اس سے ساقط ہوتا ہے لہذا وہ بھی امن میں ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی کی بدگمانی کر سکتا ہے نہ کسی کو اپنے ہاتھ سے ستا سکتا ہے غرضیکہ نیند کی حالت میں تمام معاصی اس سے منقطع رہتی ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ "عاصی کی نیند سے زیادہ شیطان پر کوئی چیز سخت نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہ بیدار ہوتا تو میں اسے معصیت میں بتلا کئے ہوتا۔

حضرت علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خواب غفلت ہے اور محب کو چاہیئے کہ غفلت سے اعراض کرے ہر وقت جاگتا رہے کیونکہ اگر غنودگی بھی آجائے تو طالب اپنے مقصود سے بہت دور جا پڑتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارا بیدار رہنا اللہ کی راہ میں ہمارا عمل ہے اور ہمارا سو جانا فعل الٰہی ہے لہذا بے اختیارانہ جو کچھ ہم سے ہو جائے وہ لازماً اس سے زیادہ کامل ہو گا جو ہم اپنے اختیار سے کریں۔ نیند در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبین پر اس کی عطا ہے لہذا اگر کوئی شخص طبع انسانی کے تحت اوامر حق بجا لانے کے بعد سو جائے اور یہ بھی مقصود ہو کہ اس سونے سے عبادت پر زیادہ نشاط اور انشراح کے ساتھ قوت طلب کرنا ہے تو محمود ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایسے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے جو بیداری سے خواب کو افضل جانتے ہیں کیونکہ بہت سی چیزیں خواب میں ملتی ہیں جن کا بیداری میں ملنا ممکن نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ان اللہ یباھی بالعبد الذی نام فی سجودہ ویقول اللہ انظروا یاملائکتی الی عبدی روحہ فی محل النجوی وبدنہ علی

Marfat.com

بساط الادب۔

ترجمہ: جو بندہ سجدہ کی حالت میں سو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے بندے پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے فرشتو! ذرا میرے اس بندے کو تو دیکھو کہ اس کی روح مقام سرگوشی میں ہے اور اس کا جسم ادب کی بساط پر۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من نام علی طھارۃ یؤذن لروحہ ان یطوف بالعرش ویسجد للہ۔

ترجمہ: اور جو شخص باوضو سوتا ہے اس کی روح کو اجازت دی جاتی ہے کہ عرش کا طواف کرے اور وہاں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے۔

نیند کے مقابلے میں صوفیہ کی جو جماعت بیداری کو نیند سے افضل مانتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ:

لوکان فی النوم خیراً لکان فی الجنۃ۔

ترجمہ: اگر نیند میں کوئی بھلائی ہوتی تو یہ چیز جنت میں ضرور ہوتی۔

لیکن جنت میں نیند نہیں ہوگی لہٰذا معلوم ہوا کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

محاکمہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"جس کے خیال میں موت زندگی سے بہتر ہو اسے چاہیئے کہ زیادہ سوئے اور جس کے نزدیک زندگی موت سے زیادہ محبوب ہو تو اسے زیادہ جاگنا چاہیئے۔ اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ خواب یا بیداری کو انسان اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دے وہ جب چاہے سلا دے اور جب چاہے جگائے رکھے۔ طالب کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے قلبی رابطے کو صرف ذات باری

تعالیٰ کے ساتھ مستحکم بنانے کی کوشش میں لگا رہے۔ اور حتی الوسع خلق سے اپنے روابط کو منقطع رکھے۔ اگر کسی کا رابطہ غیر اللہ سے منقطع ہے تو خواہ وہ سو جائے یا بیدار رہے جس حال میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا عزیز ہے۔ مرید کا سونا ایسا ہونا چاہیئے کہ ہر سونے کو آخری سونا تصور کرے گناہوں سے توبہ کرے، پاکی کی حالت میں ساری دنیا سے دست بردار ہو کر اللہ کے انعامات کا شکر ادا کرتا ہوا سو رہے اور سوتے وقت یہ عہد کر کے سوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیدار ہونے کا موقع دیا تو پھر وہ گناہ نہ کرے گا۔

چالیسویں فصل

کلام و سکوت کے آداب

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا [1]

ترجمہ: اور بات میں اس سے کون بہتر ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے۔

معلوم ہوا کہ کلام وہی اچھا ہے جس میں دعوت الی الحق ہو۔

ایک آیت میں ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا [2]

ترجمہ: اور لوگوں سے اچھی بات کیا کرو۔

---

[1] حم السجدۃ: ۳۳۔

[2] البقرۃ: ۸۳۔

Marfat.com

یعنی کلام کرو تو اچھا کلام کیا کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ کلام بھی ایک آفت ہے اسی لیئے اہل طریقت کلام کرنے کے معاملے میں بہت محتاط رہتے ہیں۔ اگر کلام حق ہو تو کلام کرتے ہیں ورنہ سکوت اختیار کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من صمت نجا"

ترجمہ: جس نے سکوت اختیار کیا وہ نجات پا گیا)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

من عرف اللہ کل لسانہٗ۔

ترجمہ: جسے معرفت حاصل ہو جاتی ہے وہ گونگا ہو جاتا ہے۔

حضرات صوفیہ کی ایک جماعت خاموشی کو بولنے پر فضیلت دیتی ہے اس نظریہ کے حامل حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عبارتیں محض دعوے ہیں اور جہاں معنی ثابت ہوں وہاں دعووں کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ دعوے تو اس وقت حجاب بن جاتے ہیں۔

جو جماعت کلام کو خاموشی پر ترجیح دیتی ہے وہ کہتی ہے کہ بارگاہ حق میں اپنی مراد کو بیان کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومنوں کو حکم دیا:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔

ترجمہ: اور آپ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجیئے۔ اور تحدیث نعمت بھی کلام ہے۔

محاکمہ: حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کلام دو قسم کا ہوتا ہے اور خاموشی بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک کلام

Marfat.com

حق ہوتا ہے اور ایک باطل۔
اسی طرح خاموشی ایک حصول مقصد کے تحت ہوتی ہے اور ایک بوجہ غفلت کے کلام اور سکوت کے درمیان فیصلہ کرتے وقت ہر آدمی کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے دل کے ارادے کا جائزہ لینا چاہیئے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہو گا۔ اگر اس کا کلام حق پر مبنی ہو تو اس کا کلام کرنا خاموشی سے بہتر ہو گا اور اگر اس کا کلام باطل ہو تو پھر اس کے لیے خاموشی بہتر ہے۔ اسی طرح اگر اس نے خاموشی حصول مقصود اور مشاہدے کی خاطر اختیار کر رکھی ہے تو خاموشی کلام کرنے سے بہتر ہے اور اگر وہ حجاب و غفلت کی وجہ سے خاموش ہو تو اسے کلام کرنا چاہیئے۔ دنیا ہے کہ اس مسئلہ میں الجھی ہوئی ہے۔ کلام کرنے والے عبارت آرائی اور بے فائدہ کلام میں مصروف ہیں اور ان کا مقصود اپنی ہوس کو پورا کرنا ہے۔ اور چونکہ وہ ہوس کے بندے ہیں اس لیے وہ کلام کو خاموشی سے بہتر کہتے ہیں۔ اور چند جہلا جو راہ اور چاہ میں فرق نہیں کر سکتے چونکہ انہیں کچھ کہنا نہیں آتا اس لیے اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے خاموشی کو کلام سے بہتر کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیئے کہ وہ کس سے کلام کرواتا ہے اور کسے خاموش رکھتا ہے۔ پس اہل طریقت اس معاملے میں ماذون ہوتے ہیں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کلام کی اجازت ملتی ہے) اس وقت وہ بے اختیار کلام کرتے ہیں۔ اور جب سکوت اختیار کرتے ہیں تو وہ حیاء سے سکوت اختیار کرتے ہیں۔ اور مشہور ہے کہ مَن کان سکوتہ حیاءً کان کلامہٗ حیاۃً (جو اللہ تعالیٰ سے شرم کی وجہ سے) چپ رہتا ہے جب کلام کرتا ہے تو اس کا کلام حیات ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ کر بولتے ہیں اور جو بغیر دیکھے کلام کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں

Marfat.com

طالب ربانی کا کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ کلام کا ادب یہ ہے کہ بغیر "امر الٰہی" کے کلام نہ کرے اور اگر خاموش رہے تو جہالت و غفلت میں نہ رہے۔

مریدوں کو چاہیے کہ پیروں کے کلام میں دخل دیں نہ اس میں اپنی طرف سے تصرف کریں۔ اور کلام پیچیدہ اور ناقابل فہم نہ کریں اور جس زبان سے کلمہ شہادت پڑھا ہے اس سے نہ جھوٹ بولے نہ غیبت کرے۔ اپنی گفتگو سے کسی مسلمان کا دل نہ دکھائے۔ اور درویشوں کا صرف نام نہ لے (بلکہ ان کا نام ادب سے لیا کرے) جب تک اس سے کچھ پوچھا نہ جائے گفتگو نہ کرے اور بات کہنے میں پہل نہ کرے۔ اور کلام کرنے کی شرط یہ ہے کہ سوائے حق بات کے دوسری بات نہ بولے۔

اکتالیسویں فصل

سوال و ترک سوال کے آداب

حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین کی اکثریت کا خیال ہے کہ غیر اللہ سے سوال نہیں کرنا چاہیئے کہ غیر اللہ سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ اور جب بندہ اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرے تو اندیشہ ہے کہ اس کی بارگاہ سے رد کر دیا جائے گا۔ کسی نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے فرمائیں انہوں نے جواب دیا کہ "اے شخص! مجھے تو خالق دنیا سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے بھلا میں اپنے جیسے ایک انسان سے کیا مانگ سکتی ہوں۔ بعض درویشوں کا خیال ہے کہ سوال کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مطلق سوال کرنے سے

Marfat.com

منع نہیں فرمایا بلکہ :

لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا[1]

ترجمہ : چمٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔

یعنی اگر بغیر لجاجت کے لوگوں سے سوال کرے تو مضائقہ نہیں۔ یہ مشائخ تین وجوہ کی بنا پر سوال کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

۱۔ ایک تو فراغت دل کے لیے کہ دل معاش سے فارغ رہے اور آدمی اطمینان کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔

۲۔ دوسرے ریاضت نفس کے لیے تاکہ نفس خوب ذلیل ہو اور انسان کے دماغ سے رعونت دور ہو جائے جیسا کہ ابتدائی دور میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو سوال کرنے کا حکم دیا تھا۔ تاکہ ان کے دماغ سے یہ خیال نکل جائے کہ وہ خلیفہ کے صاحب الحجاب کے بیٹے ہیں۔

۳۔ تیسرے لوگوں نے ادب حق کے لیے بندگان خدا سے سوال کرنے کی اجازت دی ہے کہ دنیا جیسی حقیر چیز کا بھلا اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ذات سے کیا سوال کریں۔ البتہ انہوں نے یہ شرط عائد کی ہے کہ دینداروں سے سوال کیا جائے۔ دنیا داروں، بازاریوں اور عورتوں سے سوال نہ کیا جائے۔

تاہم مشائخ کے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ سوال صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کیا جائے۔ اسی میں فقر کا وقار اور درویشی کی عزت ہے نیز بندے میں توکل کی صفت اسی سے پیدا ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے کہ جو بندہ اللہ پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیئے کافی ہے۔

---

[1] البقرہ : ۲۷۳

Marfat.com

بیالیسویں فصل

نکاح اور تجرد کے آداب

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

ترجمہ: عورتیں تمہاری پردہ پوش ہیں اور تم ان کے پردہ پوش ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تناكحوا وتكاثروا فانى اباهى لكم الامم يوم القيامة ولو بسقط۔

ترجمہ: نکاح کرو اور اپنی نسل کو بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری کثرت کے باعث قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا خواہ ساقط ہونے والا حمل ہی ہو

آپ نے ارشاد فرمایا:

ان اعظم النساء بركة اقلهن مؤنة واحسنهن وجوها وارخصهن مهرا

ترجمہ: زیادہ برکت والی وہ عورتیں ہیں جن کی عیالداری میں کم تکلیف ہو جن کے چہرے خوب صورت ہوں اور جن کا حق مہر کم ہو۔

ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تنكح النساء على اربعة على المال والحسب والحسن والدين فعليكم بذات الدين ما استفاد امرء بعد الاسلام خيرا من زوجة مؤمنة موافقة يسر بها اذا نظر اليها۔

ترجمہ: چار بنیادوں پر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال کی وجہ سے خاندانی

لہ البقرة: ۱۸۷۔

Marfat.com

وجاہت کی وجہ سے۔ خوبصورتی کی بناپر اور دین داری کی بنیاد پر تمہیں چاہیے کہ دینداری کو بنیاد بناؤ کیونکہ اسلام کے بعد مومنہ عورت سے بڑھ کر کوئی چیز فائدہ مند نہیں جو موافقت کرنے والی ہو کہ جب اس پر نظر پڑے تو آدمی خوش ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ اور تنہائی میں اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ رہے تو اس کا مصاحب شیطان ہوتا ہے لہٰذا عفت کی حفاظت عورت منکوحہ کے ساتھ رہنے میں ہے بشرطیکہ اس سے اتفاق اور موافقت ہو ورنہ ناجنس عورت میں جو عذاب ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

صحیح حدیث میں ہے کہ نکاح ہر مرد اور عورت پر مباح ہے۔ جو شخص اپنی شہوت پر قابو نہ پا سکے اس پر فرض ہے۔ اور جو عیالداری کا حق ادا کر سکے اس کے لیے سنت ہے۔ صوفیہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دفع شہوت کے لیے نکاح کرنا چاہیئے تاکہ آدمی کا دماغ فارغ اور یکسو رہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ نسل کو بڑھانے کے لیے نکاح کرنا چاہیئے۔ سرکار ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چند آفتیں نکاح میں ہیں اور چند تجرد میں۔ تجرد میں یہ آفتیں ہیں کہ ترک سنت ہے اور دوسری یہ کہ شہوت کا دل میں پرورش پانا اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ نکاح میں غیر کی طرف دل کا مشغول ہو جانا اور بدن کا حظ نفس میں مشغول ہونا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں طالب کو چاہیئے کہ اپنے معاملے پر پہلے اچھی طرح غور کرلے اور یہ دیکھے کہ کس کا دفع کرنا آسان ہے۔ جو آسان ہو اس پر عمل کرے۔ اس مسئلہ کی اصل گوشہ نشینی

Marfat.com

اور مجلس گزینی میں ہے جو درویش خلقت کی صحبت اختیار کرے اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ نکاح کرلے اور جو عزلت گزیں ہو اسے مجرد رہنا بہتر ہے۔ البتہ اگر درویش نکاح کرے تو اسے چاہیئے کہ اپنی بیوی کی خوراک حلال مال سے دے اور اس کا مہر حلال رقم سے ادا کرے اور جب تک اللہ تعالیٰ کے حقوق (نماز۔ تہجد۔ ورد وظائف) اس کے ذمہ باقی ہوں بیوی کی طرف رجوع نہ ہو اس کے بعد جب رجوع ہو تو نیک اولاد کی دعا کرے۔ اور اسی نیت سے اس کے ساتھ مشغول ہو۔ درویش کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سنت کا استعمال دنیا یا حرام مشغلہ میں نہ کرے ورنہ اس کے دل پر آفت آجائے گی ایسی آفت جس کی تلافی ممکن نہیں۔ ہم اپنے زمانے میں دیکھتے ہیں کہ عورت خواہ کتنی ہی موافق کیوں نہ ہو مگر لازماً فضول چیزوں کی طلب کرتی رہتی ہے۔

شاید اسی بنا پر صوفیہ کرام کی ایک جماعت تجرد کو پسند کرتی ہے اس جماعت کا عمل اس حدیث پر ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

خیر الناس فی اٰخر الزمان خفیف الحاذ قیل یا رسول اللہ ماخفیف الحاذ قال الذین لا اھل لہٗ ولا ولد۔

ترجمہ، آخر زمانے میں خفیف الحاذ لوگ سب سے بہتر ہوں گے۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا حضور! خفیف الحاذ سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ لوگ جن کی نہ بیوی ہو نہ بچہ

اسی طرح ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

سیروا فقد سبق المفردون۔

Marfat.com

ترجمہ: سیر کرو کہ مجرد لوگ سبقت لے گئے) ان روایات کی بنیاد پر بعض مشائخ نے تجرد کی زندگی کو ترجیح دی ہے وہ طریقت میں بہت اچھے ہیں اور ان کا دماغ فارغ بھی ہے نیز وہ شہوت سے روگرداں ہیں عام لوگ اپنی شہوت پرستی کے لیئے یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب بنائی گئیں ہیں۔ خوشبو۔ عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے) تو جب عورتیں حضور صلی اللہ علیہ سلم کو پیاری ہیں تو پھر تجرید نکاح سے افضل نہیں ہو سکتی بلکہ نکاح کرنا افضل ہو گا۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لی حرفتان الفقر والجہاد (میرے دو حرفے ہیں ایک فقر اور دوسرا جہاد) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان پیشوں کے علاوہ تمام پیشوں کو ترک کر دینا چاہیئے اگر عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز ہے تو یہ دونوں پیشے بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فقر اور جہاد کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے اور عورت کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے؟ یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص پچاس سال بھی اتباع شہوات میں گزارے اور یہ خیال کرے کہ میں تو سنت کی اتباع کر رہا ہوں تو وہ سخت غلطی میں مبتلا ہے۔ اس لیے کہ عورت کا فتنہ معمولی فتنہ نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر جو پہلا فتنہ آیا وہ عورت ہی کی وجہ سے آیا۔ ہابیل و قابیل کے فتنے کا باعث بھی عورت ہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں (ہاروت و ماروت) کو آزمائش میں ڈالنا چاہا تو عورت ہی کو اس کا ذریعہ بنایا اور آج تک تمام فسادات کی

Marfat.com

بانی مبانی عورتیں ہی ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔

ترجمہ: (میں نے اپنے مابعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا)
حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں خود پندرہ سال آفت تزویج سے محفوظ رہا مگر مقدر میں تھا اور میں محض تذکرہ سن کر ایک پری پیکر کے خیال میں غرق ہو گیا اور ایک سال اس میں مبتلا رہا قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا کہ رحمت خداوندی نے میری دستگیری فرمائی اور میرے دل نے اس خیال سے خلاصی پائی۔ فی الجملہ طریقت کی بنیاد مشائخ نے تجرید پر رکھی ہے کیونکہ تزویج کے بعد حالت دگرگوں ہو جاتی ہے اور لشکر شہوت کو شکست دینا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس وقت سخت مجاہدے کی ضرورت پڑتی ہے۔ شہوت کا زوال دو چیزوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو تکلف سے اختیار کرنا پڑتا ہے اور دوسرا کسب و مجاہدے کے دائرے سے باہر ہے۔ تکلف والی صورت بھوک کی ہے کہ بھوک شہوت کو توڑنے میں نہایت طاقتور اور موثر عنصر ہے۔ اور دوسری چیز خوف خدا یا اس کی ایسی محبت ہے جو انسان کے جسم پر اس طرح چھا جائے کہ بندہ کے حواس کو معزول کر کے تمام غلط عناصر کو اس کے وجود سے فنا کر دے۔

صوفیہ کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ تزویج و تجرید کے معاملے کو کاملاً مشیئت ایزدی کے سپرد کر دینا چاہیئے اگر تجرید ہمارا مقدر بن جائے تو ہم عفت پر قائم رہیں اور اگر تزویج ہمارا مقدر ہو تو پھر ہم اطمینان قلب سے اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کوشاں ہوں۔ مختصر یہ کہ اگر کوئی درویش مجرد ہو تو اسے اپنی آنکھوں کو ناشائستہ محرمات کو دیکھنے سے بچانا چاہیے نادیدنی کو ہرگز نہ دیکھے اور خراب خیالات سے اپنے دل و دماغ کو بچانے اور بھوک کے ذریعہ اپنی شہوت

Marfat.com

پر قابو حاصل کرے۔ امردوں کی صحبت سے پرہیز کرے اور ہوائے نفس کو ہرگز ہرگز علم کا نام نہ دے اور اپنی خواہشات شیطانی کے لیے تاویل نہ تراشے تاکہ اہل طریقت کے نزدیک مقبول ہو اور اگر وہ تزویج کے ساتھ مبتلا ہو تو پھر وجہ حلال سے اپنے متعلقین کے اخراجات کا بار اٹھائے اور اپنے اہل و عیال کو لقمۂ حرام سے بچائے۔ اور اہل و عیال کے اخراجات کے لیے ظالم حکمرانوں کی خوشامد کرے نہ ظلم و طغیان میں ان کی معاونت کرے۔ نیز اسے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ اوراد و معمولات میں کوئی فرق نہ آئے اور احوال ضائع نہ ہوں۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ درویش کو شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیئے

تینتالیسویں فصل

صوفیہ کی اصطلاحات و حقائق

ہر فن کے جاننے والوں کی اصطلاحات ہوتی ہیں جن سے صرف وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو اس فن کو جانتے ہیں۔ اس سے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ ایک اصطلاحی لفظ استعمال کر دینے سے سامع اور قاری اگر اس فن سے واقف ہو تو پورے مفہوم کو سمجھ لیتا ہے جبکہ اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے طویل عبارت لانے کی ضرورت ہوتی اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسرار محفوظ رہتے ہیں جنہیں نااہلوں سے بچانا چاہتے ہیں۔ مثلاً اہل لغت ماضی۔ حال۔ مستقبل۔ صحیح۔ معتل۔ اجوف جیسی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں۔ اہل نحو رفع۔ نصب جر۔ کسرہ۔ خفض وغیرہ بولتے ہیں۔ اہل عروض۔ بحور۔ دوائر۔ سبب۔ وتد۔ فاصلہ جیسی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں حساب داں جمع۔ تفریق۔ ضرب۔ تقسیم۔ جزر جیسی اصطلاحیں برتتے ہیں۔ فقہا قیاس اجتہاد۔ علت۔ معلول۔ جیسے الفاظ محدثین۔ مسند۔ مرسل۔ آحاد۔ متواتر۔ جرح و

Marfat.com

تعدیل جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں اور مقصود یہی ہوتا ہے کہ طویل مفہوم کو مختصر سے لفظ کے ذریعہ واضح کر دیا جائے۔ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کے یہاں بھی یہی معمول ہے۔ اور ان کے درمیان بھی چند اصطلاحات رائج ہیں اور ان کا بھی مقصود یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم کا ابلاغ ہو جائے اور حقائق معانی نااہلوں کی گرفت اور رسائی سے محفوظ رہیں۔ آئندہ صفحات میں انہی اصطلاحات کا اجمالاً تعارف کرایا جائے گا۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ لوگ ان حقائق کے معانی سے آشنا ہو جائیں چنانچہ کشف المحجوب میں حضرت نے اصطلاحات صوفیہ کے مفاہیم کو مندرجہ ذیل انداز میں پیش فرمایا ہے۔

چوالیسویں فصل

حال اور وقت کا بیان

اصطلاح تصوف میں وقت اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ جب وہ بندے پر وارد ہوتی ہے تو اس حال میں نہ تو اسے ماضی یاد رہتا ہے نہ حال نہ مستقبل وہ اس وقت نہیں جانتا کہ اس کا ماضی کیا تھا اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ اہل وقت صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم جس وقت میں ہیں اگر ہم آئندہ کے تصور میں مشغول ہو جائیں یا اس کا اندیشہ تک اپنے دل میں لائیں تو محجوب ہو جائیں اور حجاب سے بڑھ کر کوئی پریشانی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔

ترجمہ: (میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے یا نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی)

یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان

Marfat.com

و زمین اور ملک و ملکوت کا حسن ظاہر کیا گیا تو آپ نے کسی چیز کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور حسن ازل کے مشاہدے میں اس طرح مستغرق رہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی - (نہ تو آپ کی نظر جھپکی اور نہ بہکی) کیونکہ مقام قرب تھا اور جو وقت میسر آیا تھا اس سے بڑھ کر کبھی میسر نہیں آ سکتا تھا اس لیے آپ کسی چیز میں مشغول نہ ہوئے۔ غرضیکہ موحد کے لیے دو طرح کے وقت ہوتے ہیں ایک تو از خود رفتگی کے عالم میں اور دوسرا حالت وجد میں۔ ایک مقام وصال ہے اور دوسرا مقام فراق۔ اور موحد، دونوں اوقات میں غلبۂ حق سے مقہور ہوتا ہے۔ وصل میں اس لیئے کہ وہ واصل بحق ہوتا ہے اور فصل میں اس لیے کہ اس کا فصل بحق ہوتا ہے۔ یہ وصل و فصل کی کیفیات ایسی ہیں کہ ان میں کسب و اختیار کو قطعاً دخل نہیں۔ مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے:

الوقت سیف قاطعٌ (وقت کاٹنے والی تلوار ہے) اس کا مفہوم یہ ہے کہ وقت ہی ماضی و حال و مستقبل ہے اور خود وقت ہی اس کو مٹانے والا ہے ہمارا آج ہمارے کل کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہمارے آج کو ہمارا آنے والا کل فنا کر دے گا۔ وقت وہ تلوار ہے کہ اسے اگر ہزار برس بھی کاندھے پر رکھے پھر و پھر بھی جب اسے اپنے حلقوم پر چلاؤ گے تو وہ تلوار تمہاری ہزار سالہ خدمت کا خیال نہ کرے گی اور تمہارے حلقوم کو کاٹ ڈالے گی۔ کیونکہ مصاحبت کرنے سے اس کی صفت زائل نہیں ہوتی اس کی صفت کے زائل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وقت حال کے ساتھ قائم ہو جائے۔ چونکہ اپنے قیام میں وقت حال کا محتاج ہوتا ہے اس لیے جب صاحب وقت صاحب حال ہو جاتا ہے تو پھر وقت میں تغیر نہیں ہوتا اور وہ حال کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ وقت بغیر حال کے ہمیشہ معرض زوال میں رہتا ہے۔ جب وہ حال سے ملا تو صاحب وقت کا ہر وقت حال بن جاتا ہے۔ اور یہ اصول

Marfat.com

ہے کہ صاحب غفلت پر جب حال نازل ہو تو وہ متمکن وقت ہو جاتا ہے اور اس وقت بوجہ صاحب حال ہونے کے اس پر غفلت طاری نہیں ہوتی۔ اس وقت صاحب حال اپنا حال بیان نہیں کر سکتا۔

وقت اور حال کی حقیقی کیفیات کو سمجھنے کے لیے دو انبیاء علیہم السلام کے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب وقت تھے اس لیے ہجر و وصال کی دونوں کیفیتوں کے درمیان ان میں تغیر ہوتا رہتا تھا۔ کبھی تو فراق میں روتے روتے آنکھیں سفید ہو جاتیں اور کبھی وصال میں روشن سے روشن تر حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے اور ان میں تمکن تھا اس لیے نہ فراق سے غمناک تھے نہ وصال سے مسرور جو دیکھتے حق دیکھتے اور بلا تکلف اعلان فرما دیا لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ (میں غروب ہونے والے کو نہیں چاہتا) چونکہ ہر آن صاحب حال کو حضرت حق سے بشارت ملتی رہتی ہے اس لیے کیفیت حجاب ہو یا کشف یا بلا اس کے حال میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

پینتالیسویں فصل

مقام و تمکین کا بیان

مطلوب کے حقوق کو صحت نیت کے ساتھ سخت محنت اور کوشش سے ادا کرنے پر ڈٹ جانے کو مقام کہتے ہیں۔ طالب حق کے مریدوں میں سے ہر ایک کے لیے اپنی اپنی کوشش، رجحان طبع اور انتخاب طریق کے حوالے سے الگ الگ مقام ہیں۔ اگرچہ طالب متعدد مقامات سے گزرتا ہے اور ہر مقام سے اسے کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے تاہم اس سارے سفر کے بعد وہ جس مقام پر ٹھہر جاتا ہے اسی مقام سے اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا۔

Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام کا زہد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تسلیم ورضا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انابت حضرت داؤد علیہ السلام کا حزن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رجا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خوف اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

طریق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک مقام دوسرا حال اور تیسرا تمکین انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ مقامات کی توضیح فرمائیں کل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور سب کے مقامات الگ الگ تھے۔ پھر جب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہر صاحب مقام کا حال ظاہر ہوا اور یہاں تک پہنچا کہ وہاں سے مخلوق کا کسب منقطع ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔[1]

ترجمہ: یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔

تمکین محققین صوفیہ کے نزدیک تمکین محل کمال اور درجۂ عالیہ کو کہتے ہیں۔ مقام سے گزرنا آسان ہوتا ہے لیکن تمکین پر پہنچنا اور اس سے گزرنا سخت دشوار ہوتا ہے کیونکہ مقام مبتدیوں کے لیے ہے۔ اور تمکین منتہیوں کے لیے چنانچہ بدایت سے نہایت تک کا تو سفر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہایت سے آگے جانے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ مقامات تو منازل راہ ہیں اور تمکین حضور میں قرار

---

[1] المائدۃ: ۳

پکڑنے کو کہتے ہیں۔

جب تک مسافر منزل پر نہیں پہنچتا مقامات بطور عارض اس کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں لیکن جب تمکین کو پہنچ گیا تو پھر سواری اور سامان سفر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مقام تلوین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تمکین میں پہنچے تو حکم ہوا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ [1] (جوتے اتار دو) اور اَلْقِ عَصَاکَ [2] (لاٹھی پھینک دو) کہ یہ آلات سفر ہیں اور مقام وصل میں پہنچ کر آلات باطل ہو جاتے ہیں۔ دوستی کی ابتدا میں طلب و اضطراب ہوتا ہے لیکن انتہا میں قرار حاصل ہو جاتا ہے۔ پانی جب تک سمندر تک نہیں پہنچتا جاری رہتا ہے اور مضطرب لیکن سمندر میں پہنچ کر اس کو قرار مل جاتا ہے۔ اور جب قرار پکڑ لیتا ہے تو اس کا مزہ بھی بدل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جسے پانی کی ضرورت بھی ہوتی ہے وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ البتہ اب اس کی طرف وہ مائل ہو گا جسے موتیوں کی تلاش ہو وہ جان پر کھیل کر طلب کا پتھر پاؤں میں باندھتا ہے اور سر کے بل سمندر میں کود پڑتا ہے پھر یا تو موتی نکالتا ہے یا پھر جان ہار بیٹھتا ہے۔

تلوین

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ "تمکین تلوین کو رفع کر دیتی ہے" کیونکہ تلوین ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے رہنے کو کہتے ہیں تلوین میں انسان متردد ہوتا ہے اور متمکن متردد نہیں ہوتا۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت تلوین میں تھے اس لیے ایک ہی تجلی میں بے ہوش ہو گئے اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا [3] (اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے) اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم متمکن تھے تو مکہ سے مقام قاب قوسین

---

[1] طٰہٰ: ۱۲ [2] النمل: ۱۰ [3] الاعراف: ۱۴۳

Marfat.com

تک چلے گئے اور آپ میں کسی قسم کا تغیر رونما نہ ہوا۔

تمکین کی اقسام

تمکین کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جس میں مشاہد کی نسبت اپنی طرف ہو ایسا مشاہد باقی الصفة ہوتا ہے اور جس مشاہد کی نسبت بحق ہو وہ فانی الصفة ہوتا ہے۔فانی الصفة پر محو، صحو، لحق و محق، فنا و بقا، وجود و عدم کچھ بھی طاری نہیں ہوتا کیونکہ اوصاف موصوف کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور جب موصوف خود ہی مستغرق ہو تو اوصاف کے قائم ہونے کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔

چھیالیسویں فصل

محاضرہ و مکاشفہ اور ان کے درمیان فرق کا بیان

لطائف کے بیان میں حضور دل کو محاضرہ کہا جاتا ہے۔اور مکاشفہ حضور سیر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔محاضرہ مشاہدۂ آیات پر ہوتا ہے اور مکاشفہ مشاہدۂ مشاہدات پر۔محاضرہ کی علامت دوام فکر ہے کنہ ذات میں جب تک رؤیت آیات کے ساتھ فکر باقی رہے اور مکاشفہ کنہ ذات میں دوام تحیر کو کہتے ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ محاضرہ میں طالب افعال میں متفکر ہوتا ہے جبکہ مکاشفہ میں جلال میں متحیر ہوتا ہے۔ محاضرہ قرین خلت ہے اور مکاشفہ قرین محبت۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ملکوت السمٰوٰت پر نظر ڈالی اور اس کی حقیقت وجود میں تامل و تفکر کیا اور ان کا دل رؤیت فعل کے بعد حاضر ہوا۔ اور انہوں نے فرمایا: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔[1]

---

[1] الانعام: ۷۹

Marfat.com

دیں یکسو ہو کر متوجہ ہوتا ہوں اس ذات کی طرف جس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا) اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (شب معراج میں) ملکوت میں لے گئے تو آپ کی نظر مبارک تمام مخلوقات سے بلند ہو گئی آپ نے نہ فعل کو دیکھا نہ مخلوق کو اور نہ خود کو دیکھا تاکہ فاعل حقیقی کا مکاشفہ ہو۔ آپ نے قرب طلب کیا جو ممکن نہ تھا قصد وصل کیا اس کی کوئی صورت نہ تھی ہر چند کہ دل پر رب ذوالجلال کی تنزیہ کامل طور پر ظاہر تھی مگر شوق تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ نہ اعراض فرما سکتے تھے نہ اقدام متحیر ہو گئے۔ سو جہاں خلت ہوتی ہے وہاں حیرت کفر ہوتی ہے یہاں محبت تھی اس لیے وصل شرک کی شکل اختیار کر لیتا لہٰذا اس مقام پر حیرت ہی سب سے بڑا سرمایہ تھی۔ مقام خلت میں حیرت اس لیے شرک تھی کہ وہ حیرت وجود میں تھی اور یہاں حیرت اس لیے سرمایہ بنی کہ یہ حیرت توحید میں تھی۔ اسی لیے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یا دلیل المتحیرین زدنی تحیرا (اے متحیروں کو راہ دکھانے والے میرے اندر حیرت اور بڑھا دے) یہ اس لیے کہ مشاہدہ میں جوں جوں حیرت بڑھتی جاتی ہے درجہ بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

سنتالیسویں فصل

قبض و بسط اور ان کے درمیان فرق

قبض و بسط طریقت میں ایسی دو کیفیتوں کا نام ہے جن پر بندے کا کوئی اختیار نہیں۔ نہ یہ کیفیت کسب سے آتی ہے نہ بندے کی کوشش سے دفع ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [1]

---

[1] البقرۃ: ۲۴۵

Marfat.com

ترجمہ: اور اللہ ہی قبض کرتا اور کھولتا ہے اور اسی کی طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے۔
پس قبض کہتے ہیں قبض قلوب کو حالت حجاب میں اور بسط کہتے ہیں بسط قلوب کو حالت کشف میں یہ دونوں کیفیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں عارفوں کی وقت قبض میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو مریدوں کی حالت خوف میں۔
مشائخ کا ایک گروہ درجہ کے اعتبار سے قبض کو بسط پر ترجیح دیتا ہے ان کے نزدیک اس کے دو سبب ہیں۔ ۱؎ ایک تو یہ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قبض کا پہلے تذکرہ فرمایا ہے اور بسط کا بعد میں۔ ۲؎ دوسرے یہ کہ قبض میں قہر ہے اور بسط میں لطف اور لامحالہ قہر نفس افضل ہے انشراح نفس سے۔ اس لیے کہ نفس کا انشراح تو حجاب اعظم ہے
مشائخ کی ایک جماعت بسط کو قبض پر ترجیح دیتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں افضل چیز کو بعد میں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؎

ترجمہ: بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو اور بعض ان میں سے بھلائی میں سبقت کرنے والے ہیں)
اس مقام پر جو سب سے بہتر لوگ ہیں ان کا تذکرہ سب کے بعد میں کیا گیا ہے۔
دوسری بات یہ ہے کہ بسط میں سرور اور قبض میں ہلاکت ہے۔

محاکمہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں میرے شیخ (حضرت ابوالفضل الختلی رحمۃ اللہ علیہ) نے نہایت صحیح اور واضح بات فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

؎ فاطر: ۳۲

"دراصل قبض و بسط ایک ہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر وارد ہوتی ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ یہ دل پر وارد ہوتی ہے اور اس سے سر مسرور اور نفس مقہور ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سر مقہور اور نفس مسرور ہوتا ہے۔ اس لیے سر کے قبض میں نفس کا بسط اور نفس کے قبض میں سر کا بسط ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لا قبض ولا بسط ولا طمس ولا انس ولا صحو ولا محق ولا عجز ولا جھد یہ سب تقدیر کے ماتحت ہیں۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔ اسی کے مطابق یہ کیفیات طالب پر وارد ہوتی ہیں انسان اس معاملے میں بالکل بے بس ہے۔ لہٰذا تقدیر کے فیصلے کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لینے ہی میں کامیابی اور طمانینت ہے۔"

اسی بات کو حافظ شیرازی نے یوں ادا کیا ہے۔

روئے کشادہ باید و پیشانیٔ فراخ۔ آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند

جب اللہ کے ہاتھ سے طمانچے پڑیں تو چہرہ کشادہ اور پیشانی کو فراخ کرنا چاہیئے۔

اڑتالیسواں فصل

انس و ہیبت اور ان کے درمیان فرق

درویشوں کے حالات میں انس و ہیبت دو حال ہیں جو ان پر وارد ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ بندے کے قلب پر جلالی تجلی ڈالتا ہے تو اس وقت اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اور جب تجلی جمالی ڈالتا ہے تو اس میں انس پیدا ہوتا ہے۔ اور مصلحت الٰہی یہ ہے کہ جب جلال کی وجہ سے ہیبت طاری ہو تو بندہ خوف و مشقت میں رہے اور جب جمال کی وجہ سے انس پیدا ہو تو وہ خوشی و انشراح کی کیفیات سے

Marfat.com

متکیف رہے۔ جب دل مقام ہیبت میں ہوتا ہے تو آتش محبت میں جلتا رہتا ہے اور جب مقام انس میں ہوتا ہے تو نور مشاہدہ سے فروزاں ہوتا ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ہیبت عارفوں کا مقام ہے اور انس مریدوں کا۔ کیونکہ جو شخص حضرت حق کی تنزیہ و جلال کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے دل پر ہیبت چھائی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی طبیعت انس سے دور ہوتی ہے کیونکہ انس ہم جنس سے ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ ورا الورا ثم ورا الورا ہے ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک لہٰذا خلق کا انس خالق کے ساتھ محال ہے اور خالق کو بھی خلق سے انس نہیں ہو سکتا البتہ انس اس کے ذکر کے ساتھ ہو سکتا ہے مگر ذکر تو خدا کا غیر ہے۔ اور غیر کے ساتھ مطمئن ہو جانا دنیائے محبت میں کذب و دعویٰ و پندار ہے مزید آنکہ ہیبت مشاہدۂ عظمت سے پیدا ہوتی ہے اور عظمت صفت حق ہے

مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ہیبت قرینہ عذاب و فراق و عقوبت ہے اور انس نتیجۂ وصل و رحمت اور اس کا مقصود یہ ہے کہ بندہ تصورات و اثرات ہیبت سے محفوظ رہے۔

محاکمہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخؒ کا قول نقل فرماتے ہوئے محاکمہ کرتے ہیں کہ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے اس شخص پر سخت تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالےٰ کے ساتھ انس ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں خود فرمایا ہے

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ[1]

ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ انہیں بتا دیں کہ میں ان کے

---

[1] البقرہ: ۱۸۶

Marfat.com

قریب ہوں ۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو میں قبول کرتا ہوں ۔ لہٰذا لازماً بندہ جب اپنے مولا کا یہ کرم و فضل دیکھتا ہے تو اس سے محبت کرنے لگتا ہے ۔ ہیبت بیگانگی پیدا کرتی اور انس یگانگی ۔ اور یہ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اپنے منعم سے محبت کرتا ہے ۔ ہمارا وہ مالک جس کے ہمارے اوپر اتنے انعامات ہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے ہیبت کی بات کریں ؟ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں گروہ اپنے اپنے نظریات کے اعتبار سے ٹھیک کہتے ہیں کیونکہ ہیبت نفس پر غلبہ کر کے اس کی خواہشات کو فنا کر دیتی ہے ۔ عین اسی وقت انس انسان کے سِر میں داخل ہو کر اس میں معرفت کی پرورش کرتا ہے ۔ پس حق تعالےٰ اپنی تجلی جلال سے نفس کو فنا کرتا ہے اور تجلی جمال سے اس کے سِر کو بقا بخشتا ہے ۔ تو جو لوگ اہل فنا ہیں وہ ہیبت کو ترجیح دیتے ہیں اور جو اہل بقا ہیں وہ انس کو ۔

انچاسویں فصل

قہر و لطف اور ان کے درمیان فرق

قہر و لطف یہ دو لفظ ہیں جن کے ذریعہ مشائخ اپنے اوقات کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ قہر کا مفہوم ان کے نزدیک ایسی تائید حق ہے جو بندے کی مرادوں کو اس سے فنا کر دیتی ہے اور اس کے نفس کو آرزو سے جدا کرنے والی ہے اور لطف کا مفہوم ان کے نزدیک اس تائید حق سے ہے جو بقا رسِر اور دوام مشاہدہ سے بندے کو ہمہ وقت مستفیض رکھتی ہے ۔ ارباب لطف حصول مراد کو کرامت قرار دیتے ہیں اور اصحاب قہر کرامت نامرادی کو سمجھتے ہیں ایسی نامرادی کہ اگر وہ پیاس کی حالت میں دریا پر جائے تو دریا خشک ہو جائے ۔

چنانچہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

Marfat.com

خداوندا! اگر تو آسمان کو طوق بنا کر میرے گلے میں ڈال دے اور زمین کو زنجیر پا کر دے تو بھی میں تیری راہ سے نہ ہٹوں"۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ ایک مرتبہ جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع تھا اور میرے شیخ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے بڑے بڑے اولیاء اللہ موجود تھے مگر جب ایک لاغر اندام ٹوٹی جوتی پہنے پھٹے پرانے لباس میں آیا تو شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی میں متعجب ہوا اور ان سے اس اعزاز کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ

"ہر ولی طلب گار ولایت ہوتا ہے یہ وہ ولی ہے کہ ولایت اس کی طلب گار ہے"۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس کی بارگاہ میں خود کچھ طلب نہ کرو کیونکہ جو تم طلب کرو گے اس میں بلا ہے بلکہ سب کچھ مالک پر چھوڑ دو قہر کرے تو راضی رہو اور لطف کرے تو خوش دلی سے قبول کرو کہ کمال بندگی یہی ہے کہ اپنی خواہش کا پردہ درمیان سے اٹھا دو۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ جو دے گا۔ اس کی حفاظت خود فرمائے گا۔

پچاسویں فصل

نفی و اثبات اور ان کے درمیان فرق

حضرت مشائخ رحمہم اللہ اجمعین تائید حق تعالیٰ کو ثابت کرنے میں صفات بشریت کی نفی کو نفی و اثبات کہتے ہیں۔ نفی سے ان کی مراد صفات بشریت کی نفی ہوتی ہے اور اثبات سے مراد سلطان حقیقت کا اثبات ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بقاء ذات کی صورت میں کاملاً صفات بشریت کی نفی نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

انسان صفات محمودہ و مذمومہ سے مرکب ہے لہٰذا اتصال محمودہ کے اثبات سے صفات مذمومہ کی نفی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اثبات صفات حق نفی بشریت کے مترادف ہے۔ صوفیہ نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ نفی سے مراد بندہ کے اختیار کی نفی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے اختیار کا اثبات ہے۔ کیونکہ محبت اسی کا نام ہے کہ محب اپنے محبوب کے اختیار میں اپنے اختیار کی نفی کر دے۔ اور صوفیہ کی تمام جماعتیں اس حقیقت پر متفق ہیں۔ نفی اختیار حضرات صوفیہ کے نزدیک کمترین درجہ ہے۔ اس لیے کہ اختیار حق ازلی ہے اور اس کی نفی ممکن ہی نہیں ہے جبکہ بندہ کا اختیار عارضی ہے اور اس کی نفی بہ آسانی ہو سکتی ہے پس ضروری ہوا کہ محبوب حقیقی کے اختیار ازلی کے سامنے بندہ اپنے اختیار عارضی کو پامال کرے۔ تاکہ اختیار ازلی کے ساتھ بقا پائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اپنے اختیار سے خواہش دید کی تھی جواب ملا لَنْ تَرَانِیْ (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا بارالٰہا! میں تیرے دیدار کا مستحق ہوں پھر مجھے کیوں روک دیا گیا؟ جواب ملا موسیٰ! دیدار تو حق ہے لیکن اس میں اختیار (بندہ) باطل ہے۔ کہ جس مقام پر آپ فائز ہیں یہاں تو بندہ کا کوئی اختیار ہی نہیں۔

اکاونویں فصل

مسامرہ و محادثہ اور ان کے درمیان فرق

حضرتؒ نے فرمایا:

مسامرہ اور محادثہ درحقیقت یہ دو احوال ہیں جن سے حضرات صوفیہ کو گزرنا پڑتا ہے۔ رات کے وقت جب بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مناجات و سرگوشی میں مصروف رہتا ہے اسے مسامرہ کہتے ہیں اور دن کے وقت جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا رہتا ہے تو اسے محادثہ کہتے ہیں۔ دن کا حال کشف پر مبنی ہوتا

Marfat.com

ہے اور رات کا حال سر پر۔ طریقت میں مسامرہ محادثہ سے افضل مانا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راز و نیاز کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کو براق کے ساتھ بھیجا اور آپ مقام قاب قوسین تک پہنچ گئے۔ جب آپ اس مقام پر فائز ہوئے تو کشف جلال سے آپ کی زبان بند ہو گئی اور کنہ عظمت میں دل متحیر رہ گیا۔ زبان عبارت سے عاجز آ گئی اور آپ صرف اتنا کہہ سکے لا احصی ثناء علیک (میں تیری ثنا بیان نہیں کر سکتا) یہ کیفیت مسامرہ ہے۔ اور محادثہ کا حال وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا کہ چالیس دنوں تک آپ نے کوہ طور پر قیام کیا پھر سوال رؤیت اور ایک ہی تجلی میں بے ہوش ہو گئے ہوش آیا تو فرمایا تُبْتُ اِلَیْکَ (میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں) آنے والے اور لائے جانے والے میں یہی فرق ہے۔ کہ ایک کے بارے میں ارشاد ہوا

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔[1]

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی۔

علم الیقین

اور دوسرے کے بارے میں فرمایا گیا:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ[2]

---

[1] بنی اسرائیل: ۱

[2] الاعراف: ۱۴۳

Marfat.com

ترجمہ: اور جب موسیٰ ہمارے میقات پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا
تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! مجھے اپنی ذات دکھائیں تجھے دیکھنا
چاہتا ہوں رب نے کہا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

پس رات دوست کے ساتھ خلوت کا وقت ہوتا ہے اور دن بندگان خدا کی خدمت کا۔ ظاہر ہے کہ "دوست کے ساتھ خلوت" (مسامرہ) بندگان خدا کے ساتھ صحبت (محادثہ) سے افضل چیز ہے۔۔

باونویں فصل

علم الیقین عین الیقین حق الیقین اور انکے درمیان فرق

وہ علم علم نہیں ہے جس کی صحت کا یقین نہ ہو۔ اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو غیب عین کی مانند ہو جاتا ہے۔ کل قیامت کے دن مومنین جب اللہ تعالیٰ کا اس کی تمام صفات کے ساتھ دیدار کریں گے تو اسے ویسا ہی پائیں گے جیسا کہ آج وہ اس کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ ویسا ہی نہ پائیں تو یا تو کل ان کی رؤیت صحیح نہیں ہوگی یا ماننا پڑے گا کہ آج ان کا علم صفات باری تعالیٰ کے بارے میں درست نہیں ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں توحید کے خلاف ہیں۔ لہٰذا درست بات یہی ہے کہ آج مخلوق کا علم خالق کے بارے میں درست ہے اور کل ان کی رؤیت بھی درست ہوگی۔ پس علم الیقین حق الیقین کے مانند ہے اور حق الیقین عین الیقین کے مثل۔ اور جو لوگ عین الیقین سے استغراق علم مراد لیتے ہیں وہ درست نہیں اس لیے کہ یہ محال ہے۔ کیونکہ حصول علم میں رویت کی حیثیت ایک آلے کی ہے جیسے کہ سماع علم کا ایک آلہ ہے اور جس طرح سماع میں استغراق علم محال ہے اسی طرح حصول رؤیت سے بھی استغراق علم محال ہوگا۔

لہٰذا لامحالہ صوفیہ کے نزدیک علم الیقین سے مراد احکام وادامر کا علم ہوگا اور عین الیقین سے وہ علم مراد ہوگا جو نزع کے وقت جب کہ آدمی اس دنیا سے روانہ ہونے لگتا ہے انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اور حق الیقین سے وہ علم مراد ہوگا جو بہشت میں رؤیت باری تعالےٰ کے وقت جنتیوں کو حاصل ہوگا۔ لہٰذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے۔ کہ وہ احکام شریعت پر استقامت اختیار کرتے ہیں، عین الیقین عارفوں کا درجہ ہے جو اپنی استعداد کے مطابق بوقت فنا حاصل کرتے ہیں اور حق الیقین محبوں کی فنا گاہ ہے اس لیے کہ وہ تمام موجودات سے اعراض کئے ہوئے ہوتے ہیں علم الیقین مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین انس سے اور حق الیقین مشاہدے سے۔ ان میں سے پہلا عام ہے۔ دوسرا خاص اور تیسرا خاص الخاص۔

ترپنویں فصل

علم ومعرفت اور ان کے درمیان فرق

علمائے اصول نے علم ومعرفت کے درمیان فرق نہیں کیا ہے ان کے نزدیک تقریباً دونوں ایک ہی چیز ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم کہہ سکتے ہیں عارف نہیں کہہ سکتے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو دونوں مترادف نہیں ہیں۔

حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین نے اس کی تصریح یوں بیان کی ہے کہ وہ علم جو احوال ومعاملات کے ساتھ مقرون ہو اور عالم اپنے احوال کی بنیاد پر بیان کرے اسے معرفت کہتے ہیں اور وہ علم جو معانی اور احوال سے خالی ہو اور محض عبارت ہی عبارت ہو اور اسے حفظ کے ذریعہ حاصل کیا جائے وہ علم ہے۔ عالم عبارات وحافظ عبارات کو عالم اور واقف معانی وحقائق کو عارف کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرات صوفیہ کے نزدیک ایسی جماعت کو کوئی اہمیت نہیں ہے جو صرف عبارات کو حفظ کرنے

Marfat.com

میں مشغول رہتی ہے اور حقائق و معانی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتی اور اسے یہ لوگ "دانشمند" کہتے ہیں اس گروہ کی عوام میں بھی کوئی وقعت نہیں ہوتی حضرات صوفیہ اس گروہ کو حصول علم کے باعث بے وقعت نہیں قرار دیتے بلکہ ان کی بے وقعتی کی وجہ یہ ہے کہ ایسے علمائے ظاہر کا علم حال اور معاملات سے خالی ہوتا ہے یہ علماء قائم بالنفس ہوتے ہیں جبکہ عارف قائم بالرب ہوتا ہے۔ علمائے ظاہر اپنی جانب سے کلام کرتے ہیں۔ اور عارف اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کرتا ہے۔ لہٰذا ایک کے کلام پر نفسانیت کا اور دوسرے کے کلام پر للّٰہیت کا غلبہ ہوتا ہے

پچونویں فصل

شریعت و حقیقت اور انکے درمیان فرق

شریعت صحت حال کو ظاہر کرتی ہے اور حقیقت باطن کے ساتھ احوال کے قیام کو ظاہر کرنے والی چیز ہے۔ علمائے ظاہر حقیقت و شریعت میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ شریعت حقیقت ہے اور حقیقت شریعت ملاحدہ کہتے ہیں کہ حقیقت و شریعت میں کوئی تعلق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے تو شریعت ساقط ہو جاتی ہے۔ قرامطہ اور ان کے بانیان کا یہی عقیدہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت باعتبار حکم حقیقت سے جدا ہے۔ کیونکہ ایمان میں تصدیق قول سے جدا ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملاحدہ کی یہ دلیل باطل ہے اس لیے کہ دراصل ایمان میں تصدیق قول سے جدا نہیں ہے کیونکہ اگر تصدیق قلبی ہو اور اقرار لسانی نہ ہو تو ایمان معتبر نہیں اسی طرح اگر اقرار باللسان ہو اور تصدیق قلبی نہ ہو تو وہ ایمان بھی معتبر نہیں پس حقیقت میں نسخ نہیں ہو سکتا اور حضرت آدمؑ سے لے کر فناءِ عالم تک اس کا ایک ہی حکم یکساں طور پر

باقی رہے گا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت یا صحت احوال کہ ان کا حکم ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک یکساں رہے گا۔ اس کے برخلاف شریعت میں نسخ و تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ کسی شریعت میں کوئی حکم تھا اور کسی میں کوئی دوسرا۔ دراصل شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت داشتِ خداوند اور حفظ و عصمت ربانی۔ الغرض اقامت شریعت بغیر وجود حقیقت محال ہے۔ اور اقامت حقیقت بغیر وجود شریعت محال اس کی مثال ایک انسانی جسم کی ہے جس میں روح حقیقت ہے اور جسم شریعت۔ اگر جسم سے جان نکل جائے تو جسم مردار ہے اور جسم کے بغیر روح کا قیام ممکن نہیں شریعت بے حقیقت ریا ہے اور حقیقت بے شریعت نفاق۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا [1]۔ (ترجمہ۔ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور بالضرور انہیں اپنی راہ دکھاتے ہیں) اس مقام پر مجاہدہ (کوشش) سے مراد شریعت ہے اور ہدایت سے مراد حقیقت۔ اوّل الذکر (شریعت) بندہ کو احکام ظاہری کا پابند رکھتی ہے اور ثانی الذکر (حقیقت) اسے احوال باطنی کے ساتھ قائم کئے رکھتی ہے۔ گویا شریعت کا تعلق بندہ کے کسب سے ہے اور حقیقت موہبت ربانی ہے۔

پچپن ویں فصل

اصطلاحات صوفیہ

حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین کے درمیان چند اصطلاحات رائج ہیں

---

[1] العنکبوت —— ۶۹

Marfat.com

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں افادۂ عام کی غرض سے اجمالاً ان کا تعارف کرایا ہے اور اس سے حضرتؒ کا مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی عامی آدمی صوفی لٹریچر کا مطالعہ کرے تو حضرات صوفیہ کے مصطلحات سے عدم واقفیت کی بنا پر اسے دشواری نہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

ایں حدود و عبارتیست کہ استعارت پذیر داند رکلام ایشاں وایں تفصیل وشرح مشکل ترشود حکم آں دمن بر سبیل اختصار بیاں ایں نوع بکنم ان شاء اللہ تعالیٰ

یہ تعریفات ہیں ان استعاروں کی جو حضرات صوفیہ کے کلام میں استعمال کیے جاتے ہیں اور ان کی تفصیل وشرح تو بہت مشکل ہے البتہ میں مختصراً اس نوع کا بیان کروں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

ذیل میں چند مصطلحات کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

الحق: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

الحقیقۃ: بندہ کا محل وصل میں اللہ کے ساتھ قیام اور محل تنزیہ میں اس کے اسرار کی واقفیت۔

الخطرات: احکام طریقت جو وقتاً فوقتاً دل پر گزرتے رہتے ہیں۔

الوطنات: وہ معانی الٰہی جو طالب کے سر میں قائم ہو جاتے ہیں

الطمس: غین کی ایسی نفی کہ اس کا اثر باقی نہ رہے۔

الرمس: عین کی ایسی نفی جس کا اثر دل پر باقی رہے۔

الوسائط: وہ اسباب جن سے تعلق قائم کرنے کی وجہ سے سالک اپنی مراد کو پہنچ جاتا ہے۔

العلائق: وہ اسباب جن سے تعلق ہونے کی وجہ سے سالک اپنی مراد کو نہیں

Marfat.com

پہنچ پاتا۔

الزوائد : دل پر جب انوار کا بکثرت ورود ہونے لگتا ہے۔

الفوائد : ضروری اسرار کا ادراک۔

الملجا : مراد کے حصول کا اعتماد۔

المنجاء : محل آفت سے دل کی خلاصی۔

الکلیہ : صفات بشریہ کا بالکلیہ استغراق۔

اللوائح : اثبات مراد پھر فوراً ہی اس کی نفی۔

اللوامع : دل پر انوار کا اظہار بہ بقائے فوائد

الطوالع : معارف انوار کا دل پر طلوع

اللطیفۃ : اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کا خفیہ اشارہ جو دل پر وارد ہوتا ہے

السّر واردات قلب (بسلسلہ محبت الٰہی) کا اخفاء

النجویٰ : سلوک میں جن آفات میں آدمی مبتلا ہوتا ہے ان کا غیر سے اخفاء۔

الاشارہ : بغیر عبارت غیر اللہ سے متعلق خبر دل کا علم ہونا۔

الایماء : بغیر اشارہ و عبارت خطاب (اس کی صورت القاء نفسی کی ہوتی ہے)

الوارد : دل میں خود بخود مخصوص حقائق و معانی کا داخل ہونا۔

الانتباہ : دل سے غفلت کا زائل ہونا

الاشتباہ : حق و باطل کے درمیان اشکال حال۔

القرار : حال سے جب اشتباہ و اشکال زائل ہو جائے اور وہ کسی ایک حقیقت پر قائم ہو جائے۔

الانزعاج : وجد کی حالت میں دل کا تحرک اور بعض حقائق کا ورود

Marfat.com

چھپن ویں فصل

اصطلاحات صوفیہ بسلسلہ توحید

حضرات صوفیہ جو الفاظ توحید کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں ان میں استعارات استعمال نہیں کرتے۔ ذیل میں ان الفاظ کو مختصر توضیحات کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔

العالم : یہ مخلوق ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اٹھارہ ہزار ہیں۔ فلاسفہ کے نزدیک پچاس ہزار۔ نیز بعض کے نزدیک عالم دو ہیں ایک علوی دوسرا سفلی۔ علمائے اصول کے نزدیک عرش سے تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے وہ عالم ہے اہل طریقت کے نزدیک بھی دو عالم ہیں ایک عالم ارواح اور دوسرا عالم نفوس۔

المحدث : اس چیز کو کہتے ہیں جس سے قبل بھی عدم ہو اور اس کے بعد بھی عدم ہو۔ یعنی الوجود بین العدمین۔

القدیم : وہ جس سے پہلے نہ عدم ہو نہ جس کے بعد عدم ہو۔ وہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والا ہو۔ اور قدیم سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسری ذات نہیں۔

الازل : وہ جس سے پہلے کوئی چیز نہ ہو۔

الابد : جس کے بعد کچھ نہ ہو یعنی اس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

الذات : کسی شے کی ہستی اور اس کی حقیقت

الصفۃ : وصف جو کسی کے ساتھ قائم ہو قائم بالذات نہ ہو۔

الاسم : نام غیر مسمیٰ۔

التسمیہ : جو مسمیٰ کی خبر دے۔

Marfat.com

النفی : جو ہر منفی کے عدم کی اقتضا کرے۔

الاثبات : کسی شے کے وجود کی اقتضا کرے۔

الشیئان : وہ دو چیزیں جن کا جمع ہونا ممکن ہو

الضدان : ایک حال میں دو چیزوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو۔

الغیران : وہ دو چیزیں جو آپس میں مغائر ہوں اور ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ہو سکے۔

الجوھر : اصل چیز جو قائم بالذات ہو۔

العرض : وہ جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

الجسم : جو مختلف اجزاء سے مرکب ہو۔

السوال : کسی شے کی حقیقت کو جاننے کی طلب۔

الجواب : سوال کے مضمون کے بارے میں خبر دینا۔

الحسن : جو امر الہٰی کے مطابق ہو۔

القبیح : جو امر الہٰی کے خلاف ہو۔

السفہ : ترک امر الہٰی

الظلم : کسی شے کو غیر محل میں رکھنا۔

العدل : ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا

الملك : وہ ذات جس کے کسی فعل پر اعتراض کرنا روا نہ ہو

Marfat.com

ستاونویں فصل

محتاج تشریح اصطلاحات صوفیہ

(۱) الخواطر

یک بیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صوفی کے دل میں کسی خیال کا آنا اور سرعت سے زائل ہو جانا اس کے بعد پھر اسی خیال کا آنا یا دوسرے خیال کا۔ اور صاحب خاطر اس خیال کو دفع کرنے پر قادر ہو۔ نیز صوفی کو بظاہر اس خیال کے آنے کی کوئی علت معلوم نہ ہو۔

(۲) الواقع

صوفی کے دل میں خاطر کے طور پر کوئی خیال آئے اور باقی رہے۔ صاحب واقع اگر اسے دفع کرنا چاہے تو دفع نہ کر سکے واقع صرف ولی کے دل پر گزرتے ہیں غیر ولی کے دل پر نہیں گزرتے اگر کوئی واقع راہ حق میں رکاوٹ بن جائے تو اسے "قید" کہتے ہیں اور جب کوئی ولی اس کا حل پیش کر دے تو کہتے ہیں کہ واقعہ حل ہو گیا بعض محققین کا خیال ہے کہ واقعہ حل ہی نہیں ہوتا اگر حل ہو جائے تو سمجھو کہ واقع تھا ہی نہیں خاطر تھا۔

(۳) الاختیار

اپنا اختیار حق تعالیٰ کے اختیار میں فنا کر دینا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اختیار کو اپنے اختیار کے مقابلے میں اختیار کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار سے ہوتا ہے۔

(۴) الامتحان

اس سے مراد اولیاء اللہ کے دل کا امتحان ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولی کے دل پر مختلف قسم کی بلائیں آتی ہیں کبھی خوف ہوتا ہے کبھی غم کبھی ہیبت

اور کبھی قبض اس طرح اللہ تعالیٰ ولی کے دل کو آزماتا ہے۔ اور جب اسے ثابت قدم پاتا ہے تو اس کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔

(۵) البلاء

بلا سے مراد محبان الٰہی کے جسم کا امتحان ہے۔ سختیوں۔ بیماریوں اور رنج و محن کا متواتر نزول۔ بندہ جب ان مصیبتوں کو برداشت کرتا چلا جاتا ہے تو انہیں بلاؤں کے ذریعہ اسے قرب حاصل ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ بلا اولیاء کا لباس اور انبیاء علیہم السلام کی روحانی غذا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاءً ہم نبیوں کی جماعت ہیں ہم پر سب سے زیادہ مصیبتیں آتی ہیں اس کے بعد جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے قریب ہوتے ہیں ان پر زیادہ بلائیں آتی ہیں۔ مگر یہ بلائیں اولیاء کے حق میں نعمت ہوتی ہیں کیونکہ ان کے باعث انہیں روز بروز اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا جاتا ہے۔

(۶) التحلّی

تحلی کسی اچھی جماعت کے ساتھ قول اور عمل میں تشبہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں قول اور عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ لیس الایمان بالتحلی والتمنی ولکن ما قرفی القلب صدقہٗ العمل۔ ترجمہ۔ ایمان تشبہ اور تمنا کا نام نہیں بلکہ ایمان اس حقیقت کا نام ہے جو قلب میں قرار پکڑے اور عمل اس کی تصدیق کرے۔ معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اختیار کرنا بغیر عمل و معاملے کے تحلی نہیں ہے اور جو لوگ ویسے نہیں ہوتے جیسا کہ وہ اپنے کو ظاہر کرتے ہیں بہت جلد رسوا ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا راز فاش ہو جاتا ہے۔

(۷) التجلّی

اللہ کے اولیاء کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کے انوار کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔

Marfat.com

ایسی تاثیر جو ان کے قلب کی استعداد کے مطابق ہو اسے تجلی کہتے ہیں۔ جس ولی کے قلب پر ظہور تجلی ہوتا ہے وہ اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالےٰ کو دیکھنے لگتا ہے۔ تجلی اور رؤیت کے درمیان فرق یہ ہے کہ جس پر تجلی کا ورود ہو وہ اگر چاہے تو دیکھے اور چاہے تو نہ دیکھے یا ایسا ہوتا ہے کہ وہ کبھی دیکھتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا لیکن اہل رؤیت بہشت میں اللہ تعالیٰ کو ضرور دیکھیں گے حتی کہ اگر دیکھنا نہ بھی چاہیں گے تب بھی وہ دیکھیں گے۔

(۸) التخلّی

بندے کا ہر اس چیز سے اعراض جو راہ حق میں رکاوٹ بنے ان موانع میں سے ایک مانع دنیا بھی ہے۔ راہ حق کے سالکین دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے دل کو طلب عقبیٰ سے بھی پاک کر لیتے ہیں۔ خواہشات کو اپنے دل سے نکال دیتے ہیں۔ مخلوق کی محبت سے گریز کرتے ہیں۔ اور اپنے دل کو اندیشۂ این و آں اور فکر سود و زیاں سے خالی کر دیتے ہیں اس کیفیت کو التخلی کہتے ہیں۔

(۹) الشرود

آفت حجاب اور اپنی طبیعت کی بے قراری سے خلاصی حاصل کرنے کی طلب کو شرود کہتے ہیں۔ طالب کشف حجاب کے لیے جو جد و جہد کرتا ہے اسے شرود ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ شرود کی ابتدا میں بے قراری ہوتی ہے لیکن انتہا میں تمکن اور سکون ہوتا ہے۔

(۱۰) القصود

طلب مقصد کے لیے عزم بالجزم کو قصود کہتے ہیں۔ یہ پابند حرکت و سکون نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر محب محبت میں ساکن بھی ہو تو بھی قاصد ہی رہتا ہے گو کہ یہ

Marfat.com

برخلاف عادت ہے، کیونکہ قصد کا اثر ظاہر اور باطن دونوں پر ہوتا ہے۔ ظاہر میں بھی اضطراب اور باطن میں بھی بے قراری۔

(۱۱) الاصطناع

یہ وہ صفت ہے جس میں اللہ تعالیٰ خود بندہ کے نفس کو مہذب فرماتا ہے اس کی ہر قسم کی طلب نصیب اور طلب حظ فنا ہو جاتی ہے اس کے تمام نفسانی اوصاف اس طرح تبدیل ہو جاتے ہیں کہ زوال نفس کے سبب وہ بے خود ہو جاتا ہے۔ (اور اس کی حیثیت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں وہی ہو جاتی ہے جو سپاہی کے ہاتھ میں تلوار کی اور کاتب کے ہاتھ میں قلم کی۔ مؤلف) یہ صفت حضرات انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات کے ساتھ مخصوص ہے۔ بعض مشائخ کا خیال ہے یہ صفت اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۱۲) الاصطفاء

یہ اس کیفیت کا نام ہے جب کہ اللہ تعالےٰ بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لیے فارغ کر لیتا ہے تاکہ اپنی معرفت کے انوار اس کے قلب میں داخل فرمائے اس صفت میں عام۔ خاص۔ عاصی۔ مطیع۔ ولی اور نبی سب داخل ہیں قرآن کریم میں اس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ [۱] ترجمہ۔ پھر ہم نے کتاب کا وارث ان بندوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا تھا پس ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا وہ بھی ہیں جو میانہ رو ہیں اور وہ بھی

---

[۱] فاطر ۳۲

ہیں جو نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مقام "اصطفاء" اولیاء و انبیاء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس میں عام مؤمنین بھی داخل ہیں۔

(۱۳) الاصطلام

یہ اس کیفیت کو کہتے ہیں جب کہ تجلیات حق بندے کو مقہور کر دیتی ہیں اور اس کے اوپر اس طرح فیضان لطف ہوتا ہے کہ بندہ کا اپنا ارادہ فنا ہو جاتا قلب ممتحن اور قلب مصطلم دونوں ایک ہی چیز ہیں البتہ اصطلام امتحان کے مقابلے میں خاص ہے۔

(۱۴) اَلرَّیْن

کفر و ضلالت کا قلب پر ایسا حجاب جو بغیر ایمان کے زائل نہیں ہوتا اصطلاح صوفیہ میں رَین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [1] خبردار ان کے دل پر حجاب آگیا ہے۔ جو وہ کرتے رہے ہیں (اس کی وجہ سے) بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ رین وہ حجاب ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتا کیونکہ کافر کا دل اسلام کو قبول کرنے والا نہیں ہوتا اب رہا سوال ان کفار کا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کفار علم الٰہی میں پہلے ہی سے مومن تھے

(۱۵) اَلْغَیْن

غین بھی ایک قسم کا حجاب ہی ہے لیکن یہ حجاب استغفار کرنے سے زائل ہو جاتا ہے۔ غین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک غین خفیف اور دوسرا غین غلیظ۔ غین

---

[1] المطففین ۱۴

غلیظ اہل غفلت اور مرتکبین کبیرہ پر ہوتا ہے اور غین خفیف ولی و نبی سب پر آتا ہے ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ۔

وانّہ لیغان علیٰ قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم مأۃ مرۃ

ترجمہ ۔ اور میرے دل پر بھی حجاب[لے] آتا ہے چنانچہ میں ہر دن سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ۔ تو غین غلیظ کے لیے توبہ کی شرط ہے ۔ کیونکہ بغیر توبۂ صادق کے

لے اس مقام پر لفظ حجاب سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے جب یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہو تو اس کا مفہوم دوسرا ہوگا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں (اہل بصیرت برزخ کی اصطلاح سے واقف ہیں اس لیے اس کی تشریح نہیں کی جا رہی ہے) یعنی آپ بیک وقت مخلوق سے بھی واصل تھے اور خالق سے بھی تاہم چونکہ آپ کا خمیر رحمت سے اٹھایا گیا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر قیامت تک کے لیے مبعوث فرمایا تھا اس لیے صفت رحمت کا آپ پر شدت سے غلبہ رہتا ۔ دنیا کے ستائے ہوئے لوگ اور محروم طبقات کے افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھ سکھ آپ سے بیان کرتے ۔ کفار و مشرکین اور منافقین کے درمیان آپ معاشرت فرماتے ۔ لوگوں کے دکھ سکھ سن کر اور کفار و مشرکین و منافقین کے انجام کا خیال کر کے آپ کا قلب مبارک متاثر ہوتا آپ کی خواہش ہوتی کہ جیسے بھی ہو غم کے ماروں کا مداوا کیا جائے اور کسی طرح کلمۂ حق دشمنان اسلام کے دل میں داخل ہو جائے تاکہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائیں ۔ ان تصورات و تاثرات کے غلبے کے وقت کبھی توجہ الی الخالق کے مقابلے میں آپ خلق کی طرف (بہ بقائے توجہ الی الخالق) زیادہ متوجہ ہو جاتے اور آپ کا یہ عمل مزاج ربوبیت پر بار ہوتا تو آپ فوراً استغفار فرماتے اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی چیز کو غین (بمعنی حجاب) کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے ۔

ع باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار (مؤلف)

یہ دفع نہیں ہوسکتا اور غین خفیف کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع صادق کافی ہے۔

توبہ کے معنی گناہ سے رجوع کے ہیں۔ اور رجوع کے معنی اپنے آپ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے ہیں۔ توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور رجوع اپنی ذات کی رؤیت سے اگر کوئی خطا سے صواب کی طرف رجوع کرے تو اسے تائب کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی صواب سے صواب کی طرف رجوع کرے تو اسے آئب کہتے ہیں۔

(۱۶) التلبیس

حقیقت کے خلاف کسی چیز کو دکھانے کا نام تلبیس ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ وہی کافر کو اپنی نعمت سے مومن دکھا دیتا ہے اور مومن کو کافر جب تک کہ وہ وقت نہ آئے جبکہ اللہ تعالیٰ خود حقیقت کو ظاہر فرمانا چاہے۔ اگر کوئی شخص اپنی اچھی خصلتوں کو بری خصلتوں میں چھپانے لگے تو کہتے ہیں کہ یہ تلبیس کر رہا ہے۔ اور اس مفہوم کے سوا اس لفظ کو کسی دوسرے مفہوم میں حضرات صوفیہ استعمال نہیں کرتے اور وہ نفاق وریا کو بھی تلبیس نہیں کہتے اگرچہ نفاق وریا حقیقت میں تلبیس ہی ہیں۔

(۱۷) الشرب

طائفہ صوفیہ علیہم الرحمۃ عبادت کی حلاوت، کرامت کی لذت اور انس کی راحت کو شرب کہتا ہے۔ اور کوئی شخص کوئی کام بغیر لذت کے نہیں کرتا جس طرح ٹھنڈا پانی پینے سے جسم کو فرحت حاصل ہوتی ہے اسی طرح عبادت و کرامت سے دل کو لذت و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ اکثر فرماتے کہ مرید بے شرب ہوتا ہے اور عارف

باشرب ۔

(۱۸) الذوق

یہ بھی شرب ہی کی طرح ہے۔ لیکن شرب راحت ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر ذوق رنج و راحت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اُنسٹھویں فصل

سماع کے متعلق مباحث

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پانچ ظاہر حواس عطا فرمائے ہیں۔ سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ۔ یعنی سننا۔ دیکھنا۔ سونگھنا۔ چکھنا۔ چھونا۔ چار حواس تو مخصوص اعضا کے ساتھ خاص ہیں مثلاً سامعہ کا تعلق کان سے۔ باصرہ کا آنکھوں سے۔ شامہ کا ناک سے۔ ذائقہ کا زبان سے ہے لیکن لامسہ وہ قوت ہے جو انسان کے پورے جسم میں موجود اور جاری ہے۔ اگر غور کریں تو ان تمام حواسوں میں سب سے افضل سامعہ ہے کیونکہ ہم نے اسی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی خبر سنی۔ اسی کے ذریعہ شریعت کے سارے احکام نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے رہے۔

سماع القرآن

سب سے زیادہ قلب کو متاثر کرنے والی شئے قرآن کا سماع ہے۔ سارے مومنوں کو اسے سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ طبیعت اس کے سننے اور پڑھنے سے نہیں اکتاتی۔ کیونکہ اس میں ایک عجیب قسم کی رقت ہے۔ بہ ایں حد کہ کفار مکہ باوجود اسلام سے شدید عداوت کے

Marfat.com

چھپ چھپ کر قرآن کریم سنا کرتے تھے۔ اور سن کر اس کلام کے اعجاز پر متعجب ہوتے تھے۔ انسان تو انسان جنوں کے پرے کے پرے آتے اور قرآن کریم سنتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے۔ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا [1]

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب چیز قرآن کی صورت میں سنی) قرآن کے نصائح تمام دنیا کے مواعظ اور نصائح سے افضل، اس کے الفاظ کا ایجاز دنیا کے ہر کلام موجز کے ایجاز سے بالاتر، اس کے اوامر تمام اوامر سے لطیف اور اس کی منہیات تمام منہیات سے اعلیٰ ہیں۔ اس کے وعدے تمام وعدوں سے زیادہ دل ربا اور اس کی وعیدیں تمام وعیدوں سے زیادہ زاجر ہیں۔ اس کتاب نے کروڑوں دلوں کو مسحور کیا ہے اور بے شمار روحوں کو اسیر کیا۔ اس کتاب نے دنیا کے (نافرمان) عزت والوں کو ذلیل کیا اور بے شمار ذلیلوں کو (اطاعت کی وجہ سے) عزت بخشی ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مشہور ہے قرآن ہی نے چشم زدن میں ان کے دل کی دنیا کو منقلب کر کے رکھ دیا تھا اور وہ شخص جو تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا دیکھتے دیکھتے میں آپ کے آستانۂ پاک پر جبہ سائی کر رہا تھا۔ یہ قرآن کا ہی تو معجزہ تھا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے آیت کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ [2] (اور یاد کر اپنے رب کو جب تو اسے بھول جائے) کی تلاوت کی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ خود قرآن کریم میں متعدد مقامات

---

[1] الجن: ۱

[2] الکہف: ۲۴

پر قرآن کریم سننے اور اس کی آیات پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
ارشاد ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا [1]
ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنا کرو اور چپ رہو۔
فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ [2]
ترجمہ: آپ خوش خبری سنا دیں میرے ان بندوں کو جو میرا کلام سنتے اور اچھی تابعداری کرتے ہیں۔
اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ [3]
ترجمہ: (میرے مومن بندے ایسے ہیں کہ) جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [4]
ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔
اس کے برخلاف وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر کلام الٰہی کو سننے سے کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کے دلوں پر مہر ہے۔ اور وہ دل میں کوئی اچھی بات داخل نہیں ہونے دیتی۔
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ [5]

---

[1] الاعراف: ۲۰۴

[2] الزمر: ۱۸

[3] الحج: ۳۵

[4] الرعد۔ ۲۸

[5] البقرۃ: ۷

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں

قیامت کے دن قرآن نہ سننے اور اسے نہ سمجھنے پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے جہنمی لوگ کہیں گے۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ [1]

ترجمہ: اگر ہم قرآن کو دنیوی زندگی میں سنے ہوتے یا ہم نے اسے سمجھا ہوتا تو آج ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ [2]

ترجمہ: اور ان لوگوں کے مثل نہ بن جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے (قرآن) سنا حالانکہ درحقیقت وہ نہیں سنتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا لیکن آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ اقراء علی (مجھے قرآن سناؤ) اور جب انہوں نے عرض کیا کہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا بھلا میں آپ کو کیا سناؤں گا تو آپنے فرمایا: انی احب ان اسمع عن غیری۔ (میں دوسرے سے قرآن سننا چاہتا ہوں) ایک مرتبہ آپ اصحاب صفہ کے درمیان تشریف لائے وہ لوگ بیٹھے قرآن سن رہے تھے آپؐ بھی انکے ساتھ شامل ہو کر قرآن سننے لگے۔ غرضیکہ یہ خیر و برکت والی کتاب ہے۔ اسکا ہر لفظ ایمان افروز اور ہر جملہ گنجینہ ہدایت ہے۔ اسی لیے اسکے سننے، اس پر غور و فکر کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا تمام قسم کے

---

[1] الملک: ۱۰

[2] الانفال: ۲۱

سماع میں سب سے افضل و برتر "سماع فی القرآن" ہے۔

سماع الشعر

شعر سننا (اگر وہ فحاشی اور شہوت انگیزی سے خالی ہو) مباح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے اس کا سماع ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ان من الشعر لحکمة (بہت سے اشعار میں حکمت ہوتی ہے) اور آپ نے فرمایا کہ عرب کے شاعر لبید نے اپنے شعر میں جو بات کہی ہے اسے عرب کی تمام باتوں میں صحیح تر کہا جا سکتا ہے۔

الا کل شئ ما خلا اللہ باطل - وکل نعیم لا محالة زائل

ترجمہ: (اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور ہر نعمت آخر کار زوال پذیر ہوگی)

عمرو بن الشرید نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے امیة بن الصلت کے اشعار سنانے کو کہا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امیہ کے اشعار سنائے۔

مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ نے اس بارے میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ کسی نے آپ سے شعر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: حسنهٗ حسن و قبیحهٗ قبیح۔ (اسکا اچھا اچھا ہے اور برا برا) یعنی اگر کلام میں غیبت و بہتان ہو یا ایسا کلام ہو جو شہوت اور جنسی ہیجان پیدا کرنے والا ہو۔ یا اس کے مضامین کفریہ ہوں۔ تو ایسے اشعار کا سننا حرام ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ رخ و رخسار اور چشم و ابرو کے ذکر میں ہم جلوۂ حق دیکھتے ہیں وہ درحقیقت یہ واجب کرتے ہیں کہ جن چیزوں کا ذکر سنایا جا رہا ہے اگر وہ جائز ہے تو پھر انہیں چھونا بھی جائز ہوگا اس طرح شریعت معطل ہو جائے گی اور یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے جسکی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جاہل صوفی اس سے فائدہ اٹھا کر نفس کی پیروی میں مبتلا ہوتے ہیں اور خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو بھی ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

Marfat.com

سماع لحن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زینوا اصواتکم بالقرآن ۔ قرآن کریم کے ذریعہ اپنی آواز کو سنوارا کرو

ایک حدیث میں ہے: من اراد ان یسمع صوت داؤد فیستمع صوت ابی موسیٰ الاشعری (ترجمہ ۔ جو لحن داؤدی سننا چاہیں وہ ابو موسیٰ اشعری کا لحن سنیں) بعض احادیث میں ہے کہ اہل بہشت جنت میں بھی لحن سنیں گے ۔ اور وہ لحن بعض درختوں سے نکلے گا غرضیکہ عام مخلوق میں بھی لحن ہوتا ہے اور اس لحن میں لطافت بھی ہوتی ہے جس سے روح لذت حاصل کرتی ہے لحن سے انسان تو انسان جانور بھی متاثر ہوتے ہیں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں لحن پیدا کرنے کے لیے لوگوں نے ساز نکالے ہیں ۔

یہ ساز انہوں نے لہو ولعب اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لیے ایجاد کئے ہیں اس معاملے میں انہوں نے شیطان سے اتفاق کیا ہے ۔ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین کی ایک جماعت راگ سننے سے اس لیے منع کرتی ہے کہ اس میں امر حق کی پیروی نہیں ہے تمام فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گانا سننا اس وقت جائز ہے جب ساز موجود نہ ہو تاہم مشائخ صوفیہ مباح ہونے کے باوجود اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک مباح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی بیکار کام میں مشغول ہو کیونکہ راگ (بغیر ساز) سننے سے کوئی ثواب ملتا نہیں ۔ پھر بندہ ایسا کام کیوں کرے جس میں ثواب نہ ہو حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ایک مرتبہ میں مقام مرو میں تھا ۔ مجھے ایک محدث ملا اس نے بتلایا کہ " میں نے سماع کے جواز کو ثابت کرنے کیلئے ایک کتاب لکھی ہے" میں نے کہا خدا کے بندے سماع کے جواز کو ثابت کر کے تو نے دین میں بہت بڑی مصیبت ظاہر کر دی کیونکہ

Marfat.com

فن حدیث کے امام ہوتے ہوئے تونے ایک ایسے لہو ولعب کو جس کی بنیاد میں فسق وفجور ہے حلال کر دیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر آپ حلال نہیں سمجھتے تو خود کیوں سنتے ہیں؟ میں نے کہا اس کا حکم چند صورتوں پر ہے اور ہر صورت کے لیے[1] الگ الگ حکم ہے۔ ایک حال پر منحصر نہیں۔ اگر دل میں حلال تاثیر ہو تو حلال ہے اور حرام تاثیر ہو تو حرام ہے۔ اگر مباح تاثیر ہو تو مباح۔ وہ چیز جس کا ظاہری حکم فسق ہو اور باطنی کیفیات کے اعتبار سے اس کی تاثیر مختلف ہو اس پر ایک ہی حکم لگا دینا اور ایک ہی لکڑی سے ہانک دینا کہاں درست ہو سکتا ہے۔

احکام السماع

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جان لو کہ جس طرح ارادے مختلف ہوتے ہیں طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں اور طبائع اور ارادوں کے اوپر حکم بھی مختلف لگائے جاتے ہیں اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے کہ کوئی شخص سب پر ایک ہی حکم لگا دے سننے والوں کی دو قسم ہے۔

(۱) ایک تو وہ لوگ جو معنی کو سنتے ہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ جو آواز سنتے ہیں۔ ان دونوں میں فوائد بھی ہیں اور آفتیں بھی۔ کیونکہ جب کوئی شخص اچھی آواز سنتا ہے تو اس کے اندر وہی چیز جوش مارتی ہے جو پہلے سے اس میں موجود رہتی ہے اگر پہلے سے اس میں حق ہوتا ہے تو حق جوش مارتا ہے اور باطل ہوتا ہے تو باطل جوش مارتا ہے

---

[1] واضح رہے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جس سماع کے حلال ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے وہ سماع بغیر ساز ہے۔ ساز کے ساتھ سماع کو تو وہ کسی صورت حلال نہیں سمجھتے اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

جس کی طبیعت میں فساد ہوتا ہے وہ جو کچھ بھی سنے سب اس کے لیے فساد ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے لحن کا معجزہ عطا فرمایا تھا جب وہ گاتے تو وحوش وطیور اور شجر وحجر ساکت ہو جاتے اور بہتا ہوا پانی ٹھہر جاتا ہزاروں لوگ ان کی آواز سن کر کھانا پینا بھول جاتے اور کیف ومستی میں مرجاتے پھر مشیئت الٰہی ہوئی کہ اہل حق کو اہل ہوس سے الگ کر دیا جائے چنانچہ شیطان میں بے قراری پیدا ہوئی اور اسے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی اجازت ملی تاکہ وہ حیلہ سازی سے جو کرنا چاہے کرے چنانچہ اس نے بانسری اور طنبورہ کی ترکیب نکالی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بالمقابل اپنی ایک ساز والی مجلس قائم کی۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے سامعین کے دو گروہ بن گئے ایک اہل شقاوت کا گروہ جو ابلیس کے مزامیر اور ساز کی جانب متوجہ ہو گیا اور دوسرا اہل سعادت کا گروہ جو حضرت داؤد علیہ السلام ہی کے ساتھ وابستہ رہا۔ جو اہل معنی تھے وہ لحن داؤدی کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے اس لیے کہ وہ حق کو دیکھتے تھے۔ وہ اگر شیطانی ساز سنتے تو اس میں انہیں فتنہ نظر آتا اور جب وہ لحن داؤدی سنتے تو اس میں انہیں حق دکھائی دیتا۔ چنانچہ انہوں ہر چیز سے منہ موڑ لیا۔ جو جیسا تھا اس نے ویسا ہی دیکھا اہل حق نے حق کو اور اہل خطا نے خطا کو جو آدمی ایسا اہل حق ہو وہ اگر ان صفات کے ساتھ سماع سنتا ہے تو اس کے لیے حلال ہے۔

مدعیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہمارے اوپر سماع کا اثر برخلاف پڑتا ہے۔ یہ محال ہے اس لیے کہ ولایت کا کمال یہ ہے کہ جو چیز جیسی ہو ویسی ہی نظر آئے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی (اے میرے اللہ! ہمیں ہر چیز اپنی اصلی اور حقیقی

شکل میں دکھا دے) معلوم ہوا کہ ہر چیز کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنا ہی درست ہے لہٰذا سماع کو اسی طرح سنے جیسی اس کی صفت اور حکم ہے لہٰذا جو لوگ سا‌ز اور باجے میں مبتلا ہیں اور نفسانی خواہشات اور شہوتوں میں گرفتار ہیں وہ اصلیت کے برخلاف سنتے ہیں اگر اس حکم کے مطابق اصل سماع سنتے تو سب آفات سے بچے رہتے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: سماع وارد حق ہے۔ دل میں حرکت پیدا کرتا اور طلب حق پر اُبھارتا ہے سو جو شخص اسے حق کے ساتھ سنتا ہے وہ راہ حق پاتا ہے اور جو نفس کے ساتھ سنتا ہے وہ زندیق ہو جاتا ہے" حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع (بغیر ساز) سننے والے کو چاہیئے کہ غور و فکر کے ساتھ سماع سنے تا کہ حقائق دل میں داخل ہو کر اس میں جوش محبت الٰہی پیدا کریں ایسا سماع جو تابع حق ہو مکاشف ہوتا ہے اور جو نفس کے ساتھ سماع سنتا ہے وہ محجوب ہو جاتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے جو اہل حقیقت ہیں ان کے لیے سماع حلال ہے ورنہ دوسروں کے لیے یہ سراسر فتنہ اور بلا میں گرفتار ہونے کا سامان ہے" حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کے پیر حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

میں سماع سن کر کیا کروں گا، کیونکہ سنانے والا جب سنا کر چپ ہو جاتا ہے تو میرا سماع منقطع ہو جاتا ہے حالانکہ سماع تو مسلسل جاری رہنا چاہیئے ایسا سماع تو اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو روضۂ محبت میں مقیم ہو اور جب بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو ساری دنیا حجر و مدر بھی اس کے لیے سماع بن جاتے ہیں

Marfat.com

مراتب سماع واہل سماع

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سماع کی مثال آفتاب کی سی ہے جو تمام چیزوں پر طلوع ہوتا ہے اور ہر ایک کو منور کرتا ہے۔ لیکن کسی کو پگھلا دیتا ہے، کسی کو روشن کرتا ہے۔ اور کسی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ سماع بھی اسی طرح ہے۔ مثلاً تائب سنتا ہے تو اس کا احساس ندامت بیدار ہوتا ہے، مشتاق کے شوق میں اضافہ ہوتا ہے، صاحبِ یقین کا یقین بڑھتا ہے، مرید کو تحقیق حاصل ہوتی ہے اور محبّ میں انقطاع تعلقات کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ سماع سننے والوں کے تین گروہ ہیں:

(۱) مبتدی (۲) متوسط (۳) کامل۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں گروہوں پر سماع کے اثرات کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے اور اس سلسلے میں مختلف حکایات بھی بیان فرمائی ہیں۔ لیکن نہایت واضح انداز میں فرمایا ہے کہ سماع سننے والوں کے ان تینوں گروں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو سماع کے وقت حد اعتدال سے آگے نہ بڑھ جاتا ہو تاہم سماع مبتدیوں کی طبیعت کے تو بالکل ہی موافق نہیں ہے۔ اور ان کیلئے سخت نقصان دہ ہے۔ کیونکہ ایک تو ان کا نفس پوری طرح مزکی نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ ان میں سماع سے شدید اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ البتہ منتہی جب سنتے ہیں تو وہ پرسکون ہوتے ہیں اور ان میں اضطراب کی وہ کیفیت نہیں ہوتی جو مبتدیوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

"سالک کا سماع میں ایسا حال ہونا چاہیئے کہ گناہ گار گناہوں سے نجات پائیں اور موجودہ زمانے میں مجالس سماع یہ ہیں کہ گمراہوں

Marfat.com

کا گروہ اور فاسقوں کا مجمع اس میں شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم حق طریق سے سماع کرتے ہیں اور فاسق لوگ ان پیروں کو اپنے موافق پاکر گناہوں پر زیادہ حریص ہو جاتے ہیں اور آخر دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں"۔[۱]

آگے چل کر حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

مشائخ کے ایک گروہ نے قصائد، اشعار اور قرآن مجید کا بہ الحان سننا اور ایسے الحان میں پڑھنا بھی مکروہ کہا ہے جو اس کی حد سے نکل جائے اور اس طرح گانے سے مریدوں کو ڈرایا ہے اور خود اجتناب کیا ہے اور ممانعت میں مبالغہ کیا ہے[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابتؓ کی کنیز شیریں کو سرود کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک صحابی کو جو سرود کر رہے تھے درّے مارے۔ حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو گانے والی کنیزوں سے روکا اور حضرت امام حسنؓ کو حبشی مغنیہ کو دیکھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ وہ شیطان کی ہم نشین ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس بارے میں ہماری بڑی دلیل یہ ہے کہ "غنا کی کراہت پر اجماع امت ہے" ہمارے زمانے میں اور ہم سے پہلے لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ غنا مکروہ ہے[۲] حتیٰ کہ ایک گروہ نے اسے حرام کہا ہے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو الحارث بنانی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ لوگ انہیں بلا کر ایک سماع کی محفل میں لے گئے۔ میر مجلس ایک

---

[۱] کشف المحجوب مترجم مولانا ابوالحسنات قادری ص ۶۲۱، ۶۲۲ [۲] ایضاً: ۶۲۳

[۳] کشف المحجوب: ۶۰۳

بوڑھا شخص تھا سماع ہوا اور لوگ وجد وحال میں مبتلا ہوئے۔ چلتے وقت اس بوڑھے شخص نے حضرت ابوحارث رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ نے میرے بارے میں نہ پوچھا کہ میں کون ہوں؟ پھر اس نے بتایا کہ میں عزازیل ہوں جسے آج کل ابلیس کہتے ہیں اور یہ سب میرے بچے ہیں۔ اس طرح بیٹھنے اور رغنا کرنے میں مجھے دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ میں خود مصیبت فراق میں ہوں اور خوش نصیبی کا زمانہ یاد کرتا ہوں دوسرے پارسا لوگوں کو اس طرح گمراہ کر لیتا ہوں اور انہیں غلطی کا شکار کر لیتا ہوں۔ حضرت ابوالحارث کا بیان ہے کہ اس وقت سے دل سے سماع کا خیال جاتا رہا۔[1]

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید کو توبہ کراتے وقت کہا کہ اگر تو اپنا ایمان سلامت چاہتا ہے اور توبہ کی پاسداری کرنا چاہتا ہے تو اس سماع سے جو صوفی کرتے ہیں منکر ہو جا اور اپنے کو اہل سماع سے نہ سمجھ[2]

سماع کے بارے میں اکابر صوفیہ کی رائے:

اکابر صوفیہ رحمہم اللہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ

جب سماع میں عام فساد ہے اور ہمارے سماع سننے سے عوام کے اعتقاد میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے۔ ہماری وجہ سے عوام حجاب

---

[1] کشف المحجوب، طبع لاہور: ۳۶۰

[2] کشف المحجوب: ۳۶۱

Marfat.com

میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور گناہگار ہوتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ عوام پر شفقت کریں اور خواص کو نصیحت کریں کہ وہ سماع کو چھوڑ دیں اس فتنہ کو مٹانے کا یہ موثر ترین طریقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من حسن اسلام المرء ترک مالا یعنیہ۔ (انسان کی اسلام میں بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار اور لایعنی باتوں کو چھوڑ دے) یعنی ان کاموں سے باز آجائے جن کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہیں اور صرف وہ کام اختیار کرے جو فائدہ مند اور ضروری ہوں۔ بے ہودہ چیزوں میں مشغول ہونا محض تضیع اوقات ہے مزید یہ کہ سماع تو محض خبر ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا بچوں کا کام ہے صوفیہ تو اہل مشاہدہ ہوتے ہیں انہیں ان بیکار باتوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

وجد و تواجد

حضرات صوفیہ کو سماع کے دوران میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے وجد کہتے ہیں۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک وجد الم قلبی ہے۔ اور الم کو قلم سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ بحالت حجاب جوش شوق سے یہ پیدا ہوتا ہے سالک پر جب یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ معبود اس کی جنس سے نہیں ہے۔ اور انسانی ادراک اسے کبھی پا نہیں سکتا تو اسے غم زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس وقت کیفیت غم (وجد) اس پر طاری ہوتی ہے۔ تاہم مشائخ رحمہم اللہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سلطان علم کو سلطان وجد پر غالب رہنا چاہیئے کیونکہ جب سلطان علم قوی ہوتا ہے تو علم محل امن میں ہوتا ہے۔ اور طالب متبع شریعت رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور سلطان علم کی بجائے سلطان وجد غالب آجائے تو سالک سے خطاب اٹھ

جاتا ہے اور خطاب اٹھنے سے ثواب و عذاب بھی اُٹھ جاتا ہے اور اس وقت اسکا حکم دیوانوں کا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص پر اولیاء مقربین کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے برخلاف اگر علم کی سلطنت حال کی سلطنت پر غالب رہے تو بندہ امر و نہی الہٰیہ کی پناہ میں رہتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر سلطان حال سلطان علم پر غالب ہو جائے تو بندہ مقررہ حدود شریعت سے باہر ہو جاتا ہے جو محل نقص ہے اس حال میں وہ یا تو معذور ہو گا یا مغرور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

"راستے دو ہیں ایک علم سے دوسرا عمل سے جو عمل بے علم ہو اگرچہ اچھا ہو مگر ناقص ہے اور علم اگرچہ بے عمل ہو عزت و فضیلت کا سبب تو لازماً ہو گا۔"

صوفیہ کا ایک گروہ محض رسمی ہے جو ظاہری حرکات کی تقلید کرتا ہے اور وجد میں رقص کا انداز اختیار کرتا ہے یہ حرام ہے۔

رقص

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"شریعت و طریقت میں رقص کی کچھ اصل نہیں البتہ اگر بطریق ہزل ہو تو لغو ہے۔ مشائخ میں سے کسی نے اسے اچھا نہیں جانا جو لوگ بناوٹ کے طور پر یہ کرتے ہیں اور بنا بنا کر اثر جماتے ہیں یہ سب باطل ہیں میں نے عوام میں سے بہت سارے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اسی ناچنے کودنے کو تصوف سمجھتے ہیں (حالانکہ طریقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے) انہی حرکات کو دیکھ کر بہت لوگ سرے سے تصوف ہی کے منکر ہو گئے ہیں۔ پائے بازی اور ناچنا کودنا ایسا

Marfat.com

عمل ہے جو عقلاً اور شرعاً ہر اعتبار سے برا ہے۔

النظر فی الاحداث

جاہل پیروں کی ایک جماعت نے خوبصورت امردوں کو دیکھنا اور انہیں گھورنا بھی تصوف میں داخل کر لیا ہے۔ امردوں کو دیکھنا اور ان کی صحبت میں بیٹھنا ناجائز ہے اگر اسے کوئی جائز سمجھے تو کافر طریقت ہے۔ ان تمام چیزوں سے سخت پرہیز کرنا چاہیئے۔

الخرق:

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"حالت وجد میں بعض مشائخ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں مگر بعض علماء اسے ناجائز کہتے ہیں تاہم بعد میں لوگ ان کپڑوں کو سی لیتے ہیں اس لئے اسراف نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کوئی ہوش وحواس کے عالم میں ایسا کرے تو وہ اسراف ہے۔ اور درست نہیں لیکن اگر کوئی شخص مغلوب الحال ہو کر ایسا کر بیٹھے تو وہ معذور ہے۔ اگر عالم مغلوبیت میں بعض اس نے کپڑے پھاڑے اور اس کپڑے کے ٹکڑے گر پڑے تو بعض مشائخ کا خیال ہے کہ وہ ٹکڑے قوال کو دیئے جائیں بعض کہتے ہیں کہ پیر جس کو کہے اسے دے دیں۔"

آداب سماع

(اس مقام پر سماع سے مراد سماع بغیر ساز ہے اس پر بحث گزر چکی ہے) حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے اور اسے عادت نہ بنائے اور دیر دیر کے بعد کرے تاکہ اس کی عظمت دل میں باقی رہے۔

۲۔ ضروری ہے کہ جہاں سماع ہو وہاں پیر موجود ہو۔

Marfat.com

۳- ضروری ہے کہ سماع کی جگہ عوام سے بالکل خالی ہو۔

۴- یہ بھی ضروری ہے کہ قوال صاحب عزت وتقویٰ ہو اور اس کا دل ہر قسم کے شغل سے پاک ہو۔ لہو ولعب سے متنفر ہو تکلف سے کچھ نہ سنائے۔

۵- سماع میں جب تک قوت پیدا نہ ہو بہ تکلف قوت نہ پیدا کرے۔ اگر قوت پیدا ہو جائے تو اسے دفع نہ کرے۔

۶- ضروری ہے کہ سننے والے کو اس قدر طاقت دیدار ہو کہ دوران سماع میں وارد حق کو قبول کر سکے حرکت کی حالت میں کسی سے مدد نہ طلب کرے اور اگر کوئی مدد کرے تو انکار نہ کرے۔

۷- چاہیئے کہ اگر قوال اچھا کہے تو اس سے یہ نہ کہے کہ تو نے اچھا کہا اور اگر شعر ناموزوں کہے تو اسے برا نہ کہے درمیان میں کسی کو نہ دیکھے بلکہ سب کچھ حوالۂ حق کرے۔

۸- اور میں کہ علی بن عثمان الجلابی (رحمۃ اللہ علیہ) ہوں مجھے یہ بات پسند ہے کہ مبتدیوں کو سماع میں شریک نہ کیا جائے تاکہ ان کی طبع میں پریشانی اور پراگندگی نہ پیدا ہو۔ اور سماع میں بہت سے خطرے اور آفتیں ہیں حالت سماع میں عورتیں سننے والوں کو چھت یا بلند مکانوں سے جھانک کر دیکھتی ہیں اور اس سبب سے سننے والوں پر حجاب پڑتا ہے اور چاہیئے کہ جوان لڑکوں کو درمیان میں نہ بٹھائیں جیسا کہ جاہل صوفیوں نے اختیار کر کے مذہب بنا رکھا ہے۔ انہوں نے سچ کو درمیان سے دور کر دیا ہے۔ میں اس جنس کی آفتوں سے جو مجھ پر گزریں استغفار کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے ظاہر و باطن کو آفات سے بچائے۔ آمین۔

Marfat.com

انسٹھویں فصل

وصیّت حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

اپنی بے مثال اور معرکۃ الارآ کتاب "کشف المحجوب" کو ختم کرتے ہوئے حضرت علی بن عثمان الجلابی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملہ تحریر فرمایا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ جملہ ساری کتاب ہی نہیں بلکہ ساری طریقت کا خلاصہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

وصیّت کنم خوانندگان ایں کتاب را رعایت احکام ایں کتاب وباللہ العون والتوفیق والجمع والتفریق وحسبنا اللہ ونعم الرفیق وصلی اللہ علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا۔

ترجمہ۔ اور میں اس کتاب کے قارئین کو وصیت کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جو احکام لکھے گئے ہیں ان کی رعایت کریں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ ہی مدد کرنے والا اور جمع وتفریق کا مالک ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین ساتھی وصلی اللہ علی محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا۔

اصل چیز عمل ہے۔ اور عمل ہی دعوائے عقیدت ومحبّت کی دلیل ہے۔ جس طرح دنیا کی کسی بھی عدالت میں کوئی دعوے بغیر ثبوت اور دلیل کے قابل سماعت نہیں ہوتا اسی طرح شریعت وطریقت، حقیقت ومعرفت

Marfat.com

کی دنیا میں بھی کوئی دعویٰ بغیر عمل کے قابلِ قبول نہیں۔ محض زبانی دعوائے محبت کی بارگاہ خداوندی میں کوئی وقعت نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کا عمل، اس کی سیرت اور اس کا کردار اس دعوے کی صداقت کی شہادت بھی دے۔ ظاہر اور باطن میں وہ حقیقی معنوں میں ان کی پیروی کرے تو دعویٰ صحیح ہے سوچنا چاہیئے کہ یہ بزرگانِ دین جو اپنا گھر اپنا در چھوڑ کر ساری دنیا میں پھرتے رہے۔ نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات۔ کھانا مل گیا تو کھالیا نہیں ملا تو فاقے کاٹے انہوں نے اتنی مشقت کیوں اٹھائی۔ کیا (العیاذ باللہ) ان کے رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا؟ ایسی بات نہیں۔ ان کا صرف ایک مقصد تھا کہ اللہ کا دین پھیلے۔ اس کا کلمہ بلند ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و شریعت رواج پذیر ہو۔ تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت کو راہ ہدایت ملے۔ مظلوم طبقات کو سایۂ عاطفت میسر آئے اور وہ انسان جو غیروں کے آستانے پر جبہ سائی کر رہے ہیں۔ درختوں، دریاؤں اور پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ شرک کی آلائشوں میں لتھڑے ہوئے ہیں پاک اور صاف ہو کر مالک الملک اور خالق الارض والسماء کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اسی کو عزت و ذلت، حیات و موت اور مرض و شفا کا مالک سمجھیں تمام باطل معبودوں کی معبودیت و حاکمیت کا انکار کریں اور صرف ذات واحد و یکتا کو قاضی الحاجات گردانیں۔ یہ تھا وہ مقدس مقصد جس کی خاطر یہ اللہ والے سہل و جبل، کوہ و دمن۔ بحر و بر میں پھرے اور جہاں گئے وہاں ابر رحمت بن کر گئے انسانیت نہال ہوگئی اور اسے توحید حقیقی کا درس ملا۔ ان بزرگان دین کی تعلیم میں نفرت کا وجود نہیں ان کی تعلیم سراسر محبت ہے۔ صرف اپنوں ہی کے ساتھ نہیں غیروں کے ساتھ بھی حتیٰ کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ انہوں نے محبت کا

Marfat.com

برتاؤ کیا کیونکہ یہی اتباع سنت ہے وہ خلق خدا پر شفیق تھے۔ ان کا کلام آب حیات، نگاہ دلنواز اور کردار بے داغ تھا۔ ان کے قول و عمل میں تضاد نہیں تھا جو ظاہر میں تھا وہی باطن میں تھا۔ یہ جلوت میں جیسے تھے خلوت میں بھی ویسے ہی تھے۔ ظاہر ہے کہ جس کے قول کے پیچھے عمل کی طاقت ہو اور بات ہمدردی و محبت و دلسوزی سے کہی جائے تو اس کا اثر لازماً ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان بزرگان دین نے لاکھوں انسانوں کی دنیا بدل کر رکھ دی۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا برصغیر کے مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے "تصوف" کا حقیقی روپ لوگوں کو دکھایا۔ حقیقت سے خالی رسوم کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ تصوف کے نام پر جاہل صوفیوں نے جو خرافات و بدعات پھیلا رکھی تھیں ان کی تردید کی اور ثابت کر دیا کہ ہر ایسی طریقت جو شریعت سے متصادم ہو زندقہ، الحاد اور بےدینی ہے نجات کا ایک اور صرف ایک راستہ ہے کہ اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو بقول سعدی

؎ خلاف پیمبر کسے رہ گزید۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید (جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کے خلاف چلے گا ہرگز ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا) حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس راہ پر ساری زندگی اسلئے ڈٹے رہے کہ ان کے شیخ اور سلسلہ عالیہ جنیدیہ کے تمام مشائخ رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مؤقف تھا

الغرض جو شخص بھی حضرت سید علی بن عثمان الجلابی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ کمال خلوص سے ان کی پیروی کرے اور ان کی پیروی سوائے شریعت کی متابعت کے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالے سے دعا ہے کہ وہ ہمارے سردار و آقا حضرت علی بن عثمان الجلابی الہجویری رحمۃ اللہ

Marfat.com

علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کے مزار مبارک کو انوار سے معمور فرمائے ان پر رحمتوں کی بارش کرے۔ اور ہمارا حشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ان پاکیزہ نائبین کے زمرے میں کرے۔ آمین۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مؤلف کے لیے بھی دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالےٰ اس کی مغفرت فرمائے۔ ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور اللہ تعالےٰ قبر کے عذاب اور حشر کی رسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین

ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

وصلّی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ

اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

۲۵/ اگست ۱۹۸۴ء بوقت ۱۲ بجے شب

کتاب مکمل ہوئی۔ والحمد للہ علی ذالک

غفرلہ

Marfat.com

Marfat.com

اشاریہ
و
کتابیات

مُرتّبہ

حافظ غلام حُسین

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابیات

قرآن مجید و تفسیر

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی — قاہرہ ت ن

۳۔ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس — حضرت عبداللہ بن عباس — مصر ۱۹۵۱ء

۴۔ روح المعانی — علامہ آلوسی ابی الفضل شہاب الدین سید محمود — بیروت ت ن

حدیث

۵۔ الجامع الصحیح للبخاری — امام محمد بن اسمٰعیل البخاری — کرزن پریس دہلی ۱۳۲۵ھ

۶۔ الجامع الصحیح للمسلم (مختصر) — امام ابی الحسین مسلم بن الحجاج النیشاپوری — کویت ۱۹۶۹ء

۷۔ الجامع للترمذی — ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ الترمذی — کراچی ت ن

۸۔ سنن ابی داؤد — سلیمان بن اشعث ابی داؤد السجستانی — کانپور ۱۸۹۷ء

۹۔ سنن نسائی — ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب — دہلی مطبعہ انصاری ۱۳۱۵ھ

۱۰۔ مسند امام احمد — امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی — مصر ۱۳۱۳ھ

۱۱۔ مشکوٰۃ المصابیح — محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی — دمشق ۱۹۶۱ء

۱۲۔ الترغیب والترہیب — زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری — مصر ۱۹۶۸ء

۱۳۔ مجمع الزوائد — نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی — بیروت ۱۹۶۷ء

Marfat.com

تصوّف

۱۴- الانتباہ فی سلاسل اولیاء شاہ ولی اللہ دہلویؒ

۱۵ تصوف اسلام عبدالماجد دریا آبادی اعظم گڑھ ۱۹۴۶ء

۱۶ التعرف لمذہب اہل التصوف الکلاباذی ابوبکر محمد بن ابی اسحاق مصر ۱۹۶۹ء

۱۷ حقائق عن التصوف عبدالقادر عیسیٰ انگلینڈ ۱۳۸۱ھ

۱۸ درس نظامی قلمی نسخہ

۱۹ الرسالۃ القشیریہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری مصر ۱۹۵۹ء

۲۰ سرور الصدور شیخ حمیدالدین ناگوری قلمی نسخہ

۲۱ عوارف المعارف الشیخ شہاب الدین سہروردی عمر بن محمد بن عبداللہ بیروت ۱۹۶۶ء

۲۲ الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ محمد عبدالعزیز الحکیم م ن ت ن

۲۳ قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ابوطالب مکی محمد بن علی بن عطیہ الحارثی مصر ۱۹۶۱ء

۲۴ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل شاہ ولی اللہ دہلویؒ لاہور ۱۹۸۱ء

۲۵ کتاب اللمع فی التصوف ابوعبداللہ محمد بن علی السراج الطوسی، الائیڈن ۱۹۱۴ء

۲۶ کشف المحجوب مقدمہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، اسلامک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۶ھ

۲۷ کشف المحجوب بتصیحہ و تحشیہ علی قویم لاہور ۱۹۷۸ء

۲۸ کشف المحجوب علی بن عثمان ہجویریؒ ایران

۲۹ کشف المحجوب مقدمہ ژوکوفسکی تاشقند ۱۳۳۰ھ

Marfat.com

۳۰ مکتوبات خواجہ گیسودراز مرتبہ سید عطا حسین
حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ

۳۱ مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت خواجہ محمد معصوم
اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۷ء

۳۲ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
سعید اینڈ کمپنی کراچی

عقائد

۳۳ شرح العقائد النسفی للتفتازانی سعد الدین التفتازانی کراچی ت ن

تذکرہ (اسماء الرجال)

۳۴ اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی دہلی ۱۹۱۰ء
اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ابن الاثیر عزالدین ابی الحسن
علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری تہران
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ابن حجر عسقلانی قاضی شہاب الدین
احمد بن علی مصر ۱۹۳۹ء

بزرگانِ لاہور سید غلام دستگیر نامی
بزمِ صوفیہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء
تذکرۃ الاولیاء (مترجم) فرید الدین عطار لاہور
حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی لاہور
حلیۃ الاولیاء احمد بن عبداللہ حافظ ابی نعیم اصفہانی مصر ۱۹۳۲ء

Marfat.com

۴۲۔ خزینۃ الاصفیاء غلام سرور قادری لاہوری لکھنؤ ۱۹۱۴ء
۴۳۔ سفینۃ الاولیاء داراشکوہ نفیس اکیڈمی کراچی
۴۴۔ سیر العارفین شیخ جمالی کنبوہ
۴۵۔ شذرات الذہب عبدالحی ابن العماد حنبلی ابی الفلاح مصر ۱۳۵۰ھ
۴۶۔ الطبقات الکبریٰ ابن سعد بیروت ۱۹۵۸ء
۴۷۔ مآثر لاہور ہاشمی فرید آبادی لاہور
۴۸۔ مروج الذہب ومعادن الجواہر المسعودی ابی الحسن
علی بن الحسین بن علی تہران ۱۹۷۰ء
۴۹۔ نزھۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر سید عبدالحی
بن فخرالدین الحسن حیدرآباد دکن ۱۳۹۹ھ
۵۰۔ نفحات الانس عبدالرحمٰن جامی صادق آباد

سوانح

۵۱۔ تذکرہ علی ھجویریؒ سید امین الدین احمد لاہور
۵۲۔ حیات وتعلیمات داتا گنج بخشؒ محمد دین فوق لاہور ۱۹۲۰ء
۵۳۔ سوانح حیات حضرت علی ھجویریؒ لاہور
۵۴۔ علی بن عثمانؒ نسیم چوھدری لاہور
۵۵۔ گنج بخشؒ بحیثیت عالم ایم اے مجید یزدانی لاہور

تاریخ

۵۶۔ آب کوثر شیخ اکرام لاہور

Marfat.com

٥٧- ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ دہلوی	لاہور
٥٨- تاریخ لاہور	سید محمد لطیف	
٥٩- تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	کراچی
٦٠- تاریخی مقالات	پروفیسر محمد اسلم	لاہور ١٩٧٠ء
٦١- عمل صالح	محمد صالح کنبوہ	لاہور ١٩٧١ء

لغت

٦٢- فرہنگ اصفیہ	سید احمد	لاہور ١٣٢٦ھ
٦٣- محیط المحیط	المعلم البستانی	دمشق ١٩٧٠ء

متفرق

٦٤- احیاء العلوم الدین	امام غزالی محمد بن محمد	قاہرہ ١٣٨٧ھ
٦٥- اورنٹیل کالج میگزین	اورنٹیل کالج لاہور	فروری ١٩٦٠ء
٦٦- اردو دائرہ معارف اسلامیہ	دانش گاہ پنجاب	لاہور
٦٧- پاکستان میں فارسی ادب	ڈاکٹر ظہور الدین احمد	لاہور
٦٨- تحقیقات چشتی	نور احمد چشتی	لاہور ١٩٦٤ء
٦٩- حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی	مکتبہ السلفیہ لاہور
٧٠- خطبات مدراس	سید سلیمان ندوی	لاہور
٧١- حالات دینی و علمی	ڈاکٹر مولوی محمد شفیع	لاہور

72. Kashful Mahjoob Translated by Nicholson Lahore
73. Encyclopaedea Britinnica Chicago 1974
74. Islamic Sufism. Capt. Rabbani Lahore 1981
75. The Doctrine of Sufis A.J.Arberrey Lahore 1966

Marfat.com

اشخاص (رجال)

آتش لکھنوی ۳۰۴

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱۵-۳۵۱-۵۰۶

آدم علیہ السلام ۹۲-۱۱۹-۱۵۳-۲۰۲-۲۱۲-۳۲۲-۳۹۷-۴۱۳-۴۲۳-۵۰۲-
۵۰۷-۵۱۲

آربری-اے-جے ۲۹۳-۲۹۷

آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ۳۸۱

آقائے نامدار ۴۶۸

آلوسی (علامہ) ۶۹-۷۱-۳۵۰-۳۴۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱-۵۵-۸۵-۲۷۸-۴۸۷-۵۰۵-۵۳۵-۵۳۷-

ابراہیم علیہ السلام ۲۶۸-۳۵۶-۳۸۹-۴۱۱-۴۲۳-۴۴۱-۴۶۲-۴۷۴-۴۷۵-
۴۸۴-۵۰۷-۵۰۸-۵۱۰

ابراہیم ادہم ۱۰۹-۲۱۳-۲۹۷-۳۰۲-۴۴۷

ابراہیم بن احمد الخواص ۲۸۱

ابراہیم بن شیبان ۴۲۰

ابراہیم الدکتور ۱۰۳

ابرار ۴۰۲

ابلیس ۴۳۹-۴۵۱-۵۴۵

ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان ۱۶۷-۱۴۷-۲۴۹

ابو اسحاق شہریار ۱۵۷

Marfat.com

ابواسحاق اسفرائینی ۳۰۰

امامہ ۲۰۸

ابوبکر صدیق ۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۲۵۸-۴۷۰

ابوبکر بن ابی اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی ۲۹۷

ابوبکر شبلی ۱۲۲-۱۴۹-۱۵۲-۱۵۴-۱۵۵-۲۵۹-۲۲۸-۳۰۰

ابوبکر واسطی ۸۹-۴۰۹-۳۳۳

ابوبکر وراق ۲۷۴-۳۳۰

ابوبکرہ ۱۰۲

ابوجعفر خلدی ۲۸۵

ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی ۱۴۳-۱۶۲-۲۷۳

ابوحارث ۵۴۵

ابوالحارث بنانی ۵۴۴

ابوحازم مدنی ۱۱۳

ابوحازم مکی ۳۰۸

ابوحبیب بن سلیم ۱۱۳

ابوالحسن ۱۲۰-۱۴۷

ابوالحسنات قادری مولانا ۱۲۱-۱۳۷-۲۳۶-۲۴۷-۵۴۴

ابوالحسن بوسنجہ ۴۵۷

ابوالحسن بن شمعون ۳۸۳

ابوالحسن حصری ۱۵۰-۱۵۱-۲۸-۴۴۴

ابوالحسن خرقانی ۲۵۹

ابوالحسن سالبہ ۱۵۱-۱۵۷-۲۲۳

ابوالحسن (علی ہجویری) ۲۴۲-۲۴۳

ابوالحسن نوری ۲۶۱-۲۸۳-۳۴۰-۳۵۵-۳۸۵

ابوالحسین الحفاف ۲۲۲

Marfat.com

ابوالحسین المزین ۵۰
ابوحفص حداد ۴۴۸
ابوحفص نیشاپوری ۲۵۴
ابوحملان دمشقی ۱۶۲-۲۶۱
ابوحمدان القصار ۲۶۱-۴۰۷
ابوحمزہ بغدادی ۳۷۸-۴۴۷
ابوحنیفہ ۱۵۸
ابوالدرداء ۶۰-۱۰۴
ابوذر غفاری ۴۴-۹۶-۱۰۲-۳۷۲
ابورافع ۴۰۲
ابوسعد سمعانی ۲۲۲
ابوسعید ۱۶۱-۱۶۲-۴۰۴
ابوسعید ابوالخیر ۱۴۹-۲۴۹
ابوسعید تبریزی ۱۷۱
ابوسعید الحسن بن ابی الحسن لیسار
البصری المعروف خواجہ حسن بصری ۱۰۶-۱۰۷
ابوسعید خراز ۲۶۱-۳۱۹
ابوسعید شیخ المشائخ ۱۴۶-۱۴۷
ابوسعید فضل اللہ ۳۳۶
ابوسعید ہجویری ۱۷۹-۱۸۳-۲۲۵-۲۴۴-۲۵۳
ابوسعید میہنی ۱۶۴
ابوسلمان البستی المقدسی ۲۷۳
ابوسلیمان دارانی ۳۰۹-۴۰۷
ابوطالب مکی (شیخ) ۸۳-۱۲۲-۳-۴-۲۸۴-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۲
ابوالعباس ابن عطاء ۲۸۳-۳۳۶

Marfat.com

ابوالعباس احمد بن قصاب ۱۴۷-۱۴۸

ابوالعباس احمد بن محمد اشتقانی ۲۴۹-۲۶۰

ابوالعباس سیاری ۲۹۱-۴۰۹-۴۲۸

ابوالعباس بن الجلاء ۲۸۱

ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی ۲۷۴

ابوعبداللہ حارثہ بن نعمان الانصاری ۴۰۹-۴۱۰

ابوعبداللہ خفیف ۲۶۱

ابوعبداللہ خیاط ۱۴۸

ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی ۳۴۷

ابوعبدالرحمٰن السلمی ۱۲۲-۲۷۲-۲۷۳

ابوعبیدہ ابن الجراح، ۴۴-۱۰۲

ابوعلی جرجانی ۴۰۳

ابوعلی دقاق ۴۰۴

ابوعلی الروزباری ۲۸۱

ابوعلی فضل بن محمد فارمدی ۲۲۳

ابوعمر قزوینی ۱۵۱

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی ۵۹

ابوالفتح سالبہ ۲۲۳

ابوالفضل ۲۲۴

ابوالفضل جعفر بن یحییٰ بن خالد برمکی ۱۵۴

ابوالفضل ختلی ۱۵۰-۱۵۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۶۰-۳۰۹-۳۶۴-۵۱۲

ابوفروہ ۱۰۲

ابوالقاسم القشیری ۱۲۳-۱۴۹-۱۸۲-۲۴۴-۲۲۹-۲۸۳-۲۹۹-۳۰۱-۳۰۴-

۳۹-

ابوالقاسم گورگانی (گرگانی) ۱۴۵-۱۴۹-۱۶۳-۱۶۴-۱۸۲-۱۹۱-۲۴۹-۲۶۰-۳۰۵-

Marfat.com

۴۸۲
ابوکبشہ ۱۰۲
ابومحمد الجریری ۹۴
ابومحمد ردیمی ۲۷۳
ابومحمد مرتعش ۲۷۶
ابوالمعالی شاہ قادری ۲۲۸
ابومعمار اصفہانی ۲۷۴
ابوموسیٰ اشعری ۴۵-۵۶-۱۱۶-۵۳۹
ابونصر سراج ۸۹-۹۴-۱۲۲-۲۴۱-۲۶۸-۲۷۳-۲۷۵-۴۸۳
ابونعیم اصفہانی ۷۴-۱۲۳-۲۲۲
ابوہریرہ ۵۷-۶۰-۱۰۲
ابویعقوب نہرجوری ۲۰۴
ابویزید بسطامیؒ ۱۱۷-۱۱۸-۱۵۴
ابویعلیٰ ۲۰۸
ابن الجلاء ۹۵
ابن الجوزی ۲۲۳
ابن جریرہ ۳۵۰
ابن حجر عسقلانی ۴۵
ابن خلکان ۲۲۱-۳۰۰
ابن دنیا المدینی ۲۹۷
ابن سعد ۴۵
ابن عباس ۲۱۲-۴۹۲
ابن العماد حنبلی ۲۹۹-۳۰۰
ابن ماجہ ۴۴-
ابن معاذ رازی ۳۳۱-۳۳۲

ابن المعلا ۱۶۱
ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۳۵-۴۳۶
ابی الحسن بوسنجہ ۳۶۰
ابی الحسن علی بن عثمان ۱۴۰-۱۴۱
ابی سعید بن ابی الخیر المہندی ۱۴۱
ابی العباس احمد بن الانتقانی ۱۴۰،۱۴۱،۱۴۳
ابی علی ۱۲۸
ابی القاسم عبدالکریم القشیری ۱۴۱-۴۴۳-۴۴۴
اجمیر کے سرور (حضرت خواجہ معین الدینؒ) ۱۹۴
احمد بن حضرویہ ۲۷۴-۲۸۲
احمد بن خوارزمی ۲۸۳
احمد بن شعیب ۷۶
احمد بن محمد سائح ۲۷۶
احمد بن محمد القصاب ۲۵۹
احمد حماد السرخسی ۱۵۷-۱۶۵-۱۸۰-۱۸۳-۲۰۶-۲۰۷-۲۲۵
احمد سمرقندی شیخ ۱۶۳
احمد نجار ۱۵۷
ادیب کندی ۱۶۱
اسامہ بن زید ۹۱-۱۲۱
استاد قشیری ۲۲۱-۲۲۲
استاد نفیسی ۲۲۰
اسماعیل علیہ السلام ۳۵۶-۴۲۳
اسماعیل بن محمد عبداللہ المستملی ۲۹۷
اسماعیل پاشا بغدادی ۲۲
اسود بن یزید ۲۵۳
اشتقانی ۳۰۹

Marfat.com

اقبالؒ (علامہ) ۱۸۳-۲۵۳
اکبر ۲۲۹
الپتگین ۱۳۳-۱۳۴
اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۷-۵۸-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-
۶۵-۶۶-۶۷-۷۱-۷۲-۷۳-۷۷-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۷-
۹۲-۹۴-۹۵-۹۶-۱۰۱-۱۱۲-۱۱۶-۱۴۴-۱۵۲-۱۵۵-۱۵۸-
۱۶۳-۱۶۵-۱۷۱-۱۸۱-۱۸۲-۱۹۱-۱۹۶-۱۹۸-۲۰۵-۲۳۸-
۲۶۶-۲۶۸-۲۶۹-۲۹۲-۲۹۶-۳۰۲-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-
۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۲۵-۳۲۷-۳۲۸-۳۳۲-۳۳۴-
۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۴۱-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۵۰-
۳۵۶-۳۵۳-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۹-۳۸۱-
۳۸۴-۳۸۷-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-
۴۰۱-۴۰۲-۴۰۵-۴۰۷-۴۱۲-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۳-۴۲۵-۴۲۶-
۴۲۸-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-
۴۴۰-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-
۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۷-۴۶۰-
۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۹-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۶-
۴۷۸-۴۸۱-۴۸۳-۴۸۶-۴۸۷-۴۹۰-۴۹۲-۴۹۴-۴۹۶-
۴۹۷-۴۹۸-۵۰۱-۵۰۵-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۶-۵۱۷-۵۲۰-
۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۳-
۵۳۴-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۵۰-۵۵۶-
الٰہی ۵۸-۶۷-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۴-۱۱۸-۱۵۳-۱۷۸-۲۵۳-۳۲۱-۳۲۴-
۳۳۶-۳۴۰-۳۵۶-۳۵۸-۳۷۱-۳۷۶-۳۹۵-۳۹۷-۳۹۸-۴۲۴-
۴۳۶-۴۳۹-۴۵۷-۴۶۰-۴۷۷-۵۲۳-۵۲۴-۵۳۱-
امام ابوحنیفہ ۱۱۳-۲۱۳-۲۱۵-۲۱۶-۲۵۹-۲۶۲-۴۴۷-

امام ابوداؤدؒ ۲۰۹

امام ابویوسفؒ ۴۴۷

امام احمد بن حنبلؒ ۱۰۰-۲۵۹-۴۴۷

امام باقرؒ ۲۵۸

امام جعفر صادق ۲۵۸-۲۹۷

امام ثوری ۲۵۸-۵۴۴

امام حسین ۲۵۸-۲۷۲

امام رازی ۶۸-۲۱۲-۳۵۰-۳۵۱-۳۴۹

امام ربانی مجدّد الف ثانی ۸۳-۸۴-۸۵

امام زین العابدین ۱۲۸-۲۵۸-۲۹۴

امام شافعیؒ ۲۵۹-۴۴۷

امام طبرستان ۱۴۸

امام قشیری ۱۲۴

امام مالک ۴۴۷

امام محمد ۴۴۷

امیر الاولیاء ۱۱۳

امیر تیمور ۲۴۰

امیر حسن سنجری ۱۳۴

امیر مجد الدین ۱۷۶

امیر محمد ۱۷۴-۱۷۵

امیر مسعود السلطان ۱۷۴-۱۷۵

امیر معاویہ ۵۴۴

امیمہ ۷۷

امین الدین احمد ۱۳۱

امیہ بن الصلت ۵۳۸

Marfat.com

انس بن مالک ۵۹ - ۱۰۲
اوتاد ۴۰۲
اویس قرنیؓ ۴۵ - ۱۰۴ - ۲۵۹ - ۲۹۷ - ۳۶۱
اہرمن ۴۴۴
ایم۔اے مجید۔یزدانی ۱۳۸ - ۲۴۶
ایوب علیہ السلام ۳۵۹
بابا فریدالدین گنج شکر ۱۳۷ - ۲۲۸
بایزید بسطامی ۱۵۰ - ۱۶۱ - ۳۷۹ - ۳۸۳ - ۴۰۴ - ۴۰۸ - ۴۱۲ - ۴۲۵ - ۴۲۸ - ۴۴۴ -
۴۵۲ - ۴۷۵ - ۴۷۹ - ۴۸۷ - ۴۹۱
براء بن مالک ۱۰۲
بشیر ۷۶
بشیر احمد سعنی ۲۳۸
بشیر بن الخصاصہ ۴۷ - ۷۵
بشر حافی ۲۱۳ - ۲۸۳ - ۳۷۴ - ۳۴۷ - ۴۴۳
بصیر ۳۴۴
بکر بن عبداللہ المزنی ۹۱
بلال حبشی ۱۰۲ - ۱۵۸ - ۲۱۴ - ۳۶۱
بلبن ۲۲۹
بوعلی رودباری ۴۲۳
بہلول بن ذدیب ۱۰۵
بیہقی ۴۷
پیر علی ہجویری ۱۳۱
پیر غلام دستگیر نامی ۱۲۸
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ۸۶ - ۱۵۸ - ۲۰۹ - ۲۱۴ - ۲۱۵ - ۲۱۶
تاج الاولیاء ۱۳۱ - ۱۳۵

Marfat.com

ترمذی ۵۹-۶۸-۷۷
تستری ۲۸۰
تفتازانی ۲۲۹-۲۳۰
تمیم داری ۱۰۲
جالوت ۳۷۹-۴۲۶
جامی (عبدالرحمن مولانا) ۱۱۶-۱۳۶-۱۴۳-۱۹۵-۲۱۷-۲۲۳-۲۴۲-۲۸۴-۲۸۸-
۳۰۹-۳۴۲-
جامی لاہوری ۲۱۹-۲۲۶
جبرئیل علیہ السلام ۸۳-۱۱۷-۱۳۳-۲۶۷-۳۵۰-۳۵۱-۴۱۴-۴۶۴-۴۷۹-
۵۱۸-
جریر بن عبداللہ ۷۶
جعفر ۱۵۴
جعفر خلدی ۲۷۶
جمالی کنبوہ ۱۷۱
جلابی ۱۶۰-۲۴۰
جنید بغدادی ۷۴-۸۵-۹۲-۹۸-۱۱۷-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۵۰-۱۵۴-۲۵۹-
۲۶۱-۲۶۴-۲۷۳-۲۸۳-۳۱۹-۳۴۱-۳۵۶-۳۷۶-۳۸۰-
۳۸۲-۳۸۵-۴۰۳-۴۰۹-۴۱۰-۴۲۱-۴۴۵-۴۵۶-۴۷۲-
۴۸۱-۴۹۲-۴۹۵-۴۹۸-۵۴۵-۵۴۷
جہانگیر ۲۲۹
جہانگیر اشرف سمنانی ۲۵۱
جہانگیر بادشاہ ۲۲۸
جواد ۱۷۴
چراغ دہلوی نصیر الدین ۱۹۳
چشتی ۲۲۵

Marfat.com

حاجب الحجاب ۴۹۸

حارث المحاسبی ۲۸۳-۳۷۴-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۴۲۱-۴۷۹

حافظ ابن حجر عسقلانی ۱۰۱

حافظ شیرازی ۵۱۳

حاکم ۴۴-۴۷

حبرالامت (عبداللہ بن عباس) ۳۴۸-۳۴۹

حبشی مغنیہ ۴۴۵

حبیب عجمی ۱۰۸-۱۱۰-۱۵۰-۲۵۹

حبیب فارسی ۱۵۹

حجاج بن یوسفؒ ۸۸-۱۰۸

حذیفہ بن الیمان ۱۰۲-۲۰۸

حرہ گوہر ۱۷۵

حسان بن ثابت ۴۴۵

حسن بصری ۴۵-۱۱۳-۱۶۸-۲۵۹-۲۹۷-۳۰۸-۳۶۱

حسن بن محمد بن حسن ختلی ۱۵۱

حسین بن منصور حلاج ۴۸-۱۱۹-۱۴۳-۲۷۳-۳۰۹-۴۰۸

حسین زنجانی ۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳

حصری ۱۴۹-۱۵۳-۴۲۱-۵۱۶-۵۴۴-

ہجویری حضرت ۱۳۶-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۲۰۳-۲۰۷-۲۱۹-۲۳۸
۲۳۹-۲۵۴-۲۵۶-۲۵۷-۲۶۶-۲۶۷-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-
۳۱۷-۳۲۳-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۱-۴۶۳-۴۸۳-۴۸۵
۴۸۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۴۴-۴۵-۶۸-۶۹-۸۳-۸۸-۸۷-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-
۹۴-۱۰۲-۱۰۴-۱۰۵-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۸-۲۱۰-۲۱۱
۲۱۲-۲۶۳-۲۷۵-۳۱۳-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۹-۳۳۵

۳۴۵ - ۳۴۸ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۶ - ۳۷۱ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۸۱ - ۳۹۴ - ۳۹۶ -
۳۹۷ - ۴۰۰ - ۴۰۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۳۲ - ۴۴۸ - ۴۵۱ - ۴۵۳ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۷
۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۳ - ۴۷۵ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۹۱ - ۴۹۲
۴۹۳ - ۴۹۵ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۳۳ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۱ - ۵۴۴
۵۴۶ - ۵۵۳

حفصہ ۸۸

حق (اللہ تعالیٰ) ۲۶۲
۳۲۰ - ۳۴۱ - ۳۶۷ - ۳۷۱ -
۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۲۱ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۴۲ - ۴۷۹ - ۵۰۷ - ۵۱۴ - ۵۱۵ ۔
۵۲۳ - ۵۴۹ -

حکیم امین الدین سید ۲۲۰

حکیم ترمذی ۱۱۹ - ۲۶۱

حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۱۳۷ - ۱۳۸ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۴۷ - ۳۰۹ - ۳۳۳ - ۳۳۵ -
۳۴۵

حلاج ۲۳۳ - ۲۹۳

حولا بنت تویت ۱۵۱

حی ۴۴۳

خالق دنیا (اللہ) ۴۹۷

خباب بن الارت ۱۰۲

ختلی ۱۴۰ - ۱۷۱ - ۱۴۹ - ۱۶۶ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۳ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۱۸۴
۲۴۹ - ۲۵۰ - ۳۹۱ - ۴۸۹

ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۳۰۳

خدا عزوجل ۵۹ - ۹۰ - ۱۱۵ - ۱۳۶ - ۱۳۸ - ۱۶۳ - ۱۷۸ - ۵۱۹ - ۵۳۲ - ۵۳۹

خضر علیہ السلام ۹۸

خطابی ۲۰۸

Marfat.com

خلیق احمد نظامی ۱۰۷-۱۰۸-۱۲۳

خلیل اللہ علیہ السلام ۳۷۵

خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی ۱۵۷

خواجہ ابوالحسن خرقانی ۱۳۴

خواجہ ابویوسف ہمدانی ۱۷۱

خواجہ بندہ نواز گیسودراز ۳۰۹

خواجہ حسن بصری ۱۰۸-۱۱۰-۱۱۱-۱۵۰-۱۶۹

خواجہ عبداللہ انصاری ۲۹۶-

خواجہ فرید الدین عطار ۲۵۱

خواجہ محمد معصوم ۸۵

خواجہ معین الدین اجمیری ۱۳۴-۱۳۵-۱۳۸-۱۷۱-۱۷۲-۲۲۸-۱۹۱

خواجہ نظام الدین اولیاء ۲۵۱-۳۱۲

خورشید مظفر بن شیخ سعید ۱۵۷

خیر النساج ۱۵۴-۴۴۷

داتا صاحب ۲۰۸-۲۲۰-۲۲۸-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۷-۱۲۳-۱۲۶-۱۲۷۔۱

دارا شکوہ ۱۰۷-۱۱۱-۱۲۷-۱۳۱-۱۳۵-۱۳۶-۱۷۱-۱۹۵-۲۱۹-۲۲۵-۲۲۷۔
۲۲۸-۲۴۳-۲۹۷-۳۳۲

داؤد علیہ السلام ۴۲۶-۵۳۹-۵۴۱-۵۰۸-۳۷۹-۳۸۸-۴۱۳

داؤد طائی ۱۵۰-۱۵۹-۲۶۲-۴۴۷-

ذات باری تعالیٰ ۳۲۶-۳۸۹-۴۱۶-۴۹۳

ذات حق ۳۸۹-۴۱۱-۴۱۲

ذات خداوندی ۲۵۴

ذات قدیم ۳۲۸

ذوالنون مصری ۴۶-۱۱۴-۱۱۵-۲۵۹-۳۵۵-۴۱۴-۵۴۲-۴۴۷-۴۵۷

ذہبی (علامہ) ۱۸۳

Marfat.com

رابعہ بصری ۱۱۱-۱۱۲-۴۹۷
راجہ انند پال ۱۷۶
راقم الحروف (سید محمد متین ہاشمی) ۲۲۹-۳۰۵
رائے راجو ۱۸۸
رب ۷۱-۲۹۱-۳۲۸-۳۳۵-۳۶۰-۳۸۰-۳۸۷-۴۱۳-۴۱۵-۴۴۵-۴۵۸-
۴۷۵-۴۷۸-۴۹۰-۵۱۱-۵۱۸-۵۱۹-۵۳۵
ربیع ۳۵۱
ربیع بن خثیمہ ۱۰۳
رحمان علی ۲۲۰
رحیم ۸۰
رسول اللہؐ ۵۷-۵۸-۵۹
۶۱-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۷۱-۷۵-۷۶-۷۷-۸۶-۱۰۰-۱۰۱-
۲۰۱-۲۵۲-۲۵۶-۳۱۷-۴۲۷
رؤف ۸۰
رویم ۵۰ رویم
۲۸۱-۳۳۶
رویم بن محمد ۲۸۳
ریو ۲۲۰
زبیری ۱۳۱
زکریا علیہ السلام ۳۴۹-۳۵۰-۳۵۷
زکی الدین عبدالعظیم المنذری ۶۰
زید ۱۲۸-۲۳۸
زید (امام) ۱۳۱

Marfat.com

زید بن الخطاب ۹۴-۱۰۲

زید شہید ۱۲۸

ژوکوفسکی ۱۲۶-۱۴۳-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۴-
۱۶۵-۲۳۲-۲۷۳-۲۷۲-۲۴۳-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰

ساریہ ۹۳

سالم بن عبداللہ بن عمر ۴۵

سخاوی ۲۹۹

سخی ۴۷۱

سحنون ۱۱۸

سدی ۳۴۷

سراج ۹۰-۱۴۳-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۳-۲۸۵

سرور دو عالمؐ ۵۳۲

سرور دو جہاںؐ ۳۳۳

سری سقطی ۱۲۱-۱۵۰-۲۵۹-۲۷۲-۲۸۰-

سعد الدین حمویہ ۱۷۱

سعدی ۲۳۶-۵۵۲

سعید بن مسیب ۲۵۹

سفیان ثوری ۱۱۱

سلطان ابراہیم بن مسعود ۲۲۹

سلطان حقیقت (اللہ) ۳۸۳

سلطان شمس الدین ۲۲۹

سلطان العارفین بایزید بسطامی ۱۱۶-۱۶۱-۱۶۷-۳۳۳

سلطان محمد ۱۷۷

سلطان محمد غوری ۲۲۹

سلطان محمود غزنوی ۱۲۹-۱۳۰-۱۷۴-۱۷۶-۱۸۵-۲۲۶

سلطان مسعود ۱۷۶-۱۷۷-۱۸۰

سلمان فارسیؓ ۴۴-۱۰۲-۱۶۱

سمیع ۸۰

سہروردی عبدالقاہر بن عبداللہ ۴۲-۴۳-۴۶

سہروردی مقتول ۲۹۳

سہل بن عبداللہ تستری ۴۷-۵۰-۹۴-۱۱۹-۲۶۱-۲۷۴-۲۷۶-۲۸۴-۳۹۵-
۳۹۸-۴۰۷-۴۲۱-۴۲۸-۴۵۶-۴۷۷-۴۸۸-

سہل بن عبداللہ الجریری ۲۸۱

سہل بن علی اصفہانی ۲۸۱

سیدالانبیاء حضرت محمد ۵۰۸-۵۰۹

سید سلیمان ندوی ۲۴۰

سید عبدالحی ۲۲۵

سید ہجویر مخدوم امم ۱۳۰-۲۵۰

شاہجہان ۳۲۹

شاہ شجاع ۱۲۸-۲۷۴

شبلی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰-۱۵۴-۲۶۶-۲۸۳-۳۴۰-۴۷۰-۶۹۱-۶۹۸-۵۱۱-۵۱۵-
۲۸۳-۳۴۰ ۵۳۵-۵۴۲-

شرف الدین یحییٰ منیری ۳۰۹

شریف کنجاہی ۲۳۶-۲۳۸-۲۳۹-۳۴۱

شیخ ابوبکر کلاباذی ۲۴۰

شیخ ابوالحسن سمنونی ۲۵۶

شیخ ابوالحسن علی بن بکران ۱۵۷

شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی الہجویری ۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۳-۲۰۴-۲۰۷-

شیخ ابوسعید ۲۸۳

شیخ ابوسعید ابن العربی ۱۲۴

Marfat.com

شیخ ابوسعید ابوالخیر ۱۲۳
شیخ ابوسہل صعلوکی ۲۴۰
شیخ ابوطاہر مکشوف ۱۵۷
شیخ ابوعلی دقاق ۲۹۹ - ۳۰۰
شیخ ابوعبداللہ جنیدی ۱۵۷
شیخ ابومحمد الجلدی ۱۱۲
شیخ ابی الحسن محمد بن ابی عبداللہ احمد بن عالم البصری ۲۸۴
شیخ احمد بن شیخ خرقانی ۱۷۷
شیخ اسماعیل لاہوری ۱۸۲ ۱۹۵-۱۹۶ ۱۸۹-۱۹۵۰
شیخ حمید الدین ناگوری ۱۰۸
شیخ رحمۃ اللہ علیہ (ختلی) ۱۹۱-۵۱۴-۵۱۶-۳۰۷۳- ۳۶۸
شیخ عبدالقادر جیلی ۵۶
شیخ عبداللہ انصاری ۱۲۳
شیخ صفی الدین گازرونی ۱۹۱-۱۹۴
شیخ محمد اکرام ۱۸۴
شیخ محمد زکی بن العلاء ۱۵۷
شیخ ہندی ۱۸۹
شہزادہ داراشکوہ ۲۲۹
شیطان ۶۶-۹۴-۱۹۱-۳۵۹-۳۹۷-۴۰۳-۴۱۳-۴۱۱-۴۸۱ ۴۹۲-۵۰۰
۵۴۱-۵۴۴
صاحب التعرف الکلابازی ۲۹۸
صاحب خزینۃ الاصفیا (غلام سرور لاہوری ۱۳۰-۱۳۵
صاحب کشف المحجوب علی ہجویری ۱۰۴-۱۱۰-۲۹۷
صباح الدین عبدالرحمٰن ۱۳۰-۱۹۶-۲۲۰-۲۴۴
صدیق اکبر ۱۱۵-۴۱۰-۳۵۳

Marfat.com

صفوان ۱۰۲

طاؤس الفقراء ۲۷۰

طبرانی ۷۴

طیفور بن یحیٰ بن آدم بن سروشان ۱۱۶

ظہور الدین احمد ڈاکٹر ۱۸۰-۱۸۲-۱۹۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۲-۲۳۳-۲۳۵
۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۷-۳۰۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱
۳۵۲

ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم ۲۲۶

عائشہؓ (ام المؤمنین) ۱۰۱-۲۶۱

عبادہؓ بن صامت ۷۲ - ۷۴

عبداللہؓ ۱۲۸

عبداللہؓ ابن عباس ۱۰۱-۴۳۵

عبداللہ بن حارث بن الاسد المحاسبی ۱۱۹-۱۲۰-۲۶۱

عبداللہ بن رواحہ ۱۰۲

عبداللہ بن علی بن محمد بن یحیٰ ابونصر السراج ۲۷۵

عبداللہ بن عمر ۱۰۱

عبداللہ بن مسعود ۱۰۲-۵۳۷

عبداللہ خفیف ۳۰۶

عبدالحق محدث دہلوی ۱۹۴-۱۹۵

عبدالحکم ۸۵

عبدالحی ۱۳۴

عبدالحیٔ ابن العماد الحنبلی ۲۲۱-۲۲۲

عبدالحیٔ حبیبی ۲۲۰-۲۲-۲۲۳-۲۲۴

عبدالحیٔ الحسنی سید ۱۱۴-۱۹۵-۲۱۷

عبدالقاہر بن عبداللہ السہروردی ۸۱-۸۲

Marfat.com

عبدالکریم بن الہوازن القشیری ۲۶۰
عبدالماجد دریا آبادی ۱۲۷-۱۳۶-۱۳۹-۱۹۶-۲۱۹-۲۴۴
عبدالواحد بن زید ۲۹۷
عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی ۱۲۷-۱۳۱
عثمان بن مظعون ۱۱۰
عثمانؓ غنی ۸۷-۸۸-۹۵-۹۶-۹۷-۳۷۰-
عثمان نہدی ۹۴
عروہ بن زبیر ۱۵۳
عزازیل ۵۴۵
عطار (فریدالدین ۱۱۴
عکاشہ بن محصن ۱۰۲
علاؤالدین علی بن اسماعیل قونوی ۲۹۶
علقمہ بن قیس ۱۰۳
علیؓ کرم اللہ وجہہ الشریف ۴۵-۹۸-۹۹-۱۰۷-۱۰۵-۱۲۸-۱۳۰-۱۳۳-۲۳۵
۲۵۸-۳۱۴-۳۶۱-۳۹۰-۴۵۹-۵۴۴
علی بن الحسن السیرکانی ۱۵۷
علی بن سہل ۴۹۲
علی بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمان
بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین
اصغر بن سید زید بن حضرت امام حسینؓ
بن حضرت علیؓ ۱۲۸-۱۲۹
علی بن عثمان ۱۰۲-۱۵۰-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۷۹-۱۸۶-۱۹۸-۲۱۴
۲۱۶-۲۳۴-۲۴۶-۳۰۲-۳۸۲-۴۴۴-۵۴۹-
علی قویم ۲۵۴-۲۷۲
علی مخدوم ہجویری ۱۳۶
علیم ۱۶۷-۴۳۳

عمار بن یاسر ۱۰۲
عمر بن خطاب ۸۰-۹۳-۹۴-۹۵-۱۰۰-۱۰۷-۱۳۳-۲۷۰-۳۶۱-۴۲۵-
۵۳۵-۵۴۴-
عمر بن عبدالعزیز ۱۳۳
عمر بن عثمان مکی ۲۷۳
عمرو ابن شرید ۲۷۸
عمرو المکی ۳۰۹
عیسٰی علیہ السلام ۴۳-۲۴۰-۳۵۷-۴۱۸-۴۴۰-۵۰۸
غالب ۲۵۲
غزالی ۴۴-۷۱-۲۰۸
غلام سرور قادری ۱۲۷
غوث ۴۰۲
غوث الثقلین ۱۷۱
فاروق اعظم ۸۷-۹۳-۱۰۵-۲۶۱
الفخر رازی (امام فخرالدین) ۶۹
فریدالدین عطار ۱۰۷-۱۱۱-۲۷۶-۳۰۸-۳۰۹
فرعون ۴۸۷
فضل ابی علی بن محمد الفارمدی ۱۴۱
فضیل ابن عیاض ۱۰۸-۱۱۳-۲۱۳-۲۹۷-۳۷۴-۴۴۷
فقیر محمد جہلمی ۱۲۷-۱۴۰
فتح نالی ۲۲۸
فوق محمد دین ۱۷۷-۱۸۰
قابیل ۲۰۲-۲۱۲
قارون ۴۸۷
قاسم سرخسی ۱۵۷

Marfat.com

قاسمی شیرازی ۱۷۶
قدیر ۱۶۷
قرطبی علامہ ۲۴۷
قشیری (ابوالقاسم) ۳۸ - ۳۰۳
قطب (قطب زماں) ۴۰۲
کعب الاحبار ۱۰۲
کعب بن مالک ۶۷ - ۶۸
کلاباذی ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷
کمیل بن زیاد ۹۹
کنجاہی (شریف) ۲۴۰
کیپٹن ربانی ۱۰۷
گنج بخشؒ ہردو عالم ۱۲۰ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۹ - ۱۶۶ - ۲۳۵
لبسیونی - ابراہیم الدکتور ۴۴
لبید ۵۳۸
لجلاج ۱۰۲
لوئی عباسی ۲۴۵ - ۳۰۸
ماروت ۲۰۲
مالک بن دینار ۱۰۸ - ۱۱۳ - ۲۹۷ - ۴۸۱
مالک الملک ۳۳۸ - ۴۴۹
مانی ۲۵۶
متکلم ۳۴۳
مجاہد ۳۴۷
مجدد الف ثانی ۱۵۷
مجتہد ابوالعباس دامغانی ۱۵۷
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۷۵ - ۷۹ - ۹۰ - ۳۵۷ - ۴۱۴ - ۴۴۷ - ۴۶۸ - ۵۳۲ - ۵۵۰

Marfat.com

محمد اسلم پروفیسر ۱۷۱
محمد اکرام شیخ ۱۳۴-۱۹۷-۲۱۹
محمد بن خفیف ۴۰۸
محمد بن داؤد الدقی ۲۷۶
محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی ۶۸
محمد بن علی بن الحسین ۳۵۶
محمد بن علی بن عطیہ الحارثی ۲۸۴
محمد بن علی حاکم ترمذی ۳۶۲
محمد بن علی ترمذی ۲۷۳-۴۰۹-۴۸۲
محمد بن الفضل ۲۹۷
محمد بن فضل بلخی ۳۳۰
محمد بن کعب ۱۰۲
محمد بن واسع ۱۰۸-۱۱۳-۴۷۶
محمد الترمذی ۳۰۹
محمد حسنین ہیکل ۳۵۲
محمد حسین ڈاکٹر ۲۲۶
محمد دین فوق ۱۷۵-۱۸۶-۱۹۷
محمد شفیع ڈاکٹر مولوی ۱۲۷-۱۲۹-۱۳۱-۱۳۶-۲۱۸-۲۲۰-۲۲۷
محمد صالح کنبوہ ۱۷۲
محمد غوث (شاہ) گوالیاری ۲۲۸
محمد لطیف (سید) ۱۷۹
محمود غزنوی ۱۳۴-۱۳۵
مدبر الامر (اللہ تعالیٰ) ۴۳۱
مرتعش ۱۵۴-۳۰۹-۵۵۹
مرسل ۵۰۵

Marfat.com

مریم علیہ السلام ۱۱۱ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۴۱۸

مزمل ۳۶۷

مسبب الاسباب (اللہ تعالی) ۸۲ - ۳۳۶

مسعود غزنوی ۲۲۶

مسعودی ۴۴

معروف کرخی ۴۶ - ۱۵۰ - ۲۵۹ - ۲۱۰

معلم بستانی ۴۲

معین الملت والدین (خواجہ اجمیر) ۱۹۴

مفتی غلام سرور ۱۲۸ - ۱۳۷ - ۱۷۲ - ۱۸۷ - ۲۲۵

مقداد بن الاسود ۱۰۲

ملک الشعراء بہار ۲۲۰ - ۲۴۵

منصور حلاج ۱۱۸ - ۱۲۱

مودود بن مسعود غزنوی ۱۷۷ - ۱۸۸

مولا علیؓ ۳۵۱

مولائے کل (اللہ) ۳۳۸

موسیٰ علیہ السلام ۳۵۷ - ۳۶۵ - ۳۷۴ - ۳۸۱ - ۴۵۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۷
۵۱۸

میر ۲۵۲

میکائیل ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۴۱۴

ناصر الدین سبکتگین ۱۳۳ - ۱۳۴

نامی ۱۲۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۵۶ - ۸۶ - ۱۰۲ - ۱۱۹ - ۲۱۲ - ۲۱۱ - ۲۳۱ - ۲۵۲ - ۲۵۶
۲۵۹ - ۲۶۷ - ۲۷۸ - ۳۲۶ - ۳۳۴ - ۳۳۸ - ۳۶۱ - ۳۸۰
۳۸۴ - ۴۰۶ - ۴۱۲ - ۴۱۴ - ۴۳۱ - ۴۵۸ - ۵۰۵ - ۵۳۰
۵۵۱

Marfat.com

نجم الدین کبری ۱۷۱

نسائی ۲۰۹

النسفی۔ عبید اللہ بن احمد بن محمود ۲۲۹-۲۳۰

نسیم چوہدری ۲۲۰-۲۳۶-۲۳۹

نصر بن الحمامی ۲۸۱

نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ۱۳۷-۱۶۸-۱۷۹-۲۷۴-۳۰۶

نقیب ۴۰۲

نکلسن ۱۲۶-۱۲۹-۱۸۴-۱۹۷-۱۹۹-۲۲۰-۲۴۱-۲۴۳-۲۷۵-۲۹۳

نوح علیہ السلام ۵۰۸

نورالدین جامی ۱۲۷

نور احمد چشتی ۱۷۲

نور محمد سادھو ۲۲۶

نولڈیکی ۴۲

نوری ۴۹-۱۱۸

وسلہ بن اشیم ۱۰۴

ولی اللہ شاہ الدہلوی ۶۵-۷۸-۸۲-

ہابیل ۲۰۲-۲۱۲

ہاروت ۲۰۲

ہاشمی فرید آبادی ۱۸۹

ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۴-۱۰۵-۱۱۱-۱۱۹-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۳

۱۳۹-۱۴۱-۱۴۳-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹

۱۵۱-۱۵۲-۱۵۴-۱۵۶-۱۵۸-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹

۱۷۰-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۷

۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۳-۱۹۵-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۱-۲۰۲

۲۰۸-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۶-۲۱۷-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴

Marfat.com

۲۲۷ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۴ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰
۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۴ - ۲۷۴ - ۲۷۶ - ۲۷۹ - ۲۸۰
۲۸۱ - ۲۸۳ - ۲۸۹ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۷ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳
۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۹ - ۳۱۲ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۳۲
۳۳۴ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۱ - ۳۴۳ - ۳۴۶ - ۳۴۸ - ۳۵۲ -
۳۵۳ - ۳۵۵ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۴
۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۸۱ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۲ - ۳۹۵ - ۳۹۸ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۳
۴۰۵ - ۴۰۷ - ۴۱۲ - ۴۱۴ - ۴۱۷ - ۴۲۰ - ۴۲۳ - ۴۲۸ - ۴۴۰ - ۴۴۲ - ۴۵۵ - ۴۵۶
۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۸ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۷ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۹۲ -
۴۹۳ - ۴۹۵ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۵ - ۵۱۲ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۲۱
۵۲۳ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ -
۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۵۲

ہدایت حسین ۲۲۰

ہرم بن حیان العبدی ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۲۵۹ - ۲۹۷ - ۲۶۱

الہیثمی ۷۵

یحییٰ علیہ السلام ۳۵۷ - ۵۰۸

یحییٰ بن معاذ رازی ۲۷۴ - ۲۸۳ - ۳۳۶ - ۳۴۰ - ۴۰۸

یحییٰ منیری ۲۵۱

یزدان ۴۴۴

یعقوب صدر دیوان ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۵۰۷

یوسف کنعانی ۲۳۵ - ۲۳۷ - ۲۳۹ - ۲۵۳ - ۳۸۸

Marfat.com

اماکن

آذربائیجان ۱۵۶-۱۶۰-۲۶۰-۳۶۷
آسمان ۴۳۹-۴۴۴-۵۰۵
اٹک ۱۷۶
اجمیر ۱۷۶
احد ۹۴-۱۰۴
اعظم گڑھ ۱۲۷-۱۳۰-۱۹۶
افغانستان ۱۳۰-۱۷۵
انگلینڈ ۵۶
اودھ ۱۲۷
ایران ۴۲-۱۱۶-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۵-۱۹۹-۲۵۲-۲۵۶-
۳۰۸-
باب بنی شیبہ ۱۵۸-۲۱۴
بانیار ۱۵۲-۱۵۳
بتکدہ ہند ۱۳۴
بحر کیسپین ۱۲۴
بخارا ۱۶۲-۱۷۱-۲۹۷
برصغیر پاک و ہند ۱۶۷-۱۷۷
بسطام ۱۱۷-۱۶۱

بغداد ۱۲۰-۱۵۶

بلخ ۱۷۱

بھاٹی دروازہ ۱۸۹

بہاول پور ۱۳۱

بہشت ۳۸۷-۳۹۲-۳۹۳-۴۳۴-۴۴۳-۵۲۰-۵۲۹-۵۳۹

بہنور ۲۳۹

بیت اللہ ۷۶

بیت الجن ۱۵۲-۱۸۳

بیررومہ ۹۶

بیروت ۴۲-۴۳-۴۵-۴۶-۶۹-۷۰-۸۲-۳۴۷-۳۵۰

پارس ۱۵۶

پنجاب ۱۷۶-۱۷۷-۱۸۳-۱۸۹-۲۳۸

پنجاب یونیورسٹی ۱۲۹-۱۳۷-۲۴۵-

تبت ۴۳۲

تبریز ۱۷۱

تحت الثری ۵۲۵

ترکستان ۱۲۴-۱۵۶-۱۷۳

تھانیسر ۱۷۷

تہران ۱۴۳-۲۰۴-۲۰۶-۲۱۳-۲۳۲-۲۷۲-۲۷۳

جبل لگام ۱۵۱

جرجان ۱۷۴

جلاب ۱۲۶-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۵-۲۳۷-۲۴۰

جنت ۵۷-۵۸-۵۹-۷۴-۷۶-۱۱۴-۱۳۹-۳۱۶-۳۷۱-۴۲۴-۴۳۶-۴۴۰-
۴۹۳-۵۳۹-

Marfat.com

جہنم ۵۷-۵۸-۵۹-۶۸-۱۱۲-۳۱۵-۳۲۸-۳۹۴-۴۷۰-۵۳۲-
جیلان ۱۷۱
چاند ۴۴۴
چین ۳۲۲-۴۳۲
حجاز ۱۵۶-۱۸۱
حرم (بیت اللہ) ۲۶۴-۴۷۴-۴۷۵

حظیرۃ القدس ۴۳۴
ہمدان ۶۰
حیدرآباد دکن ۱۳۴
خانقاہ ۲۲۶
خانہ کعبہ ۲۳۰-۴۱۳-۴۷۴-۴۷۵
خراسان ۱۵۶-۱۵۷-۱۶۱-۲۶۰
خوزستان ۱۵۶
داتا دربار ۱۸۹
دانش گاہ پنجاب ۲۷۴
دمشق ۱۵۲-۱۶۱-۱۸۳
دوزخ ۳۸۷-۳۹۳-۴۱۶-۴۳۶
دہلی ۵۶-۵۷-۶۸-۷۳-۸۰-۲۱۱
دیارِ ہند ۱۶۱-۲۳۷-
راوی کا گھاٹ ۲۲۸
رملہ ۱۶۱
روس ۱۸۱
زمین ۴۳۹-۴۴۴-۴۵۹-۴۶۴-۴۹۰-۵۰۵
زنجان ۱۷۲-۱۷۳

Marfat.com

سرخس ۱۶۱

سمرقند ۲۲۱

سمندر ۳۲۱-۵۰۹

سندھ ۱۲۴

سورج ۴۴۴

سونی پت ۱۷۴

شام ۸۸-۱۲۴-۱۵۶-۱۸۱-۲۶۰

شاہی مسجد ۲۲۸

صادق آباد ۱۱۶-۲۸۵

صفا ۴۷۴

طبرستان ۱۵۶-۱۷۴-۲۶۰

طوس ۱۵۶-۱۶۳-۱۶۴-۲۷۵

عالم ۶۶

عراق ۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۵۶-۱۵۸-۱۶۲-۱۸۱-۲۶۰

عرش ۱۷-۴۳۴-۴۳۶- ۴۵۸-۵۲۵

عرفات ۴۷۴

عقبیٰ ۵۲۹

غارِ ثور ۳۵۱

غزنی ۱۲۶-۱۳۳-۱۳۵-۱۶۸-۱۷۷-۱۷۸-۱۸۶-۳۶۵-۲۷۴

غزنہ (دارالسلطنت) ۱۲۹-۱۳۰

غزنین ۱۳۱-۲۶۰

فارس ۱۶۲-۲۶۰

فردوس ۱۱۲

فناہ گاہ ۵۲۰

قاب قاسین ۴۲۶-۵۰۹-۵۱۸

Marfat.com

قاہرہ ۶۹-۷۱

قبلہ ۲۶۳-۳۲۴-۴۰۴-۴۵۸-۴۵۹

قصبہ اچہ ۱۹۵

قرن ۱۰۵

قطب البلاد ۱۷۶-۱۸۳-۱۹۴

قلعہ (شاہی لاہور) ۲۲۵-۲۲۷-۲۲۸

قہستان ۱۵۶-۲۶۰

کابل ۲۲۸

کانپور ۲۱۰

کائنات ۶۶

کراچی ۵۹-۷۶-۷۷-۸۴-۱۰۷-۱۰۸-۱۲۷-۲۱۰-۲۱۷-۲۲۵-۲۲۹-
۲۳۹-

کرسی ۴۳۶

کرمان ۱۵۶-۲۶۰

کعبۃ اللہ ۱۸۷-۱۸۸-۲۳۰-۲۶۳

کفرستان ہند ۱۹۴-۲۳۱

کلاباذ ۲۹۷

کمش ۱۶۱-۲۶۰

کمند ۱۶۱

کوفہ ۸۸-۱۰۵-۱۰۶

کونین ۱۶۶

کویت ۵۷-۶۱-۶۲

لاہور ۴۲-۶۵-۸۲-۱۰۲-۱۰۷-۱۲۴-۱۲۷-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۵-۱۳۸-۱۴۱-
۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۵۵-۱۵۹-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-
۱۷۴-۱۷۶-۱۷۷-۱۸۰-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۵-۲۰۶-

Marfat.com

۲۰۸-۲۱۷-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۷-۲۳۱-۲۳۷-۲۳۸-۲۴۳-۲۴۶-
۲۵۲-۲۶۱-۲۷۲-۲۷۶-۲۹۲-۳۶۸-۵۴۵-

لائیڈن ۸۹-۲۸۰

لہانور ۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-

لہاور ۱۶۸

لہنور ۲۳۸

ماوراءالنہر ۱۵۶-۱۶۰-۱۶۵-۲۶۰

مدینۃ المنورہ ۹۳-۳۴۶

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۲۷۲

مرو ۱۶۴-۱۶۵-۱۷۵-۵۳۹

مروہ ۴۷۴

مسجد اقصیٰ ۵۱۵

مسجد حرام ۵۱۸

مسجد شکر گنج ۲۲۸

مسجد گنج بخش ۲۲۸

مسجد نبوی ۴۱-۱۰۲-۲۵۸-۳۳۵-۳۴۶-۳۴۷

مصر ۴۴-۴۵-۸۸-۱۰۱-۱۰۳-۱۱۳-۲۰۸-۲۱۲-۲۲۲-۲۸۵-۲۹۰-
۲۹۳-۲۹۴-۲۹۹-۳۰۱-۳۰۴-۳۴۶-
۳۴۷-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۳-۳۵۴-۳۴۸-

مکہ معظمہ ۷۰-۱۵۸-۲۲۶-۴۷۶-۵۰۹-۵۳۴-

ملتان ۲۳۷-۲۳۸

منیٰ ۴۷۴

میڈیکل کالج (کنگ ایڈورڈ لاہور) ۲۲۶

میقات ۴۷۴-۵۱۹

مینہہ ۱۶۱

Marfat.com

نیشاپور ۱۶۱-۳۰۰

ہال روڈ ۱۹۵

ہانسی ۱۷۴-۱۷۷

ہجویر ۱۲۱-۱۲۶-۱۳۰-۱۳۵-۲۳۶-

ہمدان ۱۷۱

ہند ۱۴۱-۱۶۸-۱۷۸-۱۹۰-۱۹۴-۲۰۶

ہندوستان ۱۲۷-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۹-۱۸۹-۲۴۴-

یمامہ ۸۷

کُتب

آب کوثر ۱۳۰-۱۸۵-۱۸۶-۱۹۷-۲۲۰
آثار ابن سہل ۲۷۴
آداب المریدین ۴۸۲
آئین اکبری ۲۲۴
احیاء العلوم الدین ۴۴-۷۰-۷۱-۲۰۸
اخبار الاخیار ۱۹۴-۱۹۵
اخبار الاصفیاء ۲۱۸
اخبار صحاح ۲۷۴
ازالۃ الخفاء ۸۲
اسد الغابہ ۱۰۱
اسرار الخزق والمعومنات ۲۳۲
اسلامک صوفزم ۱۰۷
اصابہ فی تمیز الصحابہ ۴۵-۱۰۱
الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ۸۱
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۰۹-۱۱۱-۱۱۳
اورنٹیل کالج میگزین ۲۲۰-۲۲۱-۲۲۳
امان ۲۳۳
بزرگان لاہور ۱۲۸
بزم صوفیہ ۱۳۰-۱۶۰-۱۹۶-۲۴۵

پاکستان میں فارسی ادب ۱۸۰-۱۹۷-۲۰۷-۲۰۹-۲۱۱-۲۳۴-۲۴۸-۳۰۷-
۳۴۳-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۸-۳۵۱-

تاریخ اہل الصفہ ۲۷۲

تاریخ الصوفیہ للسلمی ۲۷۵

تاریخ مشائخ ۳۶۲-۳۷۳

تاریخ مشائخ چشت ۱۰۸-۱۲۳-۱۲۴-۱۹۲

تاریخ لاہور ۱۷۹

تاریخی مقالات ۱۷۱

تحقیقات چشتی ۱۷۲-۲۲۶

تذکرۃ الاولیاء ۱۰۷-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۲۷۶-۳۰۸

تذکرہ علمائے ہند ۱۸۵

تذکرہ علی ہجویری (حضرت) ۱۳۲

تذکرہ علی بن عثمان ہجویری ۲۲۰-۲۲۴-۲۳۰-۲۳۶-۲۴۰

الترغیب والترہیب ۷۳

تصانیف پنجاہ گانہ ۲۷۳

تصحیح الارادہ ۳۷۳-۴۸۱

تصوف اسلام ۱۲۷-۱۳۶-۱۴۰-۱۹۶-۲۱۹-۲۴۲-۲۴۴-۲۷۵-۲۷۶-
۳۰۶-۳۴۲

التعرف ۱۹۳-۲۴۱-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۷-۲۹۸

تفسیر قرطبی ۲۵۰

تفسیر کبیر ۶۸-۶۹-۳۴۶-۳۵۰-۳۵۱

تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس ۳۴۸

جامع الترمذی ۵۹-۳۴۸

جامع الصحیح للبخاری ۵۶-۵۷-۷۲-۷۳-۲۱۱-۲۵۱

جامع الصحیح للمسلم ۶۰-۶۱-۲۵۱

جامع الاحکام القرآن للقرطبی ۲۴۷
حجۃ اللہ البالغہ ۶۵
حدائق الحنفیہ ۱۲۷-۱۴۰-۲۱۹
حسن التعرف ۲۹۷
حقائق عن التصوف ۵۶
حکایات عراقیاں ۲۷۳
حکایات ہجویری الجلابی ۲۷۳
حلیۃ الاولیاء ۱۰۱-۱۰۳-۱۰۴
خزینۃ الاصفیاء ۱۲۶-۱۲۸-۱۴۰-۱۴۹-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۳-۱۸۷-۱۹۶-۲۱۸-۲۱۹-
۲۲۵-۲۲۶-۳۱۰
خطبات مدراس ۲۴۰
خیر المجالس ۱۹۳
دائرۃ المعارف اسلامیہ ۴۲-۱۲۹-۱۳۷-۲۴۵-۲۷۴
درر نظامی ۲۴۲
دیوان شعر ۲۳۲
راحۃ القلوب ۱۹۳
رسالہ قشیریہ ۴۶-۴۹-۵۰-۱۹۳-۲۲۲-۲۴۱-۲۴۴-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۴-
۳۰۳-۳۴۹
رسائل ابوالعباس سیاری ۲۷۳
الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ ۲۳۳-۲۷۳-۴۴۴-۴۸۲
رغائب ۱۲۰
روایات لابی الفضل ختلی ۲۷۳
روح المعانی ۶۹-۷۰-۳۴۶-۳۴۷-۳۵۰
سرور الصدور ۱۰۸
سفینۃ الاولیاء ۱۰۷-۱۱۷-۱۲۷-۱۳۱-۱۹۵-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۵-۲۲۷-

Marfat.com

۲۴۳-۲۸۴-۳۱۰

سنن ابو داؤد ۲۱۰

سنن ابن ماجہ ۴۴-۶۸-۷۹

سنن نسائی ۷۶-۲۱۰

سوانح حیات حضرت علی ہجویری ۱۷۵-۱۷۷-۱۷۸-۱۸۰-۱۸۶-۱۹۸

سیر الاولیاء ۱۹۲

سیر العارفین ۱۷۱

شاہکار جلالی ۲۳۲

شذرات الذہب ۲۲۲-۲۹۹-۳۰۰

شرح العقائد ۲۲۹-۲۳۰

صحاح (ستہ) ۲۱۰

طبقات الکبریٰ لابن سعد ۴۵

طبقات صوفیہ ۲۷۲

طرائق الحقائق ۳۱۰

عمل صالح ۱۷۱

عوارف المعارف ۴۲-۴۳-۴۶-۴۷-۵۰-۸۱-۸۲

عیون الاجوبہ فی اصول الاسئلہ ۳۰

غلط الواجدین ۲۷۳

فتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ ۵۶

فوائد الفواد ۱۳۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۴-۱۹۳-۲۳۵

فرق فرق ۲۳۳

فرہنگ آصفیہ ۱۷۹

قرآن ۴۳-۵۱-۵۴-۶۶-۶۷-۶۹-۷۱-۷۲-۸۲-۸۳-۸۷-۸۸-۸۹-۹۷-
۱۰۹-۱۲۳-۱۳۲-۱۳۳-۱۵۵-۱۵۶-۱۸۸-۱۸۹-۲۳۱-۲۵۱-۲۵۴-
۲۵۵-۲۵۷-۲۵۸-۲۶۵-۲۷۰-۲۷۸-۲۹۶-۳۱۳-۳۱۵-۳۲۱-

Marfat.com

۳۲۲-۳۲۷-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۹-۳۵۲-۳۷۳-۳۸۸-
۳۹۱-۳۹۶-۴۳۱-۴۳۶-۴۵۴-۴۵۸-۴۶۳-۴۶۵-۴۷۱-۴۷۴-
۴۷۶-۴۸۰-۴۸۷-۴۹۹-۵۰۶-۵۱۱-۵۱۲-۵۲۲-۵۳۰-۵۳۴-۵۳۵-
۵۳۶- ۵۳۹-

قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف المرید الی مقام التوحید ۱۲۳-۱۹۳-۲۱۴-۲۸۵-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰- ۲۹۳-

القول الجمیل ۷۸-

کتاب احکام السماع ۳۰۰-

کتاب البیان لاہل العیان ۲۳۲-

کتاب الجواہر ۳۰۰-

کتاب اللہ ۲۵۴-۲۷۸-۳۲۹-

کتاب اندر اباحت سماع ۲۷۳

کتاب اندر مرقعہ ۲۷۴

کتاب رعایت ۲۷۴

کتاب سلمی ۲۷۲

کتاب سماع ۲۷۳

کتاب فنا و بقا ۲۳۲

کتاب اللمع ۸۹-۹۲-۹۳-۹۵-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۱-۱۲۳-۱۹۳-۲۴۱-۲۶۸-
۲۷۳-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-
۴۸۳-

کتاب صحبت ۲۷۳

کتاب مقدسی ۲۷۳

کتاب المناجات ۳۰۰

کتاب نکت اولی النہی ۳۰۰

کشف الاسرار ۱۳۶-۱۹۸-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-

Marfat.com

۲۳۹-۲۴۰-۲۴۸
کشف الظنون ۲۹۷
کشف المحجوب ۴۲-۱۰۲-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۱۳-۱۱۵-۱۱۷-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۴-
۱۲۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۷-۱۴۸-۱۵۰-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-
۱۵۵-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۷۹-۱۸۳-۱۹۰-۱۹۱-
۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۲-۲۰۴-۲۰۶-۲۰۷-۲۲۱-
۲۲۰-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴ -۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۵-۲۳۶-۲۴۰-
۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۸-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-
۲۵۸-۲۶۱-۲۶۲-۲۷۲-۲۷۴-۲۷۹-۲۸۱-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۸-
۲۸۹-۲۹۲-۲۹۷-۲۹۸-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-
۳۱۰-۳۱۲-۳۴۲-۳۹۸-۵۲۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۵۰

کلام اللہ ۲۷۰
گنج بخش بحیثیت عالم ۱۳۸-۲۴۶
مآثر الکرام ۲۱۹
مآثر لاہور ۱۸۹
مجمع الزوائد ۴۷-۷۵
محیط المحیط ۴۲
مختصر صحیح مسلم ۵۷
مرآۃ الحکماء ۲۷۴
مروج الذہب ۴۴
مستدرک ۴۴
مسند امام احمدؒ ۴۷-۷۶-۱۰۰
مشکوٰۃ المصابیح ۶۸-۸۰-۳۴۸
مقالات دینی و علمی ۱۲۰-۱۲۷-۱۲۸-۱۳۶-۲۱۹-۲۲۰
مکتوبات خواجہ گیسو دراز ۳۰۹

Marfat.com

مکتوبات خواجہ محمد معصوم ۸۵

مکتوبات مجدد الف ثانیؒ ۸۲-۸۴

المنتظم ۲۲۳

منہاج الدین ۲۳۳-۲۵۳

نامۂ دانشوران ۳۱۰

نحو القلوب ۲۳۳

نشاۃ التصوف ۴۴-۴۵-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۱۳۰

نزہۃ الخواطر ۴-۱۳-۱۴۰-۱۴۱-۱۹۶-۲۱۷-۲۱۹-۲۲۵

نفحات الانس ۱۱۶-۱۲۷-۱۴۳-۱۹۵-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۳-۳۴۳-۲۸۵-۳۰۹-
۳۴۲

وفیات الاعیان ۲۲۱-

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

سیّدِ ہجویر

حضرت علی بن عُثمان الجلاّبی الہجویری المعرُوف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

[حیات و تعلیمات]

تالیف

مولانا سیّد محمد مُتین ہاشمی

ڈائریکٹر مرکزِ تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ لائبریری لاہور

شائع کردہ

مرکزِ معارفِ اولیاء، محکمہ اوقافِ حکومتِ پنجاب

دربار داتا گنج بخش، لاہور

Marfat.com